ابنِ صفی

جلد نمبر
21

جاسوسی دنیا

67- طوفان کا اغوا

68- رائفل کا نغمہ

69- ٹھنڈی آگ



پیشرس

جاسوسی دنیا کا خاص نمبر "طوفان کا اغوا" ملاحظہ فرمائیے۔

ایک صاحب نے اپنے خط میں "تصوف" کے بارے میں خاصی طویل گفتگو فرمائی ہے۔ وہ "تصوف" کو افیون سمجھتے ہیں اور اس سے خار کھاتے ہیں۔ انہوں نے پیری، مریدی اور خانقاہوں کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ اپنی جگہ درست...... آہستہ آہستہ لوگ مقاصد کو بھولتے چلے جاتے ہیں اور محض رسومات کو اولیت دے دیتے ہیں۔ یہ بھی نظام فطرت ہی کے تحت ہوتا ہے۔ کچھ دن گزرنے کے بعد ہر شے کی شکل بگڑ جاتی ہے۔ آدمی ہی کو دیکھئے! جوانی میں کچھ نظر آتا ہے اور بڑھاپے میں کچھ۔ کبھی کبھی تو جوانی کی شکل سے ہلکی سی مشابہت بھی باقی نہیں رہتی۔ تصوف نے خلافت راشدہ کے بعد مسلمانوں کے درمیان راہ پائی تھی اور شہنشاہیت کے خلاف ایک پرامن عوامی تحریک کی شکل اختیار کرلی تھی۔ اس کی بنیاد "ہمہ از اوست" کے نظریئے پر رکھی گئی تھی۔ رہی "ہمہ اُوست" کی بات تو یہ شہنشاہیت کے حامیوں کی چلائی ہوئی جوابی تحریک تھی۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ شہنشاہوں کے مظالم کے خلاف احتجاج تک نہ کیا جاسکے۔ جب "سب کچھ وہی" ہے تو ظالم بھی وہی اور مظلوم بھی وہی...... پھر غل غپاڑہ کیسا؟ خاموشی سے ظلم سہو اور ہمہ اوست کا دم بھرتے جاؤ۔ اُف فوہ...... آپ کے خط نے تو پٹری ہی بدلوادی۔ کہنے کا مطلب یہ کہ تصوف کے بارے میں مزید مطالعہ کے لئے سنی سنائی باتوں میں کیا رکھا ہے۔ کچھ نہیں تو کم از کم حضرت داتا گنج بخشؒ کی کتاب کشف المحجوب ہی پڑھ لیجئے۔ ویسے ہم بیچارے اس قابل کہاں کہ ایسے موضوعات پر گفتگو کرسکیں۔ آپ نے ایک بات پوچھی تھی، سو اپنی فہم ناقص کے مطابق یہ چند سطور لکھ دیں۔

والسلام

ابن صفی

لال غبارہ

کیپٹن حمید نے کار روکی اور نیچے اُتر کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ چاروں طرف اونچی نیچی چٹانوں کے سلسلے دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ وہ چند لمحے یوں ہی کھڑا رہا پھر.... کار سے ربڑ کا ایک غبارہ نکالا جس میں گیس بھری ہوئی تھی۔ غبارے کا رنگ سرخ تھا۔

کار اُس نے سڑک سے اتار کر دو چٹانوں کے درمیان کھڑی کی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ جگہ پہلے ہی سے بنا کر تیار رکھی ہو۔ کیونکہ یہاں زمین ہموار تھی اور اس کے آگے کی ڈھلان تین چار بڑے بڑے پتھروں سے بند کردی گئی تھی۔

وہ غبارہ لئے ہوئے سڑک پر آیا اور پھر بڑی پھرتی سے سڑک پار کی، دوسرے لمحے میں وہ دوسری جانب والی ڈھلان میں اتر رہا تھا۔

اس کے جسم پر خاکی قمیض اور خاکی برجس تھے اور پیروں میں گھٹنوں تک پہنچنے والے رائیڈنگ بورڈ سر پر براؤن چمڑے کا خود منڈھا ہوا تھا جس میں چمڑے کی تہوں کے درمیان فولاد کی ٹوپی تھی۔ وہ اس طرح چٹانوں کی اوٹ لیتا ہوا ڈھلان میں اُتر رہا تھا جیسے دیکھ لئے جانے کا خدشہ ہو۔

سورج مغرب میں جھکنے لگا تھا اور دھوپ کی رنگت نارنجی ہو چلی تھی۔ اگست کی ہوا میں اتنی خنکی ضرور تھی کہ حمید محنت نہ کررہا ہوتا تو اس کے دانت بجنے لگتے۔ کچھ دُور چلنے کے بعد وہ بائیں جانب مڑ گیا۔

یہ ایک تنگ سا درہ تھا۔ دونوں چٹانوں کا درمیان فاصلہ دو فٹ سے زیادہ نہ رہا ہوگا لیکن آگے چل کر وہ بتدریج کشادہ ہوتا گیا تھا۔ اختتام پر تو دونوں چٹانوں کا فاصلہ بیس فٹ سے بھی

زیادہ نہ تھا اور یہ اختتام ایک ایسی چٹان پر ہوا تھا جس کی اونچائی راستے کی سطح سے تقریباً پانچ فٹ ضرور رہی ہو گی۔

حمید بہت احتیاط سے دوسری طرف جھانکنے لگا، یہاں بھی ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے دیکھ لئے جانے کا خدشہ لاحق ہو۔

دوسری طرف نشیب ہی نشیب تھا اور اس کے بعد کی چڑھائی پر وہی اُسی سڑک کا ایک حصہ نظر آ رہا تھا جس پر سے وہ گزر کر یہاں تک پہنچا تھا۔ اس جگہ سے اس کا فاصلہ تین فرلانگ سے زیادہ نہ رہا ہو گا لیکن اگر حمید دوبارہ کار پر بیٹھ کر سڑک کے اس حصے پر پہنچنے کی کوشش کرتا تو اسے کم از کم چار میل کا چکر ضرور لگانا پڑتا۔

اس نے غبارہ بائیں ہاتھ میں پکڑتے ہوئے داہنے ہاتھ سے دوربین نکالی جو اس کی برجس کی جیب میں موجود تھی۔

سڑک اس کی نظروں میں اور زیادہ واضح ہو گئی، وہ دوربین کا فوکس موزوں کرتا رہا۔ وہ دراصل اس سرنگ کی طرف دیکھ رہا تھا جس میں داخل ہو کر سڑک نظروں سے غائب ہو گئی تھی۔

اکثر وہ کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف بھی دیکھ لیتا تھا۔ دفعتاً اس نے گیس سے بھرا ہوا غبارہ چھوڑ دیا اور وہ تیر کی طرح اوپر خلاء میں چڑھتا چلا گیا۔

دور سرنگ سے خچروں کی ایک قطار برآمد ہو رہی تھی۔

حمید غبارہ چھوڑ کر فوراً ہی وہاں سے ہٹ آیا۔ اب وہ پھر اُسی راستے پر چل رہا تھا جس سے پہنچا تھا۔



خچروں پر سامان لدا ہوا تھا اور ان کی تعداد چالیس سے کسی طرح کم نہیں تھی۔ ہر خچر پر ایک آدمی بھی موجود تھا۔ اگلے خچر والے کی نظر فضاء میں بلند ہوتے ہوئے غبارے پر پڑی اور اس کے ہاتھوں سے خچر کی باگ چھوٹ گئی۔

پھر وہ سنبھلا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر انہیں مجنونانہ انداز میں ہلانے لگا۔ پھر یک بیک پورے قافلے میں ابتری اور بدنظمی پھیل گئی۔ وہ لوگ جدھر سے آئے تھے ادھر ہی بھاگنے لگے۔ خچروں کی قطار درہم برہم ہو گئی۔

سرنگ میں گھس کر وہ دوسری طرف نکلے۔ خچر بھاگتے رہے۔ اچانک ایک جیپ کار سامنے آتی دکھائی دی۔ اس پر ایک چھوٹا سا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ خچر والوں میں سے کسی نے چیخ کر کہا ٹھہر جاؤ۔ بدقت تمام خچروں کو روکا جا سکا۔ جیپ کار اُن کے قریب آ کر رک گئی۔ اُسے ایک بلڈاگ قسم کا آدمی ڈرائیو کر رہا تھا اور تنہا تھا۔ اپنی ہیئت کے اعتبار سے وہ کوئی اچھا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اس کے چہرے پر سخت گیری کے آثار تھے، بھاری بھر کم جبڑا ان آثار کو کچھ اور زیادہ تقویت سی دیتا معلوم ہوتا تھا۔

"کیوں! یہ کیا ہے؟" وہ غصیلی آواز میں چیخا۔ "مادھو تم کہاں مر گئے۔"

دفعتاً ایک آدمی نے اپنا خچر آگے بڑھایا اور جیپ کار کے قریب پہنچ کر بولا۔

"لال غبارہ"

"لال غبارہ....!" جیپ والے کے لہجے میں حیرت تھی۔

"لال غبارہ جناب۔" مادھو نے پھر کہا۔ "آج تک ایسا نہیں ہوا۔"

"تمہیں وہم ہوا ہو گا۔" جیپ والا بولا۔

مادھو نے مڑ کر آسمان کی طرف دیکھا۔ جیپ والے کی نظر بھی اٹھ گئی۔ سرخ غبارہ آہستہ آہستہ تارہ ہوا جا رہا تھا۔

"یہ کیا مصیبت ہے۔" جیپ والا بڑبڑایا اور ٹھیک اُسی وقت چاروں طرف سے فائر ہوئے لیکن شاید یہ ہوائی فائر تھے اور قافلے والوں کو صرف اتنا بتانے کے لئے کئے گئے تھے کہ وہ چاروں طرف گھیر لئے گئے ہیں۔

جیپ والا سنبھل کر بیٹھ گیا۔ وہ چاروں طرف بکھری ہوئی چٹانوں کو کینہ توز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ لیکن اس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار نہیں تھے۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر اشارے سے قافلے والوں کو نظم و ضبط قائم کرنے کو کہا اور پھر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

دفعتاً چاروں طرف اُسے متعدد سرخ ٹوپیاں نظر آئیں اور پھر مسلح پولیس کانسٹیبل باقاعدہ طور پر اُن کے سامنے آ گئے۔ اُن کی رائفلوں کا رخ قافلے کی جانب تھا سبھوں نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔ پولیس پارٹی کی قیادت کیپٹن حمید کر رہا تھا۔ ذرا ہی سی دیر میں پورا قافلہ گھیر لیا گیا۔ پولیس کانسٹیبل خچروں کے قریب پہنچ گئے۔

"تم لوگ خچروں سے سامان اُتار کر سڑک پر ڈال دو۔" حمید نے بلند آواز میں کہا۔ "ورنہ کوئی لاشیں گننا بھی پسند نہ کرے گا۔"

"آخر کیوں۔" جیپ والا نیچے اُترتے ہوئے بولا۔

"بکواس مت کرو۔ تم کون ہو۔"

"اوہ.... سنئے تو سہی جناب.... آپ خفا کیوں ہوتے ہیں۔ ذرا الگ چلئے میں آپ کو سب کچھ سمجھا دوں گا۔" جیپ والے نے مسکرا کر کہا۔

"میں راشی نہیں ہوں۔ لہٰذا جو کچھ بھی کہنا ہے یہیں کہو۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

"اچھا تو آپ جو کچھ بھی کرنے جا رہے ہیں اُس کے لئے آپ کو پچھتانا پڑے گا۔"

"ہاں.... آں میں اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ اس کی پشت پر کوئی بارسوخ آدمی ہو گا۔" حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا۔" جیپ والا غصیلی آواز میں بولا۔

"ارے....!" حمید نے خچروں والوں کو مخاطب کیا۔ "کیا تم نے سنا نہیں.... سارا سامان سڑک پر اتار دو۔"

خچروں سے بڑے بڑے تھیلے گرائے جانے لگے اور جیپ والا کھڑا دانت پیستا رہا۔



کرنل فریدی نے فائیل ایک طرف ڈال دیا اور جیب سے ڈائری نکال کر اس پر کچھ لکھنے لگا۔ آفس کا وقت ختم ہو چکا تھا اور دوسرے لوگ جا چکے تھے۔ لیکن فریدی کا کمرہ ابھی کھلا ہوا تھا اور باہر چپراسی اسٹول پر بیٹھا اونگھ رہا تھا۔

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور فریدی نے قلم رکھ کر ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو....!"

"کرنل صاحب۔" دوسری طرف سے آواز آئی.... "ہاں میں ہی ہوں۔"

"میں امر سنگھ ہوں جناب۔"

"ہاں.... کہو.... کیا بات ہے۔"

"کپتان صاحب کا تار ہے۔"

"کیا خبر ہے۔"

"انہوں نے ان سمگلروں کو پکڑ لیا ہے لیکن وہ خطرے میں ہیں۔"

"کیا مطلب....؟"

"اور کچھ نہیں معلوم ہو سکا جناب۔ تحریر اتنی ہے کہ میں نے اُن سمگلروں کو پکڑ لیا ہے لیکن میں خطرے میں ہوں۔"

"تار کہاں سے آیا ہے۔"

"ٹیکم گڈھ ہے۔"

"اوہ.... اچھا.... دیکھو امر سنگھ تم میرے لئے رات والے جہاز میں ایک سیٹ بک کرا دو۔ کوشش یہی کرو کہ ایک سیٹ فوری طور پر بک ہو جائے۔"

"بہت بہتر جناب۔"

فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ اس کی پیشانی پر سلوٹیں اُبھر آئی تھیں اور آنکھوں سے گہرا تفکر مترشح تھا۔ اس نے ڈائری بند کر کے جیب میں ڈال لی اور اٹھ گیا۔

چپراسی نے بہت لپک کر دروازہ کھولا۔ شاید اسے توقع نہیں تھی کہ فریدی اتنی جلدی اٹھ جائے گا۔

گھر پہنچ کر بھی وہ سوچ میں ڈوبا رہا۔ تقریباً چھ بجے وہ ایئر پورٹ جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ فون کی گھنٹی بجی اور پھر ریسیور اٹھاتے ہی وہ دوسری طرف سے بولنے والے کی شخصیت سے واقف ہو گیا۔ وہ محکمہ سراغ رسانی کا ڈی آئی جی تھا۔ فریدی کو بھی اس ناوقت دخل اندازی پر حیرت تھی لیکن اس نے اپنی حیرت ظاہر نہیں ہونے دی۔

"کیپٹن حمید کو ٹیکم گڈھ سے واپس بلا لو۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔ "یہ کیس دوسروں کے سپرد کر دیا گیا ہے۔"

"مگر یہ تبدیلی کیوں ہوئی جناب۔"

"تم جانتے ہو کہ اس قسم کی تبدیلیاں عموماً اسی وقت ہوتی ہیں جب ان کے لئے اوپر سے احکامات آئیں۔"

"میں جانتا ہوں۔"

"بس تم اسے واپس بلالو۔"

"بہتر ہے۔ میں اس جہاز سے ٹیکم گڈھ جارہا ہوں جو نو بجے رات کو یہاں سے جاتا ہے۔"

"کیوں.... تم کیوں جارہے ہو۔"

"حمید خطرے میں ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

اُس کا تار آیا ہے۔ اُس نے ان اسمگلروں کو پکڑ لیا ہے، لیکن خود خطرے میں ہے۔"

"اوہ.... دیکھو میرا خیال ہے کہ یہ تبدیلی محض اسی لئے ہوئی ہے کہ تم لوگ اس معاملے میں مداخلت نہ کرو۔"

"تو کیا میں حمید کو مر جانے دوں۔" فریدی نے غصیلی آواز میں کہا۔

"تم نہیں سمجھے میں یہ کہہ رہا تھا کہ تم حمید کو ساتھ لے کر خاموشی سے واپس آجاؤ گے۔"

"بشر طیکہ مجھے خاموش رہنے دیا گیا۔"

"دیکھو بھئی! میں تمہارے ہی بھلے کو کہہ رہا ہوں۔"

"مجھے حیرت ہے، پہلے کبھی آپ نے اس قسم کی گفتگو نہیں کی۔"

ڈی۔ آئی۔ جی نے دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا۔ فریدی نے ایک جھٹکے کے ساتھ ریسیور کریڈل پر ڈال دیا اور میز کے قریب ہی رک کر سوچنے لگا۔

کچھ دیر بعد اس نے پھر ریسیور اٹھا کر کسی کے نمبر ڈائیل کئے۔

"ہیلو....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"کون ہے!"

"درجن.... تم کون ہو۔"

فریدی نے کوئی جواب دیئے بغیر ریسیور رکھ دیا۔ اب وہ پھر نمبر ڈائیل کر رہا تھا۔

رابطہ قائم ہوتے ہی اس نے کہا۔ "نمبر تین.... نمبر تین۔"

"یس سر....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"سانگلی ہاؤز میں درجن نامی آدمی پر نظر رکھو۔ وہ عمارت میں موجود ہے۔"

"ویری ویل سر۔" دوسری طرف سے آواز آئی اور فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

اس نے ریسیور رکھا ہی تھا کہ یک بیک گھنٹی بج اٹھی۔

"ہیلو....!" فریدی نے ریسیور اٹھا کر کہا۔

"کرنل فریدی۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"فریدی اسپیکنگ....!" فریدی نے کہا۔

لیکن دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

فریدی نے ریسیور بڑی تیزی سے رکھا اور دوسرے کمرے میں چلا آیا۔ یہ کمرہ دراصل اس کا اسلحہ خانہ تھا۔ اس نے ایک ریوالور منتخب کیا اور کارتوسوں کا ایک پیکٹ جیب میں ٹھونستا ہوا باہر نکل آیا۔ پھر اس نے وہ سامان بھی وہیں چھوڑ دیا جو ساتھ لے جانے کے لئے اکٹھا کیا تھا۔ لیکن وہ اپنی چیک بک نکالنا نہیں بھولا۔ برآمدے میں آکر ڈرائیور کو آواز دی۔ تھوڑی ہی دیر بعد اس کی کار پھاٹک سے باہر نکلی۔

"ایئرپورٹ....!" فریدی نے ڈرائیور سے کہا۔ روانگی سے پہلے اس نے ملازموں کو ہدایت کر دی کہ اس کی واپسی تک سارے خطرناک قسم کے کتے ہر وقت کھلے رکھے جائیں۔

کار تیزی سے ایئرپورٹ کی طرف بڑھتی رہی۔ لیکن فریدی اس سے بھی لاعلم نہیں تھا کہ تعاقب برابر جاری ہے۔ پچھلی کار کی ہیڈ لائیٹس صاف نظر آرہی تھیں۔

فریدی نے جیب سے ریوالور نکال لیا۔ وہ اب بھی پچھلی کار پر نظر جمائے ہوئے تھا۔ دفعتاً خود اس کی کار زبردست دھچکے کے ساتھ رک گئی اور پھر اسے احساس ہوا کہ واقعہ کیا تھا۔ اس کی گاڑی سے ایک دوسری کار صرف ایک فٹ کے فاصلے پر کھڑی تھی اور اس کا ڈرائیور بُری طرح گالیاں بک رہا تھا۔ فریدی کا ڈرائیور کچھ گرم ہوا ہی تھا کہ اس کار سے دو تین آدمی نیچے کود پڑے۔

"کھینچ لو سالے کو۔" ایک نے کہا۔

"گاڑی بیک کرو۔" فریدی نے اپنے ڈرائیور سے کہا لیکن اب بیک کرنے کی بھی جگہ نہیں رہ گئی تھی کیونکہ تعاقب کرنے والی کار پیچھے آکر رک گئی تھی اور اس کا فاصلہ بھی فریدی کی کار سے شاید ایک ہی فٹ تھا۔

فریدی سوچنے لگا۔ کاش وہ خود ہی ڈرائیو کر رہا ہوتا۔

لیکن وہ ڈرائیور بھی فریدی ہی کا تھا۔ اس نے اتنی ہی جگہ میں گاڑی موڑ کر بڑی بے دردی

سے ان لوگوں پر چڑھا دی جو اگلی کار سے اُترے تھے۔ فریدی کی کار کا اگلا حصہ اگلی کار سے ٹکرایا۔ گاڑی مڑی ضرور لیکن سڑک سے نیچے نہ اتر سکی۔ ویسے وہ بوکھلا کر کافی دور ہٹ گئے تھے جنہوں نے اگلی کار سے اُتر کر ڈرائیور پر حملہ کرنا چاہا تھا۔

فریدی کے لئے اتنا ہی موقع کافی تھا۔ اس نے کار سے چھلانگ لگا دی۔ پچھلی کار سے بیک وقت کئی فائر ہوئے مگر بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے فریدی اندھیرے کے اتھاہ سمندر میں تیرتا سڑک کے بائیں جانب والے نشیب میں اُتر گیا ہو۔

سڑک سنسان پڑی تھی اور غالباً اس سناٹے کی وجہ سے اُسے یہاں گھیرا گیا تھا۔ دونوں کاروں سے اترنے والے نشیب میں دوڑتے چلے گئے۔

فریدی کے ڈرائیور کو جب اطمینان ہو گیا کہ اب دونوں کاروں میں ایک بھی آدمی باقی نہیں رہا تو وہ نیچے اُترا، اگلی کار کو دھکیل کر پیچھے کیا اور اتنی جگہ بنالی کہ وہ بہ آسانی اپنی گاڑی موڑ کر آگے نکال سکے۔

وہ فریدی کا ڈرائیور تھا اس لئے اسے کم از کم اتنا سلیقہ تو تھا ہی کہ دونوں کاروں کا ایک ایک ٹائر بیکار کر کے انہیں مزید تعاقب کرنے کے قابل نہ رہنے دیتا۔

اسے یقین تھا کہ اسی سڑک پر کہیں نہ کہیں فریدی سے لازمی طور پر ملاقات ہو گی لہٰذا وہ گاڑی آگے بڑھا لے گیا۔ اس سے پہلے بھی وہ اکثر معرکوں میں فریدی کا ساتھی رہ چکا تھا۔

ہنگامہ

اسی رات کی بات ہے۔

کیپٹن حمید ٹیکم گڈھ کے ایک نائٹ کلب میں رنگ رلیاں منا رہا تھا۔ اس کی رنگ رلیاں وہاں بھی جاری رہتی تھیں جہاں قدم قدم پر موت کا سامنا ہوتا تھا۔ لیکن یہ بتانا دشوار تھا کہ وہ ایسے مواقع پر خود کو فریب دینے لگتا تھا یا حقیقتاً وہ اتنا ہی نڈر اور لاپروا تھا۔

ان اسمگلروں کو گرفتار کرنے کے بعد سے اب تک اُس پر دو حملے ہو چکے تھے۔ لیکن حاضر دماغی آڑے آئی تھی ورنہ اس وقت اس کی روح عالم ارواح میں بھیک مانگتی پھر رہی ہوتی۔

اسے ٹیکم گڈھ میں اس وقت تک ٹھہرنا تھا جب تک کہ فریدی اسے واپسی کی ہدایت نہ کرتا۔

ان سمگلروں کو پکڑنے کے لئے اسے خاصی ذہنی جمناسٹک کرنی پڑی تھی۔ اس نے کئی دنوں تک چھپ چھپ کر ان راستوں کی نگرانی کی تھی اور اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اسمگلر بآسانی پکڑے جاسکتے ہیں لیکن شاید سرحد کے محافظ دیدہ دانستہ اس کی طرف سے غفلت برتتے تھے۔ ان گرفتاریوں کے سلسلہ میں غباروں والا معاملہ کافی دلچسپ ثابت ہوا تھا۔ حمید کا خیال تھا کہ فریدی اس کارنامے پر داد دیئے بغیر نہیں رہ سکے گا۔

دراصل ان غباروں ہی کی وجہ سے حمید کو اس راستے کا علم ہو سکا تھا جس سے اسمگلر مال لے جاتے تھے۔ ورنہ ان پہاڑوں میں قافلے تو الگ رہے پوری پوری پلٹنوں کا ڈھونڈ نکالنا آسان کام نہیں تھا۔ تو کیا وہ اسمگلر احمق تھے؟ خود ہی اپنی گردن میں پھانسی کا پھندا ڈالنا چاہتے تھے؟ یہ بات حمید کی سمجھ میں نہ آسکی۔

قصہ یہ تھا کہ ایک دن وہ انہیں اسمگلروں کی تلاش میں ٹیکم گڈھ کے پہاڑوں میں بھٹکتا پھر رہا تھا کہ اچانک اسے فضا میں سبز رنگ کا ایک غبارہ اڑتا ہوا نظر آیا پہلے تو اس نے اُسے نظر انداز کر دیا لیکن پھر سوچا کہ اس ویرانے میں غبارہ کس نے اڑایا۔ اس حصے میں تو شاید ٹورسٹ بھی نہیں آتے تھے۔ کچھ دیر کے لئے وہ الجھن میں پڑ گیا۔ پھر اس نے فیصلہ کیا کہ اس غبارے کے متعلق چھان بین کرنی چاہئے۔

تھوڑی ہی دیر بعد اس نے خچروں کی ٹاپوں کی آوازیں سنیں جو آہستہ آہستہ قریب آتی جا رہی تھیں۔ وہ ایک چٹان کے پیچھے چھپ گیا۔

خچروں کا قافلہ اس کے سامنے آچکا تھا اور وہ ایک ایسے آدمی کو دیکھ رہا تھا جس کے ہاتھ میں دوربین تھی اور وہ اس کے ذریعے غالباً اُسی سبز غبارے کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنے برابر چلنے والے سے غالباً اس غبارے کے متعلق کچھ کہا بھی تھا۔

بس اسی جگہ سے حمید کامیابی کی راہ پر لگا تھا۔ وہ کئی دن تک اس راہ کا جائزہ لیتا رہا جس سے قافلہ گذرا کرتا تھا۔ اس نے جو چیز خصوصیت سے مارک کی وہ یہی تھی کہ سب سے پہلے فضا میں سبز غبارہ بلند ہوتا ہے اور پھر اس کے بعد ہی ایک قافلہ کسی طرف سے نمودار ہوتا ہے۔ جس دن سبز غبارہ نہ دکھائی دیتا اس دن وہ راہ صبح سے شام تک ویران ہی پڑی رہتی۔

حمید نے اس پر کافی غور کرنے کے بعد تہیہ کیا کہ وہ سرخ غبارہ اڑا کر انہیں آزمائے گا۔ لہٰذا اس نے یہی کیا۔ اسمگلر سرخ غبارے کو خطرے کا نشان سمجھ کر بھاگ نکلے اور انہیں وہ سرخ غبارہ دیکھ کر حیرت بھی ہوئی کیونکہ شاید ان کے لئے یہ پہلا اتفاق تھا۔ اس سے پہلے کبھی انہیں سرخ غبارہ نہیں دکھائی دیا تھا۔

بہر حال ان کی گرفتاری کے بعد حمید نے لاکھوں روپے کا ایسا سامان برآمد کیا جو غیر قانونی طور پر ملک کے باہر لے جایا جارہا تھا۔ لیکن یہ اور بات ہے کہ اسی رات اس پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ اس کے بعد ہی اسمگلروں پر سختی کی جانے لگی کہ وہ اس شخص کا نام ظاہر کردیں جو اس اسمگلنگ کی پشت پر تھا۔ لیکن انہوں نے کچھ بتانے سے انکار کردیا خود حمید بھی ان کی زبانیں نہ کھلوا سکا۔ پھر اس طریقے کو فضول سمجھ کر اس نے دوسری راہ اختیار کی۔ رمیش اور چند دوسرے سادہ لباس والوں کو اپنی حفاظت پر مامور کر کے کھلے عام نکلنے بیٹھنے لگا لیکن جب سے اس نے یہ رویہ اختیار کیا تھا تیسرے حملے کی نوبت نہیں آئی تھی۔

اس وقت بھی وہ ٹیکم گڈھ کے ایک بارونق نائٹ کلب میں بیٹھا رقص کرتے ہوئے جوڑوں کو گھور رہا تھا اور اس راؤنڈ کے خاتمے پر اس کا ارادہ تھا کہ کسی خوبصورت سی لڑکی سے ہم رقص بننے کی درخواست کرے گا۔ لیکن وہ کچھ تھوڑا سا بور بھی ہو رہا تھا۔ کیونکہ قاسم نے یہاں بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔ اتفاق سے اس وقت قاسم بھی فریدی کی کوٹھی میں موجود تھا۔ جب حمید ٹیکم گڈھ کے لئے روانہ ہونے والا تھا۔ لہٰذا جس دن حمید ٹیکم گڈھ پہنچا اس کے تیسرے ہی دن قاسم بھی وہاں موجود تھا۔ یہ تو اسے پہلے ہی سے معلوم تھا کہ حمید کا قیام کس ہوٹل میں ہوگا۔

اس وقت وہ بھی اسی کلب میں موجود تھا لیکن ڈائننگ ہال میں اس کا خیال تھا کہ پہاڑوں پر بھوک اور زیادہ کھل جاتی ہے۔ لہٰذا اس کی کھوپڑی کھل گئی تھی اور بھوک کھلنے کا مطلب کم از کم اس کے لئے تو یہی ہوسکتا تھا کہ وہ ایک میز دبائے۔ گھنٹوں بیٹھا رہے۔ ریکریئیشن ہال میں کئی تگڑی تگڑی سی لڑکیاں موجود تھیں لیکن بھوک کھل جانے پر اسے کسی تگڑے سے بکرے کی ران کے علاوہ دنیا کی کسی دوسری چیز سے دلچسپی نہیں رہ جاتی تھی۔

مگر حمید تو بور ہی ہو رہا تھا۔ پتہ نہیں وہ کب محسوس کر بیٹھے کہ اس کا پیٹ بھر چکا ہے اور پھر لڑکھڑاتا ہوا رقص گاہ میں پہنچ جائے، بہت زیادہ کھا جانے کے بعد عموماً اس کی حالت شرابیوں کی

سی ہو جایا کرتی تھی اور شاید وہ کھوپڑی کی بجائے معدے سے سوچنے لگتا تھا۔

حمید نہیں چاہتا تھا کہ قاسم کے معدے کا بار اس کے ذہن پر پڑے۔ لہٰذا اس کی بوریت برحق تھی مگر وہ کرتا بھی کیا۔ یہ ٹیکم گڈھ کا سب سے زیادہ بارونق نائٹ کلب تھا اور یہاں عموماً اونچے ہی قسم کے لوگ ہوتے تھے۔ ظاہر ہے ان کے ساتھ اتنی ہی اونچی عورتیں بھی آتی ہوں گی۔

انگریزی کی کہاوت ہے کہ شیطان کا خیال آتے ہی شیطان سر پر مسلط ہو جاتا ہے۔ قاسم کے سلسلے میں بھی یہی ہوا۔ اس کے متعلق سوچا ہی تھا کہ وہ اپنے پہاڑ سے وجود سمیت وہاں موجود تھا۔

"ہائیں.... تم اکیلے بیٹھے ہو پیارے۔" اس نے حمید کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔

"یہ کیا بیہودگی ہے، تمیز سے بیٹھو۔" حمید اس کا ہاتھ جھٹکتا ہوا بولا۔

قاسم جھینپ کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ نہ جانے کیوں اسے خیال پیدا ہوا کہ کہیں حمید کی جھڑکی کسی نے سن نہ لی ہو۔ ورنہ اُسے اس کی پرواہ نہیں ہوتی تھی کہ کون اس سے کس لہجے میں گفتگو کر رہا ہے۔

پھر حمید نے اس سے بیٹھنے کو بھی نہ کہا۔

"پیارے آخر ناراض کیوں ہو۔" قاسم خلاف توقع گھگھیایا۔

"اوبابا.... کیوں موت آئی ہے۔" حمید چڑھ کر بولا۔ "کیا تمہیں معلوم نہیں کہ کچھ لوگ مجھے قتل کردینے کے چکر میں ہیں، اگر کوئی گولی تمہاری طرف بھول پڑی تو تمہاری کنواری خانم ہمیشہ کے لئے خوش حال ہو جائیں گی۔"

"میں اُسے کبھی خوش حال نہیں ہونے دوں گا۔" قاسم غرایا۔

"لہٰذا چلتے پھرتے نظر آؤ۔"

"یعنی میں تم کو یہاں خطرے میں چھوڑ کر چلا جاؤں۔ نہیں حمید بھائی ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ میں ان سالوں کا خون پی جاؤں گا کوئی نظر بھی تو آئے۔"

"نہیں تمہاری موت مجھے بہت گراں گذرے گی۔"

"گزرنے دو سالی کو میں موت ووت کی پرواہ نہیں کرتا۔"

"اچھا تو مرو۔" حمید نے جھلا کر میز پر دو ہتھڑ چلایا اور قاسم "ہی ہی" کرتا ہوا بیٹھ گیا۔

دفعتاً مائیکروفون کی موسیقی ایسے معلوم ہونے لگی جیسے بہت سے کتے کے پلے چیخ رہے

ہوں۔ رقص تھم گیا اور لوگ اس طرح کھڑے ہو گئے جیسے بہت بڑی مصیبت آنے لگی ہو۔

یہ شور بدستور جاری رہا۔ حالانکہ سازندوں نے بھی اپنے ہاتھ روک لئے تھے۔ آہستہ آہستہ وہ شور کم ہوتا گیا اور کسی نے انگریزی میں کہا، میں ڈاکٹر ہرمین آج پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی تفریحات میں مخل ہوتا ہوں اور میری وجہ سے سارے ملک کی براڈ کاسٹنگ میں رخنہ پڑتا ہے۔ مگر پھر بتایئے میں آپ تک اپنے خیالات کیسے پہنچاؤں میں امن کا پجاری ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ سائنس کی ترقی انسانیت کی فلاح کے لئے کام آئے۔ میں چاہتا ہوں کہ دنیا کے بہترین دماغ تخریب کی راہوں سے ہٹ جائیں۔ ایک بار پھر سنئے کہ میں کون ہوں۔ آپ کا خادم ڈاکٹر ہرمین جرمنی کے اُن گنے چنے سائنسدانوں میں سے ہوں جن پر نازی فوج کی ہار جیت کا دارومدار تھا لیکن آپ یقین کیجئے کہ پچھلی جنگ عظیم کی تباہ کاریوں نے مجھے گہرا صدمہ پہنچایا تھا۔ آج بھی اسے یاد کرتا ہوں تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے، پھر جرمنی کی شکست کے بعد جب فاتحین نے جرمنی کی دولت اور زمین کے ساتھ ہی ساتھ آدمی بھی بانٹنے شروع کئے تو میں کسی نہ کسی طرح بچ کر نکل آیا۔ اب میں مشرق کی پر سکون اور امن پرور فضا میں سانس لے رہا ہوں۔ اگر میں یہاں باقاعدہ طور پر کھلم کھلا کچھ کام کرنا چاہتا تو حکومت مجھے کبھی اس کی اجازت نہ دیتی۔ اجازت دینا تو الگ رہا آپ کی حکومت مجھے قیدی بنا کر ان دو بڑی قوتوں میں سے کسی ایک کے سپرد کر دیتی جنہوں نے جرمنی کو بانٹ لیا ہے۔ بہر حال میں نے تہیہ کیا ہے کہ اب بنی نوع انسانی کے لئے کام کروں گا، میری ایک پیش کش کل ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائے گی۔ یعنی ٹیکم گڈھ میں.... آپ اس سے خوف نہ کھائیں۔ وہ آپ کا خادم ہوگا لیکن خدارا اسے پکڑنے کی کوشش نہ کیجئے گا ورنہ نتیجے کے آپ خود ذمہ دار ہوں گے۔ بس آپ اس کی خدمات سے فائدہ اٹھایئے۔

پھر سناٹا چھا گیا۔ سازندوں نے ساز چھیڑ دیئے۔ مائیک کام کرنے لگا تھا۔

یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ ادھر تین ماہ سے اکثر ایسے واقعات رونما ہو رہے تھے۔ سارے ملک میں کسی ڈاکٹر ہرمین کی آواز سنائی دیتی، خیر ریڈیو کا معاملہ تو کسی حد تک معمولی ہی تھا۔ لیکن اس چیز نے خاص طور پر ٹیکنیشنز اور ملکی سائنسدانوں کو حیرت میں ڈال دیا تھا کہ اس کی آواز مائیکرو فون پر بھی سنائی دیتی تھی۔ مثلاً آپ مائیکروفون پر کسی لیڈر کی تقریر یا کوئی اچھا سا ریکارڈ سن رہے

ہیں کہ یکایک تقریر یا گیت کتوں اور بلیوں کی آواز میں تبدیل ہو جائیں گے اور پھر تھوڑی دیر بعد آپ ڈاکٹر ہرمین کی آواز سنیں گے۔

ڈاکٹر ہرمین۔ یہ نام تقریباً ہر ایک کے ذہن سے چپک کر رہ گیا تھا اور پولیس اس پُراسرار آدمی کی تلاش میں تھی۔ محکمہ سراغ رسانی کے بہترین دماغ، دن رات اسی فکر میں رہتے تھے کہ کسی طرح ڈاکٹر ہرمین کا ٹھکانہ معلوم ہو جائے خود کرنل فریدی بھی کافی عرصہ اس کے لئے سرگرداں رہ چکا تھا مگر اب اس نے اس کے سلسلے میں دوڑ دھوپ ترک کر دی تھی اور کسی ایسے موقع کا منتظر تھا جب ڈاکٹر ہرمین سے کوئی لغزش ہو جائے۔

اس وقت یہاں اس نائٹ کلب میں بیٹھے بیٹھے حمید نے سوچا کہ اس وقت حقیقتاً ہرمین سے ایک لغزش ہو گئی ہے۔ آخر اس نے اپنی کسی پیش کش کے سلسلہ میں خصوصیت سے ٹیکم گڈھ ہی کا نام کیوں لیا تھا۔

ٹیکم گڈھ کی پہاڑیاں.... حمید نے سوچا اس قسم کے کاموں کے لئے بہت موزوں ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ یہیں کہیں ہو؟ مگر اس کی وہ پیش کش کیا ہوگی؟

"یہ سالا ہرمین...." قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بڑبڑایا۔ "کوئی جادوگر معلوم ہوتا ہے قیوں حمید بھائی۔"

پتہ نہیں! حمید نے لاپروائی کے اظہار کے لئے شانوں کو جنبش دی۔

"اماں.... وہ تمہیں یاد ہے.... وہ جو بندروں کو بن مانس بنا دیتا تھا۔ وہ بھی تو سائنٹفک تھا۔"

"سائنٹسٹ....!" حمید نے غرا کر تصحیح کی۔

"اماں تم کیوں پکڑتے ہو میری زبان، جو میرا دل چاہے گا کہوں گا۔ ہاں نہیں تو۔"

رقص پھر شروع ہو گیا تھا۔ حمید کو اس بار بھی موقع نہ مل سکا کہ وہ کسی سے رقص کی درخواست کرتا۔

"آج تو کھیاں مار رہے ہو۔" قاسم نے کچھ دیر بعد ہنس کر کہا۔

"تمہاری نحوست ہے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "تمہاری شکل دیکھی اور لڑکیوں کے لئے چغد ہو کر رہ گیا۔"

"تم خود.... چگد.... چغد....!"

"ابے میں اپنے ہی کو تو کہہ رہا تھا۔"

"نہیں تم نے مجھے کہا تھا۔"

"اچھا تمہیں ہی کہا تھا جو کچھ کرنا ہو کرلو۔" حمید نے کہا اور وہاں سے اٹھ گیا۔ پھر وہ سیدھا رقاصوں کی بھیڑ میں آیا اور اکیلے ہی ناچنے لگا۔ مگر پوز وہی تھا جیسے کوئی لڑکی اس کے بازوؤں میں ہو۔ بہت سے قہقہے فضا میں لہرائے لیکن حمید کی سنجیدگی میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا۔

قاسم پیٹ پکڑے ہوئے قہقہے لگا رہا تھا۔ پھر جتنے جوڑے بھی رقص کرتے ہوئے حمید کے پاس سے گزرتے اس کی بیچارگی پر افسوس ضرور ظاہر کرتے لیکن جیسے اس سے دور ہوتے اس طرح ہنس پڑتے جیسے ڈھکے چھپے الفاظ میں اُسے کوئی گندی سی گالی دے گئے ہوں۔

دفعتاً ایک لڑکی نے حمید کا راستہ روک لیا۔ یہ تنہا تھی اور شاید گیلری سے اٹھ کر آئی تھی۔

"مجھے افسوس ہے.... میں آپ کے لئے مغموم ہوں۔" اس نے کہا۔

حمید رک گیا اور آہستہ سے بولا۔ "میرا مذاق مت اڑائیے۔ یہ میرا آخری رقص ہے اس کے بعد میں خودکشی کرلوں گا۔"

"نہیں....!" وہ زبردستی حمید کو دوبارہ رقص کرنے والوں کی بھیڑ میں کھینچ لے گئی۔

یہ ایک متوسط قد اور متناسب الاعضاء لڑکی تھی۔ رنگت چمپئی تھی اور اس کی آنکھیں بڑی اور پرکشش تھیں۔

"آپ تو بہت اچھا ناچتی ہیں۔" حمید بڑبڑایا۔

"پتہ نہیں۔" وہ مسکرائی۔ "آپ کے اس طرح اکیلے ناچنے میں کتنی جھلاہٹ تھی۔"

"تو کیا مجھے جھلانا نہیں چاہئے تھا۔"

"قطعی جھلانا چاہئے تھا۔" لڑکی نے سنجیدگی سے کہا۔ "شائد کئی لڑکیوں نے آپ کی درخواست رد کردی تھی۔"

"میں کبھی کسی سے درخواست نہیں کرتا۔"

"بہت مغرور ہیں.... کیوں؟" وہ حمید کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی اور حمید کے قدم لڑکھڑانے لگے۔ اس کی آنکھیں حقیقتاً بہت ہی سحر انگیز تھیں اور ان میں صحیح معنوں میں زندگی کی چمک پائی جاتی تھی۔ حمید نے ایسی آنکھیں بہت کم دیکھی تھیں۔

قاسم جو ابھی تک حیرت سے دیکھ رہا تھا ایک بیک اپنی کھوپڑی سے باہر ہوگیا۔ اس نے سوچا

اگر وہ خود بھی اسی طرح تنہا ناچنا شروع کردے تو کوئی تگڑی سی لڑکی یقیناً اس پر رحم کھائے گی۔ وہ جھومتا ہوا اٹھا.... اور اسے ناچنا تو آتا نہیں تھا۔ بس وہ کسی شرابی کی طرح رقص گاہ کے فرش پر لڑکھڑانے لگا۔

دفعتاً ایک سریلی سی چیخ نے اس کے کانوں کے پردے پھاڑ دیئے۔ ایک لڑکی کے پاؤں پر اس کا پاؤں پڑ گیا تھا۔

لڑکی کا پارٹنر اس سے بھڑ گیا اور لوگ بھی دوڑے لیکن قاسم جو بہت اچھے موڈ میں تھا دونوں ہاتھ اٹھا کر چیخا۔ "براہِ کرم آپ لوگ دور ہی رہئے ان سے، مجھے اچھی طرح نپٹنے دیجئے میں نے ان کی معشوقہ کو تکلیف پہنچائی ہے۔"

لوگوں نے متحیرانہ انداز میں اس دیوزاد کے الفاظ سنے مگر وہ آدمی برابر اس پر گھونسے برسائے جارہا تھا۔ آرکسٹرا خاموش ہوگیا اور وہاں خاصی بھیڑ ہوگئی۔ قاسم آدمیوں کے اس سمندر میں سب سے اونچا نظر آرہا تھا۔



ڈرائیور کا اندازہ غلط نہیں نکلا۔ شاید دو فرلانگ چلنے کے بعد ہی فریدی بیچ سڑک پر کھڑا نظر آیا۔ کار کی ہیڈ لائٹس کی روشنی اس پر پڑی اور ڈرائیور کو ایسا معلوم ہوا جیسے وہ دوسری دنیا کا کوئی آدمی ہو۔ اس نے کار اس کے قریب روک دی۔

فریدی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھتا ہوا بولا۔ "ٹھیک ہے چلو۔"

وہ فریدی ہی کا ڈرائیور تھا اس لئے اسے اس کے رویہ پر ذرہ برابر بھی حیرت نہ ہوئی۔ وہ اس طرح خاموشی سے آبیٹھا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ نہ چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے اور نہ لباس میں بے ترتیبی تھی۔ فلٹ ہیٹ بھی پہلے ہی کی طرح سر پر موجود تھی۔

ڈرائیور میں اتنی ہمت کہاں کہ وہ اُس سے کچھ پوچھ سکتا۔ کار فراٹے بھرتی رہی۔ فریدی سوچ رہا تھا شائد انہیں علم ہوگیا ہے کہ اب وہ خود بھی ٹیکم گڈھ جارہا ہے۔ اس لئے ہوسکتا ہے کہ ایئرپورٹ پر بھی ٹکراؤ ہوجائے۔ وہ ان کے لئے اپنے ہاتھوں کے ساتھ ہی ساتھ قانون بھی استعمال کرسکتا تھا۔ مگر وقت کہاں تھا۔ وہ تو اس وقت ٹیکم گڈھ جانا چاہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے معاملے کو طول نہیں دیا تھا۔

ایئرپورٹ کے پھاٹک پر کار رکی۔ یہ جگہ کافی روشن تھی اور یہاں کسی قسم کے حملے کا امکان نہیں تھا۔ فریدی کار سے اترا۔ ایک سادہ لباس والے نے آگے بڑھ کر اُسے سلام کیا۔

"کیوں....؟" فریدی رک گیا۔

"در جن.... یہاں ویٹنگ روم میں موجود ہے جناب۔"

"بہت خوب۔" فریدی کی آنکھیں چمکنے لگیں اور اس نے کہا۔ "میں باہر جارہا ہوں لیکن تم اس پر ہمیشہ نظر رکھنا۔"

"بہت بہتر جناب۔"

"میری عدم موجودگی میں اس کے متعلق ساری اطلاعات امر سنگھ کو دینا۔"

"بہتر جناب۔"

فریدی نے ڈرائیور کو اشارہ کیا کہ وہ کار واپس لے جائے اور خود اندر چلا گیا۔

یہاں امر سنگھ سیٹ کے ریزرویشن کی رسید لئے اس کا منتظر تھا۔ امر سنگھ ابھی حال ہی میں اس کی ماتحتی میں آیا تھا۔ یہ ایک نوجوان ذہین اور منچلا آدمی تھا۔

"امر یہاں ویٹنگ روم میں در جن موجود ہے۔ میں نے نمبر تین کو اس کے متعلق ہدایات دی ہیں۔ اس کی رپورٹ تم دیکھو گے۔"

"بہت بہتر جناب۔"

"اچھا اب تم جاؤ۔"

"لیکن یہاں در جن کی موجودگی.... جناب! میرا خیال ہے کہ اس سے پہلے بھی وہ ایک بار آپ سے بدتمیزی سے پیش آچکا ہے۔"

"اوہ....!" فریدی مسکرایا۔ "تم اس کی فکر نہ کرو۔"

"میرا دل تو چاہتا ہے کہ کسی دن اسے شارع عام پر بے عزت کروں۔"

"نہیں.... ہمیں صبر سے کام لینا چاہئے۔ ہمارا فن ٹھنڈا دماغ مانگتا ہے۔"

امر کچھ نہ بولا۔ فریدی ویٹنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔ یہاں اس وقت صرف تین آدمی تھے۔ فریدی نے اُن پر اچٹتی سی نظر ڈالی لیکن یہاں در جن نہیں تھا۔ پھر وہ دوسرے کمرے کی طرف بڑھ گیا، وہاں بھی در جن نظر نہ آیا، آخر پھر ریستوران میں اُس سے مڈبھیڑ ہوگئی۔

یہ ایک قوی ہیکل اور بدصورت آدمی تھا۔ چہرے سے سخت گیر طبیعت کا اندازہ کرنا دشوار نہیں تھا۔ اس کے ہاتھ بڑے اور بھدے تھے۔ ہاتھوں کی بناوٹ سے پتہ چلتا تھا۔ وزنی چیزیں اٹھانے کے عادی ہیں۔ اگر اس کے جسم پر نفیس قسم کا بیش قیمت سوٹ نہ ہوتا تو عام طور پر یہی سوچا جاسکتا تھا کہ وہ کوئی لوہار ہوگا۔

فریدی کو دیکھ کر وہ معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ ویسے اس کی آنکھیں نفرت ہی کا اظہار کر رہی تھیں۔ فریدی کی مسکراہٹ بھی کسی مغرور آدمی کو غصہ دلانے کے لئے کم نہیں تھی۔

"اگر کہئے تو اس اتفاقیہ ملاقات کو کسی جشن کا رنگ دے دیا جائے۔" اس نے فریدی کو مخاطب کیا۔

"نہیں جشن تو اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک کہ میں نہ چاہوں۔ لیکن کسی دن ہوگا ضرور۔"

"کیا آپ کہیں جارہے ہیں۔"

"ہاں آں.... فی الحال ٹیکم گڈھ تک۔"

"کرنل صاحب! میں ایک بار پھر آپ کو سمجھاتا ہوں کہ اس معاملے میں آپ نہ پڑیئے۔"

"کس معاملے میں۔" فریدی نے حیرت سے کہا۔ "میں نہیں سمجھا۔ تمہارا اشارہ کس طرف ہے۔"

"مجھے بے حد افسوس ہوگا اگر آپ کو کوئی نقصان پہنچا۔"

"اوہو.... میں سمجھا.... تو اس وقت تم یہاں افسوس کرنے کیلئے آئے تھے۔ مگر در جن مجھے افسوس ہے کہ تمہیں افسوس کرنے کا موقعہ نہ مل سکا۔ وہ زیادہ سے زیادہ آٹھ یا دس آدمی رہے ہوں گے، کسی دن ایک پوری بٹالین لے کر آنا ممکن ہے تمہیں افسوس کرنے کا موقع مل ہی جائے۔"

"میں نہیں سمجھا آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"واپسی پر سمجھاؤں گا۔ آج ہی سمجھا دیتا مگر وقت کم ہے۔"

"آپ کی مرضی!" در جن نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

فریدی واپسی کیلئے مڑا ہی تھا کہ وہ پھر بولا۔ "سنئے تو سہی۔ کیا یہ آپ کا آخری فیصلہ ہے۔"

"قطعی اور آخری۔" فریدی مڑ کر بولا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ اُس آدمی کی شخصیت سے بھی واقف ہیں۔"

"قطعی واقف ہوں اور اسی لئے یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔"

"تب تو آپ دیدہ دانستہ کنوئیں میں چھلانگ لگا رہے ہیں۔" در جن نے کچھ سوچتے ہوئے

کہا۔ "آپ کا پورا محکمہ بے بس ہو جائے گا۔"

"میں بھی جانتا ہوں اور اسی لئے مجھے اس قسم کا فیصلہ کرنا پڑا ہے۔"

"جب آپ کا محکمہ ہی بے بس ہو جائے گا تو آپ کیا کریں گے۔"

"جب میں قانون کو بے بس دیکھتا ہوں تو پھر مجبوراً مجھے ہی قوانین وضع کرنے پڑتے ہیں اور میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ قوانین کی برتری کس طرح منوائی جاتی ہے۔" فریدی نے کہا اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔

بلی چیختی ہے

جب قاسم پر مکے برسانے والا تھک گیا اور اس کے ہاتھ سست پڑنے لگے تو قاسم نے ہنس کر کہا۔ "اچھا پیارے اب ایک ہاتھ میرا بھی سنبھالو۔"

اس نے اس کے سر پر ایک دوہتڑ رسید کیا اور وہ کسی مردہ چھپکلی کی طرح پٹ سے فرش پر گر گیا۔ لوگوں نے ہنسنا شروع کر دیا۔ اس کی ہم رقص بُری طرح چیخ رہی تھی۔ قاسم کو پتہ نہیں کن کن زبانوں میں گالیاں سننی پڑ رہی تھیں۔ قاسم بھی اب بوکھلا گیا کیونکہ وہ اس کا کوٹ پکڑ کر جھٹکے دے رہی تھی۔

"امب.... امب.... سس سنئے تو سہی.... اچھا.... اچھا.... میں.... دیکھئے" قاسم نے جھک کر بے ہوش آدمی کو گود میں اٹھا لیا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے کسی ننھے سے بچے کو گود میں اٹھا لیا ہو۔

حمید اور اس کی ہم رقص بھی اُسی بھیڑ میں موجود تھے لیکن حمید یہ سب کچھ خاموشی سے دیکھ رہا تھا وہ اب بھی کچھ نہ بولا۔

"قق.... قہاں.... لے چلوں۔" قاسم نے بے ہوش آدمی کی ہم رقص سے پوچھا۔

"پولیس سٹیشن....!" وہ دہاڑی۔ "یہاں اتنے لوگ موجود ہیں لیکن کسی میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ اس بدمعاش سے سمجھ سکے۔ میں ابھی پولیس کو فون کرتی ہوں۔"

"اپنی ایسی کی تیسی میں جائے سالا۔" قاسم نے جھنجھلا کر اُسے پھر فرش پر ڈال دیا اور بولا۔

"میں نے تو ایک ہی مارا تھا۔"

لوگ پھر ہنس پڑے۔ حالات ہی کچھ ایسے مضحکہ خیز تھے کہ کسی کو بھی بے ہوش آدمی سے ہمدردی نہیں تھی۔

اس کی ہم رقص پھر چیخنے لگی اور حمید آگے بڑھ کر بولا۔ "آپ نے ان صاحب کو پینے سے یوں نہیں روکا تھا۔"

"یہ نشے میں نہیں تھا۔"

"تھا کیوں نہیں اور اس وقت آپ کہاں تھیں جب یہ میرے قطب مینار پر گھونسے برسا رہا تھا۔"

"اے جبان سنبھال کے.... تم خود قطب مینار۔" قاسم سنک گیا۔

"دیکھا آپ نے.... کتنا سادہ لوح اور سیدھا آدمی ہے۔" حمید نے مجمع کی طرف دیکھ کر کہا۔

"سادہ لوح کسے کہتے ہیں۔" قاسم نے غصیلی آواز میں پوچھا۔

"ختم کرو۔" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "تم آخر شرابیوں کے منہ لگتے ہی کیوں ہو۔ آؤ.... ادھر آؤ۔"

"پولیس.... پولیس....!" بیہوش آدمی کی ہم رقص چیخی۔

"کیا تم اسے جانتے ہو۔" حمید کی ہم رقص نے قاسم کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

"ہاں.... یہ میرے سوتیلے دوست کا لڑکا ہے۔" حمید نے کہا اور قاسم کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف کھینچتا لیتا چلا۔ بیہوش آدمی کی ہم رقص چنگھاڑتی ہی رہ گئی۔

حمید اسے اپنی میز پر لایا اور وہ بیٹھ گئے۔ حمید کی ہم رقص قاسم کو آنکھیں پھاڑ کر دیکھ رہی تھی۔

"کیا قصہ تھا....!" حمید نے پوچھا۔

"کچھ نہیں.... میں نے سوچا جیسے اللہ نے تم پر کرم کیا ہے شائد مجھ پر بھی کر دے۔"

"کیا مطلب....!"

"میں بھی اکیلے ہی ناچنے جا رہا تھا۔"

حمید کی ہم رقص ہنس پڑی۔ قاسم کہتا رہا۔ "اس کی معشوقہ کے پیر پر میرا پیر پڑ گیا تھا۔ بس سالا بدک گیا۔ میں نے بھی کہا اچھا بیٹا مار۔ اب تو پھر کیا میں ایک ہاتھ میں نہ مارتا.... واہ بھئی۔"

دوسری طرف کچھ ویٹر بیہوش آدمی کو اٹھا رہے تھے اور اس کی ہم رقص شائد پولیس کو فون کرنے چلی گئی تھی۔

"نہیں! ایک کیا تم دس مارتے مگر اب.... اس نے پولیس کو سچ مچ فون کر دیا تو۔" حمید جھنجھلا گیا۔

"تو قیا ہوگا۔" قاسم سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔ "میں پولیس کے باپ کا چھوٹا بھائی ہوں۔ قیوں حمید بھائی.... ہی ہی ہی۔"

وہ حمید کی ہم رقص کو انکھیوں سے دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

"اچھا اب بہتر یہی ہے کہ یہاں سے چپ چاپ کھسک جاؤ۔"

"یہ کاسے ہو سکتا ہے۔" قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ "میں تمہیں یہاں تنہا چھوڑ کر چلا جاؤں.... اس مصیبت میں۔"

"کیوں! مجھ سے اس مصیبت کا کیا سروکار۔"

"ارے واہ.... جب وہ مجھے کے مار رہا تھا تو اس کے چھرا کس نے مارا تھا؟"

"بکواس مت کرو۔"

"اچھی بات ہے۔" قاسم گلوگیر آواز میں بولا۔ "تو اب تم مجھے پھنساؤ گے.... خیر.... چھرا تو تم نے ہی مارا تھا۔"

"چھرا....!" حمید کی ہم رقص نے حیرت سے دہرایا۔

"جی ہاں۔" قاسم شرارت پر آمادہ ہو گیا۔ "بڑے بھائی کا ہاتھ بڑا سچا ہے۔ بھیڑ بھاڑ میں بھی چھرا مار دیں تو کوئی پتہ نہیں پا سکتا کہ کس نے ہاتھ صاف کیا ہے۔"

"کیوں بکواس کر رہے ہو۔"

"معاف کیجئے!" حمید کی ہم رقص اٹھتی ہوئی بولی۔ "میں خواہ مخواہ آپ کی گفتگو میں مخل ہو رہی ہوں۔"

"ارے آپ بیٹھئے.... یہ یونہی.... بب.... بکو.... ا.... س.... چلی گئی.... کیوں ابے لم ڈھینگ تو نے یہ کیا کیا۔"

حمید قاسم پر الٹ پڑا۔ لڑکی جا چکی تھی۔

قاسم پیٹ دبائے بے تحاشہ ہنس رہا تھا۔

"میں تمہیں رولا دوں گا۔" حمید دانت پیس کر بولا۔

"ابھی.... ابھی.... ہی ہی.... تو خود ہی ہی ہی.... رو رہے ہو پیارے.... ہاہاہا۔"

"خاموش رہو، ورنہ بہت بُری طرح پیش آؤں گا۔"

قاسم ہنستے ہنستے بیدم ہو گیا تھا۔ کچھ دیر بعد کمزور آواز میں بولا۔ "میں تمہارا اسی طرح کباڑا کرتا رہوں غا۔ ورنہ میرے لئے بھی ایک ڈھونڈ لیا کرو۔ قیا سمجھے۔"

"تمہارا زندہ رہنا محال ہو جائے گا۔"

"ہو جائے.... واہ کتنا لطف آیا ہے اس وقت۔"

"لطف کے بچے.... میں دیکھ لوں گا تمہیں۔"

"دیکھ لینا۔" قاسم پھر ہنس پڑا۔ حمید کا بگڑا ہوا چہرہ دیکھ کر وہ اُسے اور زیادہ غصہ دلا رہا تھا۔

حمید خاموش ہی رہا اس کی نظریں اب بھی اسی لڑکی کو تلاش کر رہی تھیں وہ اُسے بہت پسند آئی تھی۔ دفعتاً سات یا آٹھ آدمی نظر آئے جو غصے میں بھرے ہوئے اُس میز کی طرف بڑھ رہے تھے۔

"بیٹے قاسم سنبھلو۔" حمید نے قاسم کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔

"قیا....!" قاسم چونک پڑا اور اس کی نظر بھی ان لوگوں کی طرف اٹھ گئی۔ وہ جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

ان لوگوں میں سے کسی نے چیخ کر کہا۔ "یہی تھے۔"

اور پھر یک بیک وہ سب ان دونوں پر آ پڑے۔

ادھر حمید کے ماتحت جو سادہ لباس میں اس کی حفاظت کرتے تھے وہ بھی دوڑ پڑے۔ وہ بھی تعداد میں آٹھ ہی تھے۔ ان کی وجہ سے حمید کو حملہ آوروں کے نرغے سے نکل جانے میں بڑی مدد ملی اور اُس نے ایک سادہ لباس والے کو اپنی طرف کھینچ کر آہستہ سے کہا۔

"کسی طرح اس بے ہوش آدمی کو یہاں سے ہٹا لے جاؤ۔ یہ لوگ اسی کے بہانے ہم پر آئے ہیں۔"

اس کے بعد حمید دور کھڑا صرف تماشا دیکھتا رہا۔ قاسم نے تین کو لٹا دیا تھا اور اب وہ لوگ اُس سے دور ہی دور رہنے کی کوشش کر رہے تھے۔

اس جنگ و جدل کی وجہ سے ریکریئیشن ہال میں ابتری پھیل گئی۔ کچھ لوگ حمید کے گرد کھڑے ہوئے تھے اُن میں منیجر بھی تھا۔

"کیوں جناب! یہ سب کیا ہو رہا ہے۔" اُس نے غصیلی آواز میں کہا اور کسی کو چیخ کر مخاطب

کیا۔ "پولیس کو فون کرو۔"

"میں کیا جانوں کیا ہو رہا ہے۔ میں تو ازراہ ہمدردی اُس موٹے کو اپنی میز پر لے گیا تھا۔ اگر میرا بھی اس سے کوئی تعلق ہوتا تو آپ مجھے بھی وہیں دیکھتے۔"

اس نے یہ جملہ بلند آواز میں کہا تھا تاکہ قرب و جوار کے لوگ سن لیں اور پھر اُسے بور نہ کریں۔ کسی پبلک مقام پر اس قسم کے ہنگامے وبال جان ہی ہو جاتے ہیں۔ ویسے حمید کا خیال تھا کہ یہ ہنگامہ اس آدمی کی وجہ سے نہیں ہوا جو قاسم کا ہاتھ پڑتے ہی بیہوش ہو گیا تھا بلکہ پچھلے دنوں کے حملہ آوروں نے اس وقت موقعہ سے فائدہ اٹھایا تھا اور اس فکر میں تھے کہ اس کا کام تمام کر کے نکل جائیں۔

قاسم بڑے جوش و خروش کے ساتھ ہاتھ گھما رہا تھا لیکن اب اتفاق ہی سے وہ کسی کو نشانہ بنانے میں کامیاب ہوتا تھا کیونکہ وہ لوگ اُس کے سلسلے میں کافی محتاط ہو گئے تھے۔

البتہ حمید کے آدمیوں کو اکثر ایک آدھ ردے کا لطف آ جاتا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح قاسم بھی اس بھیڑ سے الگ ہو جائے تاکہ وہ لوگ حملہ آوروں کو قابو کر سکیں لیکن قاسم انہیں بھی دشمن ہی سمجھ کر اپنے کرتب دکھا رہا تھا۔ اُسے علم نہیں تھا کہ حمید کے آدمی یہاں بھی موجود ہیں۔

کچھ دیر تک اسی قسم کی چھوٹ چلتی رہی پھر کچھ مسلح کانسٹیبل اندر گھس آئے اور انہوں نے لڑنے والوں کے گرد گھیرا ڈال دیا۔

حمید کے ساتھیوں نے ہاتھ روک لئے اور حمید آگے بڑھ آیا۔

"ہتھکڑیاں۔" حمید نے سب انسپکٹر کو مخاطب کیا۔ "سات ہتھکڑیاں۔"

"آپ کون ہیں۔" سب انسپکٹر غرایا۔

حمید نے اپنا شناخت نامہ نکال کر اُسے دکھایا۔ لیکن دفعتاً اسی وقت پورا ہال تاریک ہو گیا۔ مختلف قسم کی آوازیں اندھیرے میں گونجنے لگیں۔ ان میں چیخیں بھی تھیں گالیاں بھی تھیں اور فائر کر دینے کی دھمکیاں بھی۔ پھر ٹارچ کی روشنیاں اندھیرے میں آڑھی ترچھی لکیریں بنانے لگیں۔ پولیس والوں کا گھیرا ٹوٹ چکا تھا۔ حمید نے سوچا کہ اب حملہ آوروں میں سے کسی کا ہاتھ آنا مشکل ہی ہے۔ تقریباً پانچ منٹ بعد ہال پھر روشن ہو گیا اور پولیس والوں نے اب قاسم اور حمید کے ساتھیوں کو گھیر لیا۔ جواب بھی وہیں موجود تھے۔ حمید نے سب انسپکٹر کو بتایا کہ وہ اس کے

آدمی ہیں۔ قاسم کے گرد بھی اچھی خاصی بھیڑ لگ گئی تھی۔ سب انسپکٹر نے اس سلسلہ میں کچھ کہنا چاہا۔

"بیکار ہے۔" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "آپ سے بنیادی غلطی سرزد ہوئی ہے آپ کو فون پر بلوے ہی کی اطلاع ملی ہو گی۔ لیکن آپ نے احتیاط نہیں برتی۔"

"آئندہ جب کبھی کسی ہوٹل یا نائٹ کلب میں بلوے کی اطلاع ملے تو موقعہ واردات پر پہنچنے سے پہلے کم از کم ایک آدمی مین سوئچ بورڈ کے پاس ضرور چھوڑ دیجئے گا۔"

سب انسپکٹر کچھ نہ بولا۔

تھوڑی دیر بعد میدان خالی ہو گیا۔ یعنی پولیس والے ضابطے کی کاروائی کر کے چلے گئے لیکن حمید کا ناطقہ بند ہو گیا۔ ہر ایک چاہتا تھا کہ اسے واقعہ کی تفصیل معلوم ہو جائے۔ لوگوں کو اس پر بھی حیرت تھی کہ پولیس کسی کو ہاتھ لگائے بغیر ہی واپس چلی گئی۔

منیجر سے ایک بار پھر سامنا ہوا۔

"آپ کون ہیں۔" اس نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"میں کوئی بھی ہوں اس سے آپ کو سروکار نہ ہونا چاہئے۔ لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ نائٹ کلب لفنگوں کا اکھاڑا ہے سمجھے جناب۔"

"شروعات تو آپ کے ساتھی ہی نے کی تھی۔"

"ہاں اور اسی لئے کی تھی کہ یہاں کے لفنگے پکڑے جا سکیں لیکن عین وقت پر مین سوئچ آف کرا دینے کی ذمہ داری سراسر آپ پر عائد ہونی چاہئے۔"

"آپ خواہ مخواہ مجھے الزام نہیں دے سکتے۔"

"بس اب تشریف لے جائیے۔" حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔

منیجر بڑبڑاتا ہوا رخصت ہو گیا۔

پھر حمید نے اپنے اس آدمی کو اشارے سے بلایا جسے اس نے ڈائننگ ہال میں بھیجا تھا۔ "کیا ہوا؟" حمید نے پوچھا۔

سب ٹھیک ہے جناب۔ وہ اس وقت بھی بیہوش تھا جب میں وہاں پہنچا تھا۔ لڑکی موجود تھی۔ میں نے اُس سے کہا کہ کچھ آدمی تمہاری حمائت میں ان لوگوں سے لڑ گئے ہیں اور ان کے بھی کچھ مزید آدمیوں کے آجانے کی وجہ سے اچھا خاصا بلوہ شروع ہو گیا ہے لہٰذا بہتری اس میں

ہے کہ تم اسے لے کر یہاں سے کھسک جاؤ۔ ورنہ بڑی مصیبت میں پھنس جاؤ گی۔ وہ نروس ہو گئی اور خود میں نے ہی اُس کے لئے ٹیکسی کا انتظام کیا۔ بہر حال پولیس کے آنے سے پہلے ہی میں انہیں کھسکا دینے میں کامیاب ہو گیا۔

"اچھا....!" حمید نے ایک طویل سانس لی۔ "میں نے جو کچھ سوچا تھا وہ نہ ہو سکا۔ ان میں سے ایک بھی نہ پکڑا جا سکا۔"

"میرے خیال سے تو اب آپ اس طرح باہر ہی نہ نکلا کریں۔"

"کسی عورت کا میک اپ کر کے گھر بیٹھوں.... کیوں؟" حمید غرایا۔

"نن.... نہیں.... جناب.... مطلب....!"

"ختم کرو۔" حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔ "میں ان کا کم از کم ایک آدمی چاہتا ہوں۔ صرف ایک ہی ہاتھ آ جائے۔"

سادہ لباس والا کچھ نہ بولا۔ حمید نے کچھ دیر بعد کہا۔ "اپنی جگہ پر واپس جاؤ۔"

پھر وہ قاسم کی طرف متوجہ ہوا جو اس کی میز کے قریب بیٹھا بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

"تمہاری وجہ سے مجھے ہمیشہ دھکے کھانے پڑتے ہیں۔" حمید بھی بیٹھتا ہوا بولا۔

"قیوں کھاتے ہو دھکے میں نے کب کہا تھا۔ اکیلے ہی نپٹ لیتا سالوں سے۔" قاسم ہانپتا ہوا بولا۔ "کھانا کھا لینے کے بعد مجھ سے لڑائی بھڑائی نہیں ہو سکتی۔"

"تم آئے کیوں تھے یہاں۔"

"تمہاری دم سے بندھ کر آیا تھا.... اجی واہ.... آئے قیوں تھے.... ابے اللہ کی زمین ہے جہاں چاہیں گے جائیں گے، تم قون ہو ہمیں ٹوقنے.... ٹوکنے والے.... سالا۔"

"پھر....!" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔ "پھر بہکے.... کیوں شامت آئی ہے۔ میں تمہیں یہاں تنہا چھوڑ جاؤں گا اور تم کسی کی گولی کا نشانہ بن جاؤ گے۔ جانتے ہو یہ لوگ کون تھے۔"

"اسی سالے کے چچا بھتیجے اور کون، جو ایک تھپڑ بھی نہ سہہ سکا تھا۔"

"بکواس.... یہ وہ لوگ تھے جو اس سے پہلے بھی مجھ پر دو بار قاتلانہ حملہ کر چکے ہیں۔"

"نہیں....!" قاسم تھوک نگل کر رہ گیا۔

"ہاں.... بوڑھے بیٹے۔ ان کی انگلیاں ریوالور کے ٹریگر پر اسی طرح چلتی ہیں جیسے بچے

گولیاں کھیلتے ہیں۔" قاسم نے احمقانہ انداز میں دہرایا اور ٹھیک اسی وقت حمید کی ہم رقص پھر دکھائی دی۔ وہ انہیں کی طرف آ رہی تھی۔

"تمیز سے بیٹھنا....!" حمید نے آہستہ سے کہا اور سنبھل کر بیٹھ گیا۔

لڑکی آ کر بڑی بے تکلفی سے بیٹھ گئی۔ اس کا چہرہ دھواں دھواں سا تھا اور آنکھوں میں بے چینی جھلکتی تھی۔

"وہ لوگ اس آدمی سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"آپ کیا جانیں۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"میں دونوں ہی سے واقف ہوں۔" اُس کی آواز کانپ رہی تھی۔ "وہ جو.... وہاں گرا تھا.... جس کے آپ نے چاقو مارا تھا۔"

"ٹھہریئے.... آپ اس کی باتوں میں آ گئیں۔" حمید نے قاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔ "یہ تو یونہی بکواس کر رہا تھا۔ اگر میں نے چاقو مارا ہوتا تو پولیس مجھے یہاں کیوں چھوڑ جاتی۔"

"آپ کوئی پولیس آفیسر ہیں۔" لڑکی نے کہا۔ "میں نے یہی اندازہ لگایا ہے۔ آپ نے سب انسپکٹر کو کوئی کاغذ دکھایا تھا۔"

"ٹھہریئے.... آپ نے ابھی کہا تھا کہ آپ اُن لوگوں کو پہچانتی ہیں۔"

"جی ہاں وہ آدمی جو بیہوش ہوا تھا ایک شریف آدمی ہے۔ ایک مقامی کالج میں لیکچرار ہے۔ ایسے واہیات اور لفنگے اس کے ملنے والوں میں سے نہیں ہو سکتے۔"

"آپ ان لفنگوں سے اچھی طرح واقف ہیں۔"

"آپ پہلے یہ بتایئے کہ آپ پولیس آفیسر ہیں یا نہیں۔"

"نہیں.... ویسے میں ایک شریف آدمی ہوں۔ اس سب انسپکٹر سے جان پہچان ہے۔ میں نے اُسے کاغذ نہیں بلکہ سگریٹ کیس پیش کیا تھا۔"

"تب پھر....!" وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔ "میں گھر کیسے واپس جاؤں گی۔ یہاں مجھے کوئی بھی نہیں جانتا۔ وہ لوگ مجھے مار ڈالیں گے۔ زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ میرے خدا۔"

"آخر اس پریشانی کی وجہ۔"

"وہ اس واقعہ سے پہلے یہاں موجود تھے۔ انہوں نے مجھے آپ کے ساتھ دیکھا ہوگا۔"

"تو اس سے کیا ہوگا۔ بہتیروں کو انہوں نے میرے ساتھ دیکھا ہوگا۔"

"میں آپ کو کس طرح سمجھاؤں۔"

"نہیں سمجھائیے.... میں آپ سے استدعا کرتا ہوں۔"

"وہ اپنے دشمن کے ساتھیوں کو بھی نہیں چھوڑتے۔"

"مگر محترمہ آپ نے اُن کے متعلق اتنی معلومات کیسے فراہم کرڈالیں۔"

"اف فوہ.... دیکھئے میں بہت پریشان ہوں۔ اچھا یہی سمجھ لیجئے کہ میں انہیں بہت قریب سے جانتی ہوں۔"

"آخر آپ اُن بُرے آدمیوں کو قریب سے کیسے جانتی ہیں۔ میں نے تو آپ کے متعلق بھی یہ اندازہ لگایا تھا کہ آپ ایک اچھی لڑکی ہیں۔"

لڑکی مسکرائی اور اس مسکراہٹ نے اس کے چہرے پر پائے جانے والے پریشانی کے آثار اس طرح ختم کردیئے جیسے گرد آلود آئینے پر مخمل کا ٹکڑا پھیر دیا جائے۔

"میں یقیناً ایک اچھی لڑکی ہوں.... ہاں کیپٹن کیونکہ ابھی میرا ضمیر مردہ نہیں ہوا۔"

لفظ کیپٹن پر حمید چونک پڑا اور لڑکی مسکرائی اور پھر بولی۔ "میں ان بُرے آدمیوں کے پنجے سے رہائی حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ انہوں نے مجھے آج یہاں اسی لئے بھیجا تھا کہ میں تمہیں پھانس کر وہاں لے جاؤں جہاں وہ لوگ چاہتے ہیں لیکن اتفاقاً وہ قصہ اٹھ کھڑا ہوا اور انہوں نے اپنی اسکیم بدل دی۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اس آدمی کے حمایتی بن کر تمہیں یہیں سب کے سامنے ختم کرکے نکل جائیں گے۔ اس کا موقعہ اس وقت ملتا جب ہال کے سارے لوگ لڑنے والوں کو الگ کرانے کے لئے ہلہ بول دیتے لیکن کسی نے بھی مداخلت نہیں کی تمہارے آدمیوں نے ان کا کھیل ختم کردیا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ تمہارے ساتھ اور لوگ بھی ہوتے ہیں۔"

"شکریہ....!" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"اب پھر ان کی وہی پہلی اسکیم بروئے [illegible] لائی جائے گی۔ یعنی میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں۔"

"تم نے بڑا کرم کیا.... ورنہ میں مفت میں مارا جاتا۔"

"ہاں.... بھائی....!" قاسم ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "مکدر ہے.... اپنا اپنا۔"

"کیا آپ کرنل فریدی ہیں۔" لڑکی نے قاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔

"لاحول ولا قوۃ....!" حمید نے بہت بُرا سا منہ بنایا۔ "یہ تو.... یہ تو بس یونہی ہے۔"

"تم خود بس یونہی ہو۔" قاسم میز پر ہاتھ مار کر بولا۔

"خاموش رہو۔" حمید نے اُسے گھور کر دیکھا اور قاسم نہ جانے کیوں خاموش ہی ہوگیا۔ لیکن انداز.... کسی روٹھی ہوئی بیوی کا سا تھا۔

"اچھا تو پھر چلیں....!" حمید نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں ٹھہریئے۔ ابھی تو دس ہی بجے ہیں۔ ہم ساڑھے گیارہ بجے وہاں پہنچیں گے۔"

"کیوں....!"

"یہی وقت دیا گیا ہے اور ہاں.... ٹھہریئے۔" وہ کچھ کہتے کہتے خاموش ہوگئی۔ پھر آہستہ سے بولی۔ "انہوں نے دو آدمیوں کو یہیں چھوڑ دیا ہے۔ لیکن وہ یہاں سے کافی دور ہیں اچھا دیکھئے یہ جو آپ کے کالر میں گلاب کا پھول لگا ہوا ہے اسے میرے جوڑے میں لگا دیجئے۔ تاکہ انہیں اطمینان ہو جائے اور وہ سمجھ لیں کہ میں آپ کو قابو کرنے میں کامیاب ہوگئی ہوں۔"

"اللہ....!" قاسم نے ٹھنڈی سانس کے ساتھ کہہ کر بے چینی سے پہلو بدلا اور لڑکی بیساختہ ہنس پڑی۔

حمید بھی ہنسنے لگا۔ پھر قاسم کی "ہی ہی ہی" بھی چل پڑی۔

"دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہیں۔" لڑکی نے کہا۔

"بہت زیادہ۔" حمید بولا۔ "لیکن تم نے اس کی بکواس پر یقین کیسے کرلیا تھا۔ جب مجھ سے واقف تھیں۔"

"بس یونہی تفریحاً۔ نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ میں آپ کو اپنی طرف اور زیادہ متوجہ کرنا چاہتی تھی۔ اس وقت تک میرا یہی خیال تھا کہ ان کی اس اسکیم کو عملی جامہ پہنا ڈالوں۔ مگر پھر.... مجھے وہ ایک سال کی بے بس بچی یاد آگئی جو بارش میں سڑک پر پڑی چنگھاڑ رہی تھی اور اس کی ماں کی پیشانی سے خون ابل ابل کر بارش کے پانی میں بہہ رہا تھا۔"

لڑکی خاموش ہوگئی۔ اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بیداری میں کوئی بھیانک خواب دیکھ رہی ہو۔

"میں نہیں سمجھا.... آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔"

"اوہ.... میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ وہ خون مٹی میں آج بھی محفوظ ہے اور اس وقت تک محفوظ رہے گا جب تک اس میں ان ناپاک آدمیوں کا خون نہ جا ملے جنہوں نے اسے زیر زمین پہنچایا تھا۔ آپ نہیں جانتے کہ اس طرح مرنے والی کون تھی۔ وہ میری ماں تھی اور بارش میں تنہا پڑی بلکنے والی بچی میں تھی۔"

"اوہ.... مگر یہ ٹریجڈی ہوئی کیسے تھی۔"

"ایک طویل داستان ہے پھر کبھی بتاؤں گی۔ آپ فی الحال اپنے آدمیوں کو تیار کیجئے کہ وہ آپ کا تعاقب کریں۔ آج کی رات آپ دونوں کے لئے بہت خطرناک ہے۔"

"ہائیں.... میں نے کیا کیا ہے۔" قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

لڑکی اس طرح چونک پڑی جیسے اسے قاسم کی موجودگی کا احساس ہی نہ رہا ہو۔ اس نے حمید سے پوچھا۔ "کیا یہ قابل اعتماد آدمی ہیں۔"

"ہاں.... تم مطمئن رہو۔ یہ گفتگو اس میز سے آگے نہیں بڑھے گی۔"

"ارے.... الاقسم میں بھلا کیوں کسی سے کہنے لگا۔ اب تو مجھے ان سالوں پر زیادہ غصہ آرہا ہے۔"

"خیر....!" لڑکی نے طویل سانس لے کر کہا۔ "دونوں سے مراد یہ تھی کہ آپ اور کرنل فریدی۔"

"کیوں کرنل فریدی کیوں؟"

"اوہ.... کیا آپ کو علم نہیں ہے کہ وہ نو بجے والے طیارے سے ٹیکم گڈھ کے لئے روانہ ہو چکے ہیں۔"

"نہیں....!" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ابھی کچھ ہی دیر پہلے ان میں اس کا تذکرہ ہو رہا تھا، کچھ آدمی ہوائی اڈے پر بھی موجود ہوں گے، جو کرنل کا خاتمہ کر سکیں۔"

"میرے خدا.... مجھے قطعی علم نہیں تھا کہ وہ آرہے ہیں۔"

"آرہے ہیں.... آپ ان کی بھی فکر کیجئے۔"

"یقیناً.... یقیناً.... ٹھہریئے۔"

حمید نے اپنے ایک آدمی کو آنکھوں کے اشارے سے متوجہ کیا اور خود اٹھ کر پیشاب خانوں

کی طرف چلا گیا۔ وہ آدمی آہستہ آہستہ اس کے پیچھے جا رہا تھا۔

لڑکی قاسم سے اس کے متعلق پوچھنے لگی اور قاسم نے بتایا کہ وہ واقعی بہت دلچسپ آدمی ہے۔ منہ سے لوہے کے گولے نکال سکتا ہے۔ موٹی موٹی سلاخیں موڑ سکتا ہے۔ اپنے سینے پر وزنی پتھر تڑوا سکتا ہے۔ لڑکی نے اس سے کہا کہ وہ حمید کے ساتھ جانے سے اعتراز کرے۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ قاسم سر ہلا کر بولا۔ "ایسے کھترناک حالات میں میں اس کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا۔ میں خود مر جاؤں گا مگر اسے نہیں مرنے دوں گا۔ اس سے زیادہ پیارا دوست ملنا مشکل ہے۔"

"اس میں انہیں کی بھلائی ہے۔ ممکن ہے آپ کی وجہ سے کام بگڑ جائے۔"

"میں لڑائی بھڑائی میں کس سے کم ہوں۔"

"لڑائی بھڑائی کے بغیر کام نکالنا ہے۔"

اتنے میں حمید بھی واپس آگیا۔ قاسم نے اُس سے کہا کہ وہ اس کا ساتھ نہیں چھوڑے گا۔ اس پر لڑکی بولی۔ "انہیں سمجھایئے ورنہ ہو سکتا ہے کہ ہم کامیاب نہ ہو سکیں۔"

"قاسم! میں تمہاری محبت کے لئے شکر گذار ہوں لیکن اس معاملے میں ضد نہ کرو۔"

بدقت تمام وہ قاسم کو اس پر آمادہ کر سکے کہ وہ ان کے ساتھ نہ جائے۔ حمید سارے انتظامات مکمل کر چکا تھا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو سمجھا دیا تھا کہ جب اس کا تعاقب شروع کر دیا جائے تب وہ اپنی جگہوں سے جنبش کریں۔ لڑکی کے بیان کے مطابق دو آدمی اب بھی وہاں موجود تھے۔ وہ یقینی طور پر تعاقب کرتے۔ ساڑھے گیارہ بجے وہ اٹھ گئے۔



دو بجے رات کو طیارہ ٹیکم گڈھ کے ہوائی اڈے پر اترا۔ فریدی نے سوچا کہ باہر جانے سے پہلے اُسے کم از کم ایک کپ کافی ضرور پینی چاہئے۔ جہاز پر اسے اچھی کافی نہ ملی تھی۔ اس نے ویٹنگ روم کا رخ کیا۔ لیکن تھوڑی ہی دور چلنے کے بعد اسے رک جانا پڑا۔ کیونکہ جو آدمی لمبے لمبے قدم رکھتا ہوا اس کی طرف آرہا تھا کوئی اجنبی نہیں تھا۔ یہ انہیں لوگوں میں سے تھا جو کیپٹن حمید کے ساتھ ٹیکم گڈھ آئے تھے۔ اس نے قریب آکر سلام کیا۔

"کیوں؟ کیا بات۔" فریدی نے حیرت سے کہا کیونکہ اس نے حمید کو اپنی آمد کی اطلاع نہیں دی تھی۔

"یہاں آپ کے لئے خطرہ ہے جناب.... کیپٹن نے کہلوایا ہے۔"

"اُسے میری آمد کی اطلاع کیسے ہوئی۔"

"پتہ نہیں جناب.... انہوں نے مجھ سے یہ نہیں بتایا۔"

"وہ اس قت ہے کہاں۔"

"میں انہیں سنگیت نائٹ کلب میں چھوڑ آیا تھا۔ مگر اب شاید وہ وہاں نہ ملیں۔ مجھ سے انہوں نے یہی کہا تھا کہ وہ ساڑھے گیارہ بجے کہیں چلے جائیں گے۔"

"کہاں چلے جائیں گے۔"

"یہ بھی نہیں بتایا جناب۔"

"اس پر پھر کوئی حملہ تو نہیں ہوا۔"

"جی ہاں.... آج ہی ہوا تھا۔ وہیں سنگیت نائٹ کلب میں۔ لیکن حملہ آوروں کے کسی ساتھی نے ٹھیک اس وقت مین سوئچ آف کر دیا جب پولیس انہیں گرفتار کرنے جا رہی تھی۔"

وہ ویٹنگ روم میں پہنچ گئے تھے۔

"بیٹھو....!" فریدی نے سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کر کے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "پھر اس کے بعد کیا ہوا۔"

"پھر وہی لڑکی کپتان صاحب کی میز پر آ گئی جس کے ساتھ وہ ناچتے رہے تھے۔ کچھ دیر بعد انہوں نے مجھے بتایا کہ آپ ٹیکم گڈھ تشریف لا رہے ہیں، اور خدانخواستہ آپ کی زندگی خطرے میں ہے۔"

"خطرے کی نوعیت....!"

"بہر حال اس سے زیادہ میں نہیں جانتا۔"

"قیام نشاط ہی میں ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں! سولہویں کمرے میں اور ہم لوگ مختلف مقامات پر ٹھہرے ہیں۔"

فریدی نے ایک ویٹر کو بلا کر کافی کے لئے کہا اور اس کی تیاری کے متعلق چند ہدایات دیں۔ پھر ویٹر کے چلے جانے پر سادہ لباس والے سے بولا۔ "کیا وہ اس لڑکی کے ساتھ کہیں گیا ہوگا۔"

"جی ہاں قرینے سے تو یہی معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنے کوٹ کے کالر سے گلاب نکال

اسکے جوڑے میں لگایا تھا اور وہاں ایک لمبا موٹا اور بے ڈول آدمی بھی ان کے ساتھ لگا رہتا ہے۔"

"اوہ.... وہ بھی ہے۔" فریدی کا لہجہ اچھا نہیں تھا۔

"جی ہاں.... میرا اندازہ ہے کہ کپتان صاحب اس کی موجودگی پسند نہیں کرتے لیکن وہ پیچھا نہیں چھوڑتا۔"

"ہوں....!" فریدی کچھ سوچنے لگا۔ پھر بولا۔ "آخر اُسے کیسے علم ہوا کہ میں آ رہا ہوں۔"

"پتہ نہیں جناب مجھے بھی حیرت ہے۔"

اب اس نے شروع سے وہ داستان دہرانی شروع کی کہ سنگیت نائٹ کلب کے ہنگامے کی روعات کیسے ہوئی تھی۔ فریدی کو حمید پر بے تحاشہ غصہ آ رہا تھا۔ آخر ایسے حالات میں نائٹ بوں کی تفریحات کیوں جاری ہیں اور وہاں سے قاسم کو ساتھ لانے کی کیا ضرورت تھی۔

"کیا وہ لڑکی پہلے بھی کبھی حمید کے ساتھ دیکھی گئی تھی؟" اُس نے پوچھا۔

"نہیں جناب ہم نے تو نہیں دیکھا۔"

اتنے میں کافی آ گئی اور ویٹر نے دونوں کے درمیان ایک چھوٹی سی میز کھسکا کر اس پر ٹرے کھ دی۔ لیکن اس کے چہرے پر جھنجھلاہٹ کے آثار تھے، اور آہستہ آہستہ کچھ بڑبڑاتا جا رہا تھا۔ ریدی اُسے بہت غور سے دیکھنے لگا۔

"کیوں؟ کیا بات ہے۔" فریدی نرم لہجے میں بولا۔

"صاحب! آج کی دنیا میں رہنے سے بہتر ہے کہ آدمی کنوئیں میں چھلانگ لگا دے۔" ویٹر نے بُرا سا منہ بنا کر جواب دیا۔

"کیوں! کیا ہوا بھئی۔"

"صاحب! اس لفظ 'ساری' سے اتنی جان جلتی ہے کہ بس گردن کاٹ کر کہیں گے 'ساری' چلئے کوئی بات ہی نہیں آگے بڑھ گئے۔ اب اسی وقت لاٹ صاحب کے بچے میرے پیر پر چڑھ گئے تھے۔ یہی نہیں بلکہ ناک میں بھی انگلی گھسیڑ دی، جب تک میں سنبھلوں ساری کہہ کر چلتے بنے۔ بچ گیا ورنہ ان برتنوں کا خون اپنی گردن پر ہوتا۔"

"اوہ....!" فریدی نے تشویش کن انداز میں ہونٹ سکوڑے۔

"اور کچھ چاہئے جناب۔"

"نہیں...!" فریدی نے کہا اور کافی کی ٹرے کی طرف دیکھنے لگا۔ ویٹر دوسری طرف چلا گیا۔

سادہ لباس والے نے ٹرے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"ٹھہرو....!" فریدی نے آہستہ سے کہا پھر مسکرا کر بولا۔ "خدا مجھے ابھی زندہ رکھنا چاہتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ دودھ بھی زندہ نہیں چھوڑے گا اگر اس کا ایک قطرہ بھی حلق سے اُتر گیا۔"

"میں نہیں سمجھا جناب۔"

"ہو سکتا ہے کہ کوئی اس ویٹر سے جان بوجھ کر ٹکرایا ہو۔ دودھ کے برتن پر ڈھکن نہیں ہے۔ ٹکراتے وقت کوئی چیز اس میں بہ آسانی ڈالی جا سکتی ہے۔"

"اوہ....!" سادہ لباس والے کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"مناسب یہی ہے کہ ہم یہاں کچھ نہ کھائیں پیئیں.... اوہو.... دیکھو.... وہ ایک بلی ادھر کھڑکی میں بیٹھی ہوئی ہے.... دودھ کا برتن اٹھا کر نیچے رکھ دو۔"

سادہ لباس والے نے ایسا ہی کیا۔ اُس کمرے میں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا، بلی کھڑکی سے کود کر تیر کی طرح دودھ کے برتن کی طرف آئی۔ وہ اُسے دودھ پیتے دیکھتے رہے پھر یک بیک بلی نے چیخنا شروع کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے دم توڑ دیا۔ بلی کی چیخیں سن کر کچھ لوگ اندر آ گئے تھے ان میں وہ ویٹر بھی تھا جس نے کافی میز پر لگائی تھی۔ فریدی اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

وہ لڑکی

حمید کی آنکھوں میں تارے ناچ گئے۔ جب اس نے کار کے باہر چھ آدمیوں کو ریوالور لئے ہوئے دیکھا۔ ریوالوروں کی نالیں کار ہی کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

حمید نے لڑکی کا شانہ چھو کر آہستہ سے کہا۔ "یہ کیا ہوا۔"

"تمہارے آدمی کہاں رہ گئے۔" لڑکی بڑبڑائی۔

"پتہ نہیں۔"

"تب پھر مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ ایک نہیں چھ ریوالور ہیں۔"

دفعتاً ایک آدمی نے کار کا دروازہ کھولا اور حمید کو گریبان سے پکڑ کر کھینچ لیا۔ قدرت کی طرف سے حمید کو ایک شاندار موقع ملا تھا لہٰذا وہ اس سے فائدہ کیوں نہ اٹھاتا۔ اس نے نیچے اترتے اترتے کالر پکڑنے والے کے پیروں میں اپنا داہنا پیر ڈال دیا۔ وہ لڑکھڑا کر حمید پر آ پڑا اور حمید نے اُسے دبوچ کر ریوالور والوں کے سامنے کر دیا اور مسکرا کر بولا۔ "بعض حسرتیں دل ہی میں رہ جاتی ہیں۔ اس طرح گولی مارو کہ اس کے سینے کے پار ہو کر میرے کلیجے کے پار ہو جائے۔ ورنہ میں تم سبھوں کا بیڑہ کھڑا کھڑا پار کر دوں گا۔ کیا سمجھے۔"

"چھوڑو.... اسے چھوڑ، ورنہ ہم سچ مچ تمہیں یہیں ختم کر دیں گے۔" ان میں سے کسی نے غرا کر کہا۔

"یہاں ختم کر دیا گھر لے جا کر.... یہ اب نہیں چھوٹ سکتا۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ تم سب اپنے اپنے ریوالور پھینک کر ہاتھ اوپر اٹھا لو۔"

یہاں چاروں طرف اونچی نیچی چٹانوں کے سلسلے بکھرے ہوئے تھے۔ کار ایک ویرانے میں رُوکی گئی تھی۔

حمید کوشش کر رہا تھا کہ وہ اسے ترغیے میں نہ لینے پائیں۔ اس سے پہلے ہی وہ اس آدمی کو پرے دھکیل کر کسی چٹان کی آڑ لے لینا چاہتا تھا۔

"دیکھتے کیا ہو۔" کسی نے گرج کر کہا۔ "ان دونوں کو زبردستی الگ کر دو۔"

حمید تو چاہتا ہی تھا کہ دو ایک اور قریب آ جائیں، جیسے ہی دو آدمی اس کی طرف بڑھے۔ اس نے اپنے شکار کو ان پر دھکیل دیا۔

اس طرح وہ سب کے سب ایک دوسرے سے ٹکرا کر رہ گئے اور حمید نے بے تحاشہ نشیب میں چھلانگ لگا دی۔ یہ سوچے اور دیکھے بغیر کہ وہاں سے زمین کی سطح کتنی نیچی ہے۔ شائد وہ ان میں سے کسی کی گولی سے مرنا پسند نہیں کرتا تھا۔

اس کے پیر زمین سے ٹکرائے اور وہ گرتے گرتے بچا، اس کے چھلانگ لگاتے ہی تین فائر ہوئے تھے۔ لیکن اب تو وہ ایک چٹان کی آڑ لینے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے اطمینان سے ریوالور نکالا اور نئے حملے کا انتظار کرنے لگا۔

شائد ان میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ سڑک سے نشیب میں اتر سکتے اور غالباً انہیں یقین نہیں تھا کہ حمید دور نکل گیا ہوگا۔

کچھ دیر بعد تاروں کی چھاؤں میں حمید کو سڑک پر ایک سایہ نظر آیا لیکن وہ سایہ بے حس و حرکت کھڑا تھا۔ یکایک کار اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی اور چشم زدن میں نہ جانے کتنی دور چلی گئی۔
یہ کار دراصل ٹیکسی تھی اور اس کا ڈرائیور اس اچانک واقع پر بوکھلا گیا تھا لیکن حالات بدلتے دیکھ کر اس نے نکل بھاگنے میں سستی نہیں دکھائی۔

حمید سوچ رہا تھا کیا اس لڑکی نے دھوکا دیا، مگر خود اس کے آدمی کہاں مر گئے تھے اور وہ کار کیا ہوئی جس پر وہی دونوں آدمی موجود تھے جن کے متعلق لڑکی نے نائٹ کلب میں بتایا تھا، انہوں نے کلب سے روانہ ہوتے ہی تعاقب شروع کر دیا تھا۔ حمید انہیں راستے بھر دیکھتا آیا تھا۔ مگر اب ان کی کار کہاں تھی۔

اُسے یقین تھا کہ اس کار کے پیچھے اس کے آدمیوں کی گاڑی ہوگی۔

دس منٹ گذر گئے، نہ کوئی اوپر سے نیچے آیا اور نہ فائر ہوا۔ یہ صورت الجھن میں ڈالنے والی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اب بھی سڑک پر موجود ہوں اور یہ بھی ممکن تھا کہ وہ چوروں کی طرح کسی اور جگہ سے نشیب میں اترنے کی کوشش کر رہے ہوں تاکہ اسے گھیرے میں لے سکیں۔ دوسری صورت یقیناً صبر آزما ہوتی۔

حمید فوری طور پر فیصلہ نہ کر سکا کہ اُسے کیا کرنا چاہیئے۔ اس کے پاس ٹارچ بھی نہیں تھی کہ وہ سڑک چھوڑ کر کھائیاں اور نالے پھلانگنا شروع کر دیتا۔ ایک بار تو مقدر نے ساتھ دیا تھا۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ دوسری حماقت بھی زمین ہی پر رکھتی۔

اس کے ہاتھ میں ریوالور بھی تھا، لیکن اس نے جھک کر ایک چھوٹا سا پتھر اٹھایا اور ان لوگوں کی موجودگی یا عدم موجودگی کا اندازہ کرنے کے لئے اسے سڑک پر اچھال دیا۔ پتھر گرنے کی آواز اس نے صاف سنی لیکن پھر نہ تو اس کو قدموں کی آوازیں ہی سنائی دیں اور نہ دوسری طرف سے اس پر کوئی جوابی کاروائی ہوئی۔

پھر بھی وہ مطمئن نہیں ہوا۔ آخر کچھ دیر بعد اس نے فیصلہ کیا کہ اسے ٹٹول ٹٹول کر نیچے ہی اترنا چاہیئے، ممکن ہے رات بسر کرنے کے لئے کوئی معقول سی جگہ مل جائے۔ اب اس وقت شہر کی

انب رخ کرنا ناممکنات ہی میں سے تھا، اول تو پتہ نہیں وہ شہر سے کتنی دور نکل آیا تھا۔ دوسرے یب میں اتر جانے کے بعد سمتوں کا تعین کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں تھا اور سمتوں کا تعین یے بغیر شہر پہنچنا مشکل تھا۔

وہ بہت احتیاط سے نیچے اترنے لگا۔ تھوڑی ہی دور چلا ہوگا کہ کسی کی سرگوشی پر چونک پڑا۔

"کون ہے؟"

سرگوشی کے ساتھ ہی خوشبو کی لپٹوں نے اس کا دماغ معطر کر دیا، خوشبو اس کے لئے نئی نہیں تھی۔ کچھ ہی دیر پہلے اسی قسم کی خوشبو اس کے ذہن میں گونجتی رہی تھی۔

"میں ہوں۔" حمید نے بھی سرگوشی کی۔

"ٹھہرو.....!" دوسری طرف سے کہا گیا۔ "اب کیا ہوگا۔"

قبل اس کے حمید کچھ کہتا ایک سایہ اس کے قریب پہنچ گیا۔ خوشبو کی لپٹیں کچھ اور تیز ہو گئیں۔ یہ اس لڑکی کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا جو حمید کو یہاں تک لائی تھی۔

"کون کیپٹن۔"

"نہیں! اب اس وقت میرا عہدہ کافی بڑھ گیا ہے اور تم مجھے کیپٹن کے بجائے میجر کہہ سکتی ہو۔ حالانکہ لفظ میجر سے کسی بہت لمبی ڈاڑھی کا تصور ذہن میں ابھرتا ہے مگر خیر.... تم جیسی وفادار دوست کے لئے میں یہ بھی برداشت کر سکتا ہوں۔"

"اوہ.... تم شائد کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہو۔" لڑکی نے کہا "یقین کرو یہ ساری مصیبت محض اس لئے آئی کہ تمہارے آدمی وقت پر وہاں نہیں پہنچ سکے۔" وہ بُری طرح ہانپ رہی تھی۔

"تم پہلے اپنی سانسیں درست کر لو پھر گفتگو کرنا۔ اتنی دیر میں، میں یہ بھی دیکھ لوں گا کہ سڑک پر کتنے آدمی موجود ہیں کیونکہ میں غفلت میں مارا جانا بالکل پسند نہیں کرتا۔"

"وہاں اب کوئی بھی نہیں ہے۔ یقین کرو وہ دم دبا کر بھاگ گئے۔ تم سے بہت بُری طرح خار بھی کھاتے ہیں اور خائف بھی ہیں۔ کیونکہ یہ ان کا چوتھا ناکام حملہ تھا۔"

"مگر تم کیوں رک گئی ہو، کیا وہ تم سے جواب نہیں طلب کریں گے۔"

"نہیں وہ سمجھتے ہوں گے کہ ٹیکسی ڈرائیور مجھے بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ لیکن میں ٹیکسی سے اس طرح اتری تھی کہ ڈرائیور کو بھی خبر نہیں ہوئی تھی۔"

"میں نے پوچھا تھا تم رک کیوں گئیں۔"

"اس ہنگامے میں پھر اور کیا کرتی۔"

"تم ان کے ساتھ بھی جا سکتی تھیں۔"

"میں اس ویرانے میں ان پر اعتماد نہیں کر سکتی تھی۔"

"مجھے بیوقوف بنانے کی کوشش نہ کرو۔ تم دن رات ان کے ساتھ رہتی ہو۔"

"یہ قطعی غلط ہے۔ ان میں صرف ایک آدمی ایسا ہے جس کے ساتھ میں رہتی ہوں۔ اس نے میری پرورش کی تھی اور بیٹی کی طرح عزیز رکھتا ہے۔"

"خوب اور تم سے اسی طرح کے کام بھی لیتا ہے۔"

"کوئی پناہ لینے کی جگہ تلاش کرو۔ پیارے کیپٹن طنز پھر کرنا۔" لڑکی نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔ "ورنہ ابھی یہاں آدمی ہی آدمی نظر آئیں گے۔ تم یہ نہ سمجھنا کہ انہوں نے تمہارا پیچھا چھوڑ دیا ہے۔ وہ اس وقت تمہیں اس ویرانے سے باہر نہیں جانے دیں گے۔"

"جب تک مجھ میں آخری سانس باقی رہے گی، وہ مجھ پر ہاتھ نہیں ڈال سکیں گے۔"

"وقت برباد نہ کرو... چلو۔" لڑکی اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف گھسیٹنے لگی۔ حمید چلتا رہا۔ اسے لڑکی کی رفتار پر بھی حیرت ہو رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ان اونچے نیچے راستوں پر چلنے کی عادی ہو۔ وہ تقریباً پندرہ منٹ تک چلتے رہے پھر ایک جگہ لڑکی رک گئی۔

"آؤ میں تمہیں ایک پناہ گاہ بتاؤں۔"

پھر وہ ایک غار میں اترتے چلے گئے جسے چاروں طرف سے اُبھری ہوئی چٹانوں نے گھیر رکھا تھا۔ لڑکی نے اپنے وینٹی بیگ سے ایک چھوٹی سی ٹارچ نکال لی تھی۔

غار کیا یہ ایک تنگ سا راستہ تھا جس میں وہ دونوں برابر سے نہیں چل سکتے تھے۔ آگے پیچھے چلتے ہوئے وہ ایک کشادہ سی جگہ پہنچ گئے۔ غار نے کافی پھیلاؤ اختیار کر لیا تھا۔

حمید نے حیرت سے چاروں طرف دیکھا، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہ غار پہلے ہی سے آباد رہا ہو۔ روزمرہ کے استعمال کی بہتیری چیزیں یہاں نظر آئیں۔ ایک طرف پیال کا ایک بستر بھی پڑا ہوا تھا۔

"کیا اب اس غار میں بند کر کے مارنا ہے۔"

لڑکی کچھ نہ بولی۔ اس نے ٹارچ بجھا کر دیا سلائی کھینچی اور ایک مومی شمع روشن کر دی پھر ہنس کر بولی۔ "ہاں اب تم اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لو۔ تھوڑی دیر بعد میں ریوالور بھی نکال لوں گی۔"

حمید پیال کے بستر پر بیٹھ گیا۔

"یہ میری لائبریری ہے۔" لڑکی چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

"خوب.... مگر مجھے یہاں کتابیں تو کہیں بھی نہیں نظر آئیں۔"

"کتابیں.... کیا میں خود ہی ایک کتاب نہیں ہوں۔ دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی علم نہیں ہے کہ آدمی کو سمجھنے کی کوشش کرے۔"

"آہا.... ایسی بات۔"

"قطعی.... میں یہاں تنہائی میں خود کو سمجھنے کی کوشش کرتی ہوں۔"

"اس کے برعکس مجھے ہنگاموں کے علاوہ اور کہیں عقل نہیں آتی۔"

"میں تم میں اور ان لوگوں میں کوئی فرق نہیں محسوس کرتی، تم قانون کے نام پر خون بہاتے ہو اور وہ خود قانون کا خون بہاتے ہیں۔"

"کیا تم مجھے یہاں فلسفہ پڑھانے لائی ہو۔"

"اگر پڑھ سکو تو میں اپنے لئے باعث فخر سمجھوں گی۔"

"انہیں تمہاری اس لائبریری کا علم ہے۔"

"نہیں کوئی بھی نہیں جانتا۔ میں نے یہاں اور بھی ایسے ہی کئی ٹھکانے بنا رکھے ہیں جن کا علم میرے علاوہ کسی کو نہیں ہے۔"

"ان لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو تمہارے لئے ٹھنڈی آہیں بھرتا ہو۔"

"کئی ہیں.... لیکن وہ بابا سے بہت ڈرتے ہیں۔"

"یہ بابا کون بزرگوار ہیں۔"

"وہی جنہوں نے میری پرورش کی تھی۔ وہ بھی ان لوگوں سے بہت متنفر ہیں لیکن تم یہ نہ سمجھنا کہ انہیں اس پیشے سے بھی نفرت ہے، وہ بہت پرانے اسمگلر ہیں۔ انگریزوں کے وقتوں کے، مگر اب انہیں نئے اسمگلروں سے بڑی نفرت ہو گئی ہے کیونکہ یہ اس فن سے ناواقف ہیں۔"

"ہائیں.... کیا اسمگلنگ بھی فن ہے۔"

"کیوں نہیں۔ فن کسے کہتے ہیں۔ کسی کام کا سلیقہ ہی فن کہلاتا ہے۔ اب یہ کام سلیقے سے نہیں کیا جاتا اس لئے فن کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"تمہارے بابا کی دانست میں اسمگلنگ کا فن کسے کہتے ہیں۔"

"دوہری زندگی۔" لڑکی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "بندرگاہ کے لوگ بابا کو ایک غریب کشتی راں سمجھتے تھے لیکن شہر میں ان کی تین تین کوٹھیاں تھیں اور وہ ایک معزز آدمی سمجھے جاتے تھے اور جب وہ کشتی رانی کرتے تھے تو ان کے جسم پر چیتھڑوں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا تھا۔ اکثر وہ چھ چھ ماہ انہیں چیتھڑوں اور دال دلیا میں نکال لے جاتے تھے خود ان کا بیان ہے کہ بعض اوقات تو انہیں ایسا محسوس ہونے لگتا ہے جیسے وہ سچ مچ کوئی غریب ملاح ہیں۔ ان کی دانست میں یہ تھا اسمگلنگ کا فن کہ آدمی کی دونوں شخصیتوں میں سے کسی ایک کا بھی راز نہ کھل سکے۔"

"اچھا تو کیا اب بھی ان کی دارالحکومت میں تین کوٹھیاں ہیں۔"

"نہیں زمانے کے انقلاب نے ان کے کس بل بھی نکال دیئے اب وہ قطعی گمنام شخصیت باقی رہ گئی ہے اب وہ صرف ایک غریب ملاح ہیں۔"

"لیکن تم مجھے سب کچھ کیوں بتا رہی ہو۔" حمید نے حیرت سے کہا۔ "کیا تمہیں اپنے بابا کی گرفتاری پر افسوس نہ ہوگا۔"

"میں دراصل یہ چاہتی ہوں کہ وہ شریف آدمیوں کی طرح زندگی بسر کرنے لگیں۔ اُس کمینے آدمی کی ملازمت ترک کردیں جس کے متعلق وہ کچھ بھی نہیں جانتے۔"

"کیا مطلب....!"

"اب وہ ایک آدمی کے ملازم ہیں جس نے خود ہی انہیں تلاش کرا کے ملازم رکھا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ پہلے وہ قطعی آزاد تھا، یعنی یہ خود ہی کاروبار کرتے تھے اور نفع آپس میں برابر بانٹ لیتے تھے لیکن انگریزوں کے جاتے ہی ان کا کاروبار تباہ ہوگیا اور پھر مالی اعتبار سے اتنے کمزور ہوگئے کہ انہیں ایک بہت بڑے سمگلر کی ملازمت کرنی پڑی لیکن ان میں سے کوئی بھی نہیں جانتا کہ وہ کون ہے۔"

اوہو تو تمہارے بابا کے تئیں وہ فنی اعتبار سے کیسے ہیں۔

"انہوں نے اس کے متعلق کبھی کوئی خیال نہیں ظاہر کیا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ وہ بہت

زیادہ سائنٹیفک ہے۔ اُسے ذرہ برابر بھی محنت نہیں کرنی پڑتی لیکن کاروبار کا سارا نفع اسے پہنچتا ہے اور وہ اس کا کچھ حصہ ان لوگوں کے سامنے اس طرح پھینک دیتا ہے جیسے کتے کو ٹکڑا ڈالا جائے۔"

وہ خاموش ہو کر کلائی کی گھڑی دیکھنے لگی پھر بولی۔ "دو بجے کرنل فریدی کا جہاز ایئرپورٹ پر پہنچے گا۔ دیکھو ان کا کیا حشر ہوتا ہے۔"

"میں ان کا ایک حقیر ترین شاگرد ہوں بس اسی سے اندازہ کرلو۔"

"تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اُن کے لئے زہر کی تجویز تھی۔"

"نہیں....!" حمید بے ساختہ اچھل پڑا۔

"اسکیم یہ تھی کہ ایئرپورٹ سے مسافروں کو لے جانے والی گاڑیوں میں پہلے ہی سے کچھ نہ کچھ نقص پیدا کردیئے جائیں۔ ظاہر ہے کہ مسافروں کو ان کی درستگی کا انتظار کرنا ہی پڑتا ہے۔ ایسے مواقع پر مسافروں کو کافی ضرور پیش کی جاتی ہے اور کافی کرنل کا پسندیدہ مشروب ہے.... ہاں تو کافی میں زہر.... کیا سمجھے۔"

"تم نے وہیں کیوں نہیں بتایا تھا۔" حمید مضطربانہ انداز میں اٹھتا ہوا بولا۔

"تو پھر کیا ارادہ ہے۔ مائی ڈیئر کپتان صاحب۔" لڑکی مسکرا کر بولی۔ "تم یہ مت سمجھنا کہ مجھے تم لوگوں سے ہمدردی ہے۔ میں تو دراصل اس گروہ کو تباہ کرنا چاہتی ہوں۔"

"لیکن ہماری مدد کئے بغیر تم کبھی کامیاب نہ ہوسکو گی۔" حمید نے کہا۔

"اُسی لئے تو میں نے اتنا بڑا خطرہ مول لیا ہے اگر انہیں میری اس حرکت کا علم ہوجائے تو شائد میں دوسرے لمحے میں سانس بھی نہ لے سکوں۔"

"بہر حال تمہاری کامیابی کا انحصار صرف کرنل فریدی کی زندگی پر منحصر ہے۔"

"تمہاری زندگی پر کیوں نہیں ہے.... ڈیئر کیپٹن مکی ماؤس۔" لڑکی نے ہنس کر پوچھا۔

"میں کھوپڑی کا استعمال بہت کم کرتا ہوں۔"

"تو کیا وہ کرنل کی کھوپڑی تھی جس نے سرخ غبارہ اڑایا تھا۔"

"نہیں وہ تو سوفیصدی میری ہی کھوپڑی تھی۔ ویسے کبھی کبھی چل بھی جاتی ہے۔ دیکھو مجھے باتوں میں مت الجھاؤ۔ مجھے فوراً واپس جانا چاہئے۔"

"اوہو! مجھے ڈر ہے کہ کہیں یہ تمہاری آخری رات نہ ہو۔"

"ہر رات میری آخری رات ہوتی ہے لیکن دوسرے ہی دن پھر کسی نئی لڑکی سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ میں تو اب تنگ آگیا ہوں کسی ایسی جگہ جانا چاہتا ہوں جہاں لڑکیاں نہ ہوں۔"

"سب سے قریب کی جگہ قبر ہے کپتان صاحب، دنیا کی سڑی سے سڑی لڑکی بھی تمہاری قبر میں داخل ہونا پسند نہ کرے گی۔"

"حالانکہ قبر کا راستہ بھی مجھے کوئی لڑکی ہی دکھائے گی۔ اے لڑکی خدا کے لئے کوئی تدبیر کرو کہ میں جہاز کے لینڈ کرنے سے پہلے ہی ایئرپورٹ پہنچ جاؤں اچھا تم اتنا ہی بتادو کہ شہر یہاں سے کتنی دور ہوگا۔"

"صرف دس میل....!"

"میرے خدا پیدل چل کر تو صبح تک بھی نہ پہنچ سکوں گا۔"

"ٹھہرو! مجھے سوچنے دو۔" لڑکی کچھ سوچنے لگی پھر بولی۔ "میں اس ویرانے میں تمہارے لئے بھی کار مہیا کر سکتی ہوں اور موٹر سائیکل بھی، لیکن میں تمہیں موت کے منہ میں نہیں جھونکنا چاہتی۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"میرا خیال ہے کہ اب انہوں نے منظم طور پر تمہاری تلاش شروع کر دی ہوگی۔"

"کرنل کی زندگی میری زندگی سے زیادہ قیمتی ہے تم اس کی پرواہ مت کرو۔"

لڑکی کچھ دیر کے لئے غار سے چلی گئی۔ حمید اس کا انتظار کرتا رہا۔ پھر اس نے واپس آکر بتایا کہ ابھی تک چاروں طرف سناٹا ہی محسوس ہو رہا ہے دوسری بار وہ حمید کو بھی غار سے نکال لے گئی۔ پھر وہ تقریباً آدھے گھنٹے تک چلتے رہنے کے بعد ایک غار میں داخل ہوئے اور یہاں پہنچ کر حمید کی آنکھیں کھل گئیں، شاید یہ اسمگلروں کا اسلحہ خانہ تھا۔ یہاں اُسے گیارہ عدد موٹر سائیکلیں بھی نظر آئیں۔

"میں تمہارا شکر گذار ہوں اور تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ تمہارا نام کیا ہے۔" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

"میں.... میرا نام.... نیلم ہے بس اب چپ چاپ کھسکو، چلو میں تمہیں وہ راستہ بھی دکھادوں جس سے تم بہ آسانی سڑک پر پہنچ سکو گے۔ لیکن خدارا سڑک پر پہنچے بغیر موٹر سائیکل اسٹارٹ نہ کرنا ورنہ نتیجے کے تم خود ذمہ دار ہوگے۔ میں یہ بھی نہیں کہہ سکتی کہ ان کا کوئی آدمی

آس پاس موجود نہ ہو۔ خیر تم نے وعدہ کیا ہے کہ تم نیلم کو یاد رکھو گے۔"



بلی کی چیخ نے بہتیروں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ مگر اب تو وہ بلی کی لاش تھی۔ لوگ فریدی سے اس کے متعلق گفتگو کر رہے تھے اور فریدی جلد از جلد نشاط ہوٹل پہنچنا چاہتا تھا۔ وہ ویٹر بھی اب وہیں موجود تھا جس نے کافی میز پر لگائی تھی۔ اس کے چہرے پر پسینے کے قطرات نظر آنے لگے تھے لیکن فریدی نے اس کی طرف دوبارہ نہیں دیکھا۔

اس نے کسی کو نہیں بتایا تھا کہ بلی کیسے مری تھی۔

پھر وہ اٹھ ہی رہا تھا کہ حمید بوکھلایا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ سب سے پہلے اس کی نظر بلی ہی پر پڑی جس کے قریب دودھ کا برتن ابھی تک فرش ہی پر موجود تھا۔

"ویری فائن....!" وہ بیساختہ ہنس پڑا۔

فریدی نے آنکھ کے اشارے سے اسے خاموش رہنے کی تاکید کی اور اس طرح لپک کر اُس سے ملا جیسے اُسے اس کا ہی انتظار رہا ہو۔

حقیقت یہی تھی کہ ابھی سارے مسافر ایئرپورٹ ہی پر موجود تھے۔ کیونکہ اس وقت سروس میں صرف دو گاڑیاں تھیں اور دونوں ہی میں کوئی نہ کوئی خرابی پیدا ہوگئی تھی اور یہ وہی وقت تھا جب مینجمنٹ کی طرف سے مسافروں کا غصہ کم کرنے کے لئے کافی تقسیم کی جارہی تھی۔

"چلئے....!" حمید نے آہستہ سے کہا۔ مجھے علم ہے کہ گاڑیاں خراب ہوگئی ہیں، میں آپ کو موٹر سائیکل پر نشاط لے چلوں گا اور بیگ انہیں دے دیجئے۔"

حمید نے سادہ لباس والے کی طرف اشارہ کیا۔

فریدی اُسے اپنا سفری بیگ دے کر اٹھ گیا۔ لیکن وہ ویٹر کو کافی کی قیمت ادا کرنا نہیں بھولا تھا۔

حمید موٹر سائیکل چلا رہا تھا اور فریدی پچھلی سیٹ پر تھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ زہر والی اسکیم کا حال مجھے دیر سے معلوم ہوا۔" حمید بولا۔ "میرے خدا اگر وہ سور کے بچے کامیاب ہوگئے ہوتے تو....!"

"ایک نالائق آدمی سے تمہارا پیچھا چھوٹ جاتا۔" فریدی نے جواب دیا۔

"بیکار بور نہ کیجئے۔ میرا دل ہی جانتا ہے کہ اس سازش کا علم ہوتے ہی مجھ پر کیا گذری تھی۔

بس زہر کا نام سن کر دم نکل گیا تھا۔ مگر کرنل فریدی کسی آدمی کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک قوت ہے۔"

"قوت مؤنث ہے حمید صاحب اس کی آپ خود ہی نسبت دیجئے۔ مگر آخر آج کل آپ کن آسمانوں پر ہیں بے حد متحیر ہوں۔"

"ارے.... میں بیچارا....!"

"نہیں میں سنجیدگی سے پوچھ رہا ہوں تم روز بروز حیرت انگیز ہوتے جا رہے ہو۔ تمہیں میری آمد کی بھی خبر تھی اور پھر یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مجھے زہر دیا جانے والا ہے کچھ تو بتاؤ۔"

"مؤنث....!" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ لیکن موٹر سائیکل کے شور نے فریدی تک وہ ٹھنڈی سانس نہ پہنچنے دی۔

"اوہ تو کیا تم اس گروہ کی کسی عورت پر ہاتھ صاف کرنے میں کامیاب ہو گئے ہو۔"

"نہیں.... بلکہ ایک عورت مجھ پر ہاتھ صاف کرنے میں کامیاب ہو گئی ہے، اب چلئے اطمینان سے بتاؤں گا۔ میں نے واقعی بڑے لمبے لمبے تیر مارے ہیں۔ یہ موٹر بائیک بھی انہیں اسمگلروں کی ہے۔"

نشاط پہنچ کر حمید نے اپنے آدمیوں کو وہیں موجود پایا جنہیں اپنا تعاقب کرنے کو کہا تھا۔ وہ ان پر گرجنے برسنے لگا۔

"صاحب سنئے بھی تو سہی۔" ایک نے کہا۔

"سناؤ....!" وہ آنکھیں نکال کر دھاڑا۔

"ہم نے بڑی کامیابی سے آپ کا تعاقب کیا تھا لیکن ہمارے درمیان جو تیسری کار حائل تھی اس نے ہمیں بالکل بیکار کر دیا۔ ایک جگہ سڑک بہت پتلی تھی اور دوسری طرف ایک بہت گہری کھائی کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ بس وہیں ہم مات کھا گئے۔ وہ کم بخت وہاں اسی طرح کار روک کر غائب ہو گئے کہ راستہ ہی مسدود ہو گیا۔ واقعی جناب وہ عجیب سچویشن تھی۔ کافی دیر تک عقل لڑانے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ کار کو کھڈ میں گرائے بغیر ہم آگے نہیں بڑھ سکیں گے۔"

"پہلے ہی کیوں نہیں پہنچے اس نتیجے پر۔" حمید غرایا۔

"ختم کرو۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔

کچھ دیر بعد جب وہ لوگ چلے گئے اور حمید کو جماہیاں آنے لگیں تو فریدی نے کہا۔ "میں

صرف اس لئے آیا ہوں کہ مجھے تم پر حملوں کی اطلاع ملی تھی ورنہ یہ کیس تو اب ہمارے ہاتھ سے لیا جا چکا ہے۔"

"کیا مطلب....!"

"کسی اور کے سپرد کیا جائے گا کیونکہ تم نے غلطی سے ان اسمگلروں کو پکڑ لیا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"کیا مطلب.....!"

"کیا مطلب کا بھوت سوار ہو گیا ہے تم پر اچھا سو جاؤ۔ صبح بتاؤں گا۔"

"نہیں میں جاگ رہا ہوں، بات ہی سمجھ میں نہیں آئی۔"

"ان اسمگلروں کی پشت پر کوئی بہت بڑا آدمی ہے جس نے ہمارے محکمے کو بھی شیشے کے صندوق میں بند کر دیا ہے۔ صاف صاف یہ نہیں کہا گیا کہ اس کیس کا فائل بند کر دیا جائے گا بلکہ ہماری جگہ دوسرے کام کریں گے۔ لہٰذا اب اس میں مغز نہ مارو۔"

"تو کیا آپ ذاتی طور پر بھی باز آ جائیں گے۔"

"یہ حالات پر منحصر ہے۔"

"تو گویا کل ہماری واپسی ہو گی۔"

"نہیں.... میں ابھی یہاں قیام کروں گا۔ ہر مین کا کیس میرے ہی پاس ہے اور اس کے آج رات کے اعلان سے کچھ مترشح ہوتا ہے کہ وہ ٹیکم گڈھ ہی میں کہیں ہے۔ میں نے یہ اعلان طیارے میں سنا تھا کل وہ کوئی چیز پیش کرے گا۔ مگر خیر ہاں، وہ میں ضرور سنوں گا جو تم پر گزری ہے۔"

حمید نے اپنی داستان شروع کر دی اور جب سب کچھ کہہ چکا تو فریدی نے کہا۔ "بہت ممکن ہے کہ اگلی چوکی کے حفاظتی دستے کے کچھ لوگ بھی ان سے مل گئے ہوں اور سبز غبارے ان ہی کی طرف سے چھوڑے جاتے ہوں۔ ظاہر ہے کہ پورے دستے کو ملانا آسان کام نہیں ہے اور پورا دستہ ہر وقت ڈیوٹی پر رہتا ہے۔ کسی ڈیوٹی کے سپاہیوں کو ملایا ہو گا۔ لہٰذا میدان اسی وقت صاف ہوتا ہو گا جب ان کی ڈیوٹی ہو گی، مگر تم نے بھی سرخ غبارے کے امکانات پر غور کر کے کمال ہی کر دیا۔

فولادی

رات بڑی خوشگوار تھی، ٹیکم گڈھ کی شہری آبادی میں خوشگوار راتیں بڑی رونقیں لاتی تھیں، وہ بھی حسب معمول ویسی ہی ایک رات تھی، ابھی صرف آٹھ ہی بجے تھے، اس لئے سبھی سڑکیں بھری پُری نظر آرہی تھیں، ان میں مشن روڈ ایسی ہے جس پر گیارہ بجے تک تل رکھنے کی جگہ نہیں رہتی اس سڑک پر ٹھیک سوا آٹھ بجے بھگدڑ مچ گئی۔

ایک پر ایک گرنے لگا۔ نہ جانے کتنے بچے کچلے گئے، کتنی عورتوں کے چوٹیں آئیں۔ شور سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی، اچانک ایک آواز اس شور سے ابھری اور اس کے آگے اُس شور کی حیثیت مکھیوں کی بھنبھناہٹ سے زیادہ نہ رہ گئی۔ کوئی اس طرح بولا تھا جیسے مائیک میں بولا ہو۔

"ٹھہریئے۔ ٹھہریئے میں آپ کا دوست ہوں دشمن نہیں۔ میں آپ کی خدمت کروں گا۔ ٹھہر جایئے۔ خدا کے لئے اس طرح نہ دوڑیئے ورنہ حادثات ہوں گے۔"

"ٹھہر جایئے۔"

لیکن لوگ بھاگتے ہی رہے۔ تھوڑی دیر بعد مشن روڈ سنسان ہوگئی صرف مکانات کی کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں اور ان میں سر ہی سر نظر آرہے تھے۔

اب چوراہے کے ٹریفک کانسٹیبل کا کہیں نہ پتہ تھا اور نہ ڈیوٹی کانسٹیبلوں کا۔ جدھر جس کے سینگ سمائے تھے بھاگ نکلا تھا۔

پٹرول پمپ کے قریب لوہے کا ایک انسان نما ڈھانچہ کھڑا ہوا تھا، اسی ڈھانچے سے پھر آواز آئی۔ "بڑے افسوس کی بات ہے، آپ آخر مجھ سے ڈرتے کیوں ہیں، میں آپ کا خادم فولادی۔ میرا خالق ڈاکٹر ہرمین ہے، میں آپ کی خدمت کروں گا.... اوہ.... یہ چوراہا بھی ویران پڑا ہے کتنے افسوس کی بات ہے۔"

لوہے کا ڈھانچہ بالکل آدمیوں کے انداز میں چلتا ہوا چوراہے کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کے سر سے بہت ہی تیز قسم کی روشنی نکل کر چاروں طرف پھیل رہی تھی۔ اس روشنی کے سامنے سڑک کے ستونوں کی روشنیاں بالکل ایسی ہی لگ رہی تھیں جیسے کسی نے دھوپ میں چراغ رکھ دیا ہو۔

وہ چوراہے پر پہنچ کر رک گیا۔

چوراہے سے سگنل نہ ملنے کی وجہ سے چاروں طرف ٹریفک رک گئی تھی۔ ڈھانچے نے سگنل کے سوئچ بورڈ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ایک طرف کا سبز بلب روشن ہوگیا اور کاریں گذرنے لگیں، شاید ڈرائیو کرنے والوں کی سمجھ میں نہیں آسکا تھا کہ کیا معاملہ ہے۔ لیکن پھر یک بیک سرخ بلب کی سمت والی گاڑیوں سے لوگوں نے کود کود کر بھاگنا شروع کردیا۔

"ارے.... ارے....!" ڈھانچے سے آواز آئی۔ "بڑے افسوس کی بات ہے آدمی اور لوہے کے ڈھانچے سے اس قدر خائف.... ٹھہریئے.... خدا کے لئے ٹھہریئے۔ ذرا دیکھئے بھی تو کہ فولادی کس طرح ٹریفک کو کنٹرول کرتا ہے۔ ہرمین آپ کا دشمن نہیں ہے وہ آپ کے فائدے کے لئے بہت کچھ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔"

لیکن لوگ بھاگتے ہی رہے۔

اس نے پھر کہا۔ "میں سمجھا تھا کہ آپ لوگ مجھ سے تعاون کریں گے، لیکن بڑے افسوس کی بات ہے، اچھا میں جارہا ہوں۔"

وہ پھر سڑک پر اتر آیا اور اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے۔ پھر خود بھی بڑی تیزی سے فضا میں بلند ہوتا چلا گیا اور چند ہی سیکنڈ میں اس کے سر سے نکلنے والی روشنی تارا نظر آنے لگی۔

کرنل فریدی اور کیپٹن حمید ریڈیو پر خبریں سن رہے تھے۔ دفعتاً خبریں سنانے والے کی آواز کتوں اور بلیوں کی آوازوں میں تبدیل ہوگئی۔

فریدی نے سگار جلانے کا ارادہ ترک کرکے سگار لائیٹر میز پر رکھ دیا، وہ دونوں نشاط کے ڈائننگ ہال میں تھے، رات کا کھانا دونوں نے ساتھ ہی کھایا تھا اور اس کے بعد سے اب تک یہیں بیٹھے رہے تھے۔

ریڈیو سے آواز آئی۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں پھر مخل ہورہا ہوں۔ میں ڈاکٹر ہرمین آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ فولادی سے تعاون کیجئے وہ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا، وہ آپ کا خادم ہے آپ صرف اُسے ایک ماہ کا موقع دیجئے۔ وہ ٹیکم گڈھ کو ایک مثالی شہر بنادے گا۔ وہ آپ کو مجبور کردے گا کہ آپ قانون کا احترام کریں، اور اب میں آپ کے براڈ کاسٹنگ سسٹم پر اثرانداز نہیں ہونا چاہتا۔ آپ آئندہ اپنے ریڈیو یا مائیکروفون پر میری آواز نہیں سنیں گے، جو

حضرات مجھ میں دلچسپی لے رہے ہیں صرف وہی میری آواز سن سکیں گے، گندھک کا تیزاب اور لال کسیس کا محلول تیار کیجئے۔ ایک اسٹیتھو سکوپ یعنی وہ آلہ لے لیجئے جس سے معالج سینہ ٹسٹ کرتے ہیں، اب اس کا نچلا حصہ جو سینے پر رکھا جاتا ہے تیار شدہ محلول میں ڈال دیجئے اور اوپری حصہ کانوں میں لگائیے، اس طرح آپ روزانہ ساڑھے سات بجے شام سے آٹھ بجے تک میری آواز سن سکیں گے۔ میں جانتا ہوں کہ ملک کا نوجوان طبقہ مجھ سے محبت کرتا ہے میں آپ کے اس اعتماد اور محبت کو ٹھیس نہیں پہنچاؤں گا۔ میں اس ملک کی ترقی کا خواہاں ہوں، آپ مجھے روز بروز اپنی خدمت میں اور زیادہ مصروف پائیں گے۔"

"میں آپ کا خادم ہر مین۔"

آواز بند ہوگئی اور ایک بار پھر وہی کتوں اور بلیوں والا شور سنائی دیا اس کے بعد پھر وہی ریڈیو اسٹیشن کی موسیقی تھی۔

فریدی نے کرسی کی پشت سے ٹک کر سگار سلگایا! اسکی آنکھوں میں فکر کے بادل تیرتے نظر آئے۔

"کہیں.... یہ سابق نازی یہاں کسی انقلاب کی تیاری تو نہیں کر رہا ہے۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"پتہ نہیں۔" فریدی نے ایک طویل سانس لی، چند لمحے خاموش رہی پھر بولا۔ "بہر حال تو یہ خبر صحیح تھی کہ مشن روڈ کے چوراہے پر کسی لوہے کی پتلے نے ہنگامہ برپا کیا تھا، نام بھی کتنا معنی خیز ہے فولادمی.... یعنی فولاد کے آدمی کا مخفف۔"

"مجھے تو یہ غپ ہی معلوم ہوتی ہے۔" حمید بڑبڑایا۔ "لوہے کے متحرک پتلے پہلے بھی دیکھے ہیں، لیکن کسی ایسے پتلے کے متعلق آج تک نہیں سنا جو بولتا بھی رہا ہو۔ کمال ہے، اس نے ٹریفک کنٹرول کرنے کی بھی کوشش کی تھی۔ کیا بکواس ہے۔"

فریدی اس پر کچھ نہیں بولا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید نے کہا۔ "تو آپ اسمگلنگ والے کیس سے دستبردار ہو چکے ہیں۔"

"فی الحال۔"

"میں تو فی الحال کے لئے بھی نہیں ہوں۔ مجھے ان لوگوں سے کچھ چڑھ سی ہوگئی ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ اس غار پر چھاپہ ماروں جہاں سے ایک موٹر سائیکل ہاتھ لگی تھی۔"

"میں قطعی مشورہ نہ دوں گا۔ جب کیس ہی ہم سے لیا جاچکا ہے تو ہم کیوں جھک ماریں۔"

"پہلی بار آپ کی زبان سے ایسا جملہ سن رہا ہوں مجھے حیرت ہے۔"

"ختم کرو۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں اب ہر مین کے علاوہ اور کسی کے متعلق سوچنا نہیں چاہتا۔ یہ کیس دلچسپ بھی ہوگا اور وقت طلب بھی۔ اسمگلروں کی پشت پر جو کوئی بھی ہے اسے میں ہر وقت پکڑ سکتا ہوں۔"

"کون ہے۔"

"یہ نہیں بتاؤں گا وہ وقت دور نہیں ہے جب اس کے متعلق میرا فائیل مکمل ہو جائے گا۔ یا تو وہ رہے گا یا میں۔"

"آپ نے کہا تھا کہ وہ کوئی بڑا آدمی ہے۔"

"یقیناً.... وہ ایک ذی اثر آدمی ہے۔ ذی اثر نہ ہوتا تو کیس ہمارے ہاتھ سے کیوں لیا جاتا۔ پر یا تم پر اتنے دلیرانہ اور منظم حملے کیوں ہوتے۔ اگر سرکاری طور پر ہماری جڑیں زیادہ گہرائی میں نہ ہوتیں تو شاید ہم محکمے ہی سے الگ کر دیئے جاتے۔"

"اس حد تک....!"

"یقیناً....!"

"خدا کے لئے مجھے بتایئے وہ کون ہے۔"

"کوئی لڑکی نہیں ہے۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"مجھے اطمینان ہے کہ وہ کوئی لڑکی نہیں ہے ورنہ آپ اس کا تذکرہ اتنی شدومد سے نہ کرتے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔



نیلم اپنے اس غار سے باہر آئی جسے وہ لائبریری کے نام سے موسوم کرتی تھی۔ باہر چٹانوں پر آسمان سیاہیاں بکھیر رہا تھا۔ وہ سیاہ پتلون، سیاہ جیکٹ اور سفید دستانوں میں تھی۔ غار سے نکل کر وہ اس غار کی طرف چلنے لگی جہاں سے اس نے پچھلی رات کیپٹن حمید کے لئے موٹر سائیکل نکالی تھی۔

کچھ دور چلنے کے بعد اچانک وہ ایک بہت ہی تیز قسم کی روشنی میں نہا گئی۔ اس کے چاروں طرف کچھ ایسی روشنی پھیلی ہوئی تھی جیسے سورج زمین پر اتر آیا ہو۔ بیساختہ اس نے اوپر کی طرف دیکھا اور اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

دوسرے ہی لمحے میں ایک سیاہ فام عفریت جس کے سر سے کرنیں سی پھوٹ رہی تھیں اس کے سامنے کھڑا تھا۔ نیلم کو سکتہ ہو گیا۔

"ڈرو نہیں لڑکی میں ڈاکٹر ہرمین کا فولادمی ہوں، وہی پیش کش جس کا وعدہ اس نے پچھلی رات کو کیا تھا۔ مگر تم اتنی رات گئے اس ویرانے میں کیا کر رہی ہو۔"

نیلم کچھ نہ بولی۔ وہ بار بار اسے نیچے سے اوپر تک دیکھ رہی تھی۔ لوہے کا ایک انسان نما ڈھانچہ جس کے سر سے چاروں طرف تیز قسم کی روشنی پھوٹ رہی تھی۔ سینے پر چار چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں سی تھیں جن میں چار مختلف رنگوں کے چھوٹے چھوٹے بلب کبھی روشن ہو جاتے تھے اور کبھی بجھ جاتے تھے۔ اس نے محسوس کیا کہ ان کے جلنے اور بجھنے کا وقفہ غیر متعین نہیں ہوتا بلکہ وہ دو قسم کی آوازیں جو یکے بعد دیگرے مسلسل پیدا ہوتی ہیں انہیں کے ساتھ ہی وہ جلتے اور بجھتے ہیں۔

"ٹرن.... ٹچ.... ٹرن.... ٹچ.... ان آوازوں کے ساتھ ایک مسلسل آواز بھی تھی۔ ایسی آواز جو کسی پٹرومیکس لیمپ سے خارج ہوتی رہتی ہے۔"

"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا لڑکی۔" فولادمی نے کہا۔

دفعتاً نیلم قہقہہ مار کر ہنس پڑی اور ہنستی ہی رہی۔

"لڑکی میں بے حد خوش ہوں کہ تم مجھ سے خوفزدہ نہیں ہو۔" فولادمی پھر بولا۔

"کرنل فریدی.... میں نے تمہیں پہچان لیا۔" نیلم نے انگلی اٹھا کر کہا۔ "تم بہت عظیم ہو۔ تم سب کچھ کر سکتے ہو۔ خدا کی پناہ۔ کل تم کس طرح بچ گئے تھے کیا تم پُر اسرار قوتوں کے مالک نہیں ہو۔ تم آسمان سے بھی اتر سکتے ہو۔ میں نے تمہاری حیرت انگیز داستانیں سنی ہیں۔ میں تمہیں دیکھنا چاہتی ہوں کرنل، براہِ کرم یہ لوہے کا نقاب اپنے چہرے سے الگ کر دو۔"

اس کی آواز بہت مدہم تھی، وہ کہتی رہی۔ "کیا کیپٹن نے تمہیں نہیں بتایا کہ میں ان لوگوں سے کتنی نفرت کرتی ہوں.... کیا میں نے ہی.... یہ نہیں بتایا تھا۔"

"لڑکی.... لڑکی....!" فولادمی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "شاید تم کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو....

آؤ.... اور قریب آؤ.... مجھے اچھی طرح دیکھ لو تم شاید یہ سمجھتی ہو کہ میں کوئی آہن پوش آدمی ہوں۔ ڈرو نہیں.... آؤ.... قریب آؤ۔"

"میں ڈر کے ہجے نہیں جانتی۔" نیلم نے ہنس کر کہا۔

"اچھا تو آؤ.... مجھے دیکھو.... یہ شرف صرف تمہیں بخشا جا رہا ہے کہ تم مجھے قریب سے دیکھ سکو۔ شائد تمہارے علاوہ اور کوئی اتنا خوش قسمت نہ ثابت ہو سکے۔"

"مجھے کیوں یہ شرف بخشا جا رہا ہے؟"

"کیونکہ تم مجھ سے خائف نہیں ہو۔ ورنہ میں تو ابھی ایک ویران شہر دیکھ کر آ رہا ہوں، کتنی مضحکہ خیز بات ہے لوگ مجھے دیکھ کر اتنے بدحواس ہوئے کہ سر پیر کا ہوش نہ رہا۔ حالانکہ میں ایک آدمی کی ہی تخلیق ہوں۔"

نیلم نے پتلون کی جیبوں سے دونوں ہاتھ نکالے اور اس کی طرف بڑھ گئی۔ "بہت خوب" فولادمی نے کہا۔ "تم سچ مچ ایک نڈر لڑکی ہو۔"

وہ بے حس و حرکت کھڑا رہا اور نیلم ہر ہر زاویے سے اس کا جائزہ لیتی رہی، اندھیری رات سکوت کے اتھاہ سمندر میں تیرتی چلی جا رہی تھی۔

"اوہ....!" وہ کچھ دیر بعد ایک طویل سانس لے کر بولی۔ "سچ مچ آدمی نہیں ہو۔"

"میں فولادمی ہوں۔"

"فولادمی کسے کہتے ہیں۔"

"مجھے....!" فولادمی نے ہلکے سے قہقہے کے ساتھ کہا۔ پھر بولا۔ "آج سے ہم تم گہرے دوست ہیں کیوں؟"

"اوہو.... تم دوستی بھی کر سکتے ہو۔"

"میں.... ہاں.... میں دوستی بھی کر سکتا ہوں، تمہارے متعلق سوچ بھی سکتا ہوں۔ ارے تم اس طرح مسکرا کیوں رہی ہو۔"

"فولادمی.... تم نے یقیناً شہر میں ہراس پھیلایا ہوگا؟ آخر تمہارا مقصد کیا ہے۔ تم کس لئے بنائے گئے ہو۔ ہرمین تم سے کیا کام لینا چاہتا ہے۔"

"فی الحال وہ یہ بتانا چاہتا ہے کہ وہ کتنا عظیم سائنسدان ہے۔"

"پھر....!"

"پھر کچھ بھی نہیں۔ پھر وہ صرف خدمت کرنا چاہتا ہے۔"

"تم کس طرح خدمت کر سکو گے۔"

"مثلاً....اگر کوئی بھولی بھالی لڑکی راستہ بھٹک گئی ہے اور اندھیرے میں ٹھوکریں کھاتی پھر رہی ہے تو میں اسے اس کے گھر پہنچادوں گا۔"

"تب تو تم بہت اچھے ہو۔ کیا تم کل صبح میرے ساتھ ناشتہ کر سکو گے۔ یہ رہا میرا وزیٹنگ کارڈ۔" اس نے جیب سے ایک کارڈ نکال کر فولادی کی طرف بڑھادیا۔

"شکریہ۔" اس نے نیلم کے ہاتھ سے کارڈ لیتے ہوئے کہا۔ "مگر مجھے افسوس ہے کہ میں آدمیوں کی طرح ناشتہ نہیں کر سکتا کیونکہ معدہ نہیں رکھتا۔"

"اس کے علاوہ اور سب کچھ آدمیوں کی طرح کر سکتے ہو۔"

"یقیناً....!"

"نہیں! تم میرا وزیٹنگ کارڈ بھی نہ پڑھ سکو گے۔"

"اوہ....!" اس نے ہلکے سے قہقہے کے ساتھ کہا۔ "نیلم.... تیرہ مال روڈ، ٹیکم گڑھ۔"

"کمال ہے....!" نیلم سر ہلا کر بولی۔ "واقعی ڈاکٹر ہرمین عظیم ترین سائنسدان ہے۔ لیکن فولادی۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ حکومت بھی تمہارا وجود برداشت کر لے۔"

"مجھ سے غیر قانونی حرکت نہیں سرزد ہوگی۔"

"میرا خیال ہے کہ حکومت یہاں ڈاکٹر ہرمین کی موجودگی ہی نہیں پسند کرتی۔"

"ہاں تمہارا خیال درست ہے۔"

"تب پھر مجھے خدشہ ہے کہ تم توڑ پھوڑ ڈالے جاؤ گے۔"

فولادی اس انداز میں ہنسا جیسے اُسے کسی ننھے سے بچے کی بات پر بیساختہ ہنسی آ گئی ہو۔

"میں اپنی حفاظت بخوبی کر سکتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"اگر تم پر گولے برسائے جائیں۔"

"مجھ سے تین فٹ کے فاصلے پر ہی وہ پلٹ جائیں گے۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"سمجھنا چاہتی ہو۔"

"یقیناً....میں ہر نئی چیز کو سمجھنا چاہتی ہوں۔"

"اچھا تو ایک پتھر اٹھا کر میری طرف پھینکو لیکن اُسے اتنی اونچائی پر پھینکنا کہ پھینکنے کے بعد زمین پر بیٹھ جاؤ، تو اس کی واپسی تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔"

"کیا میں سچ مچ ایسا ہی کروں۔"

"ہاں بھئی.... میں اجازت دیتا ہوں۔"

نیلم نے جھک کر ایک بڑا سا پتھر اٹھایا۔

"ٹھہرو.... یوں نہیں۔ مجھ سے کم از کم دس گز دور ہٹ جاؤ، ورنہ پتھر کی واپسی سے پہلے بیٹھ نہ سکو گی، بلکہ میرا خیال ہے کہ بیٹھ کر پھینکو، جتنی اونچائی پر وہ مجھ سے تین فٹ کے فاصلے پر آئے گا اتنی ہی اونچائی سے اس کی واپسی بھی ہو گی۔"

نیلم پیچھے ہٹی اور یک بیک فولادی آگ کا مجسمہ بن گیا بلکہ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی زمین دوز اسٹوو کی لپٹیں بلند ہو گئی ہوں جتنا فولادی کا قد تھا۔

نیلم نے پوری قوت سے وہ پتھر اس پر کھینچ مارا لیکن دوسرے ہی لمحے میں فولادی کے قول کی تصدیق ہو گئی، پتھر اس سے تین فٹ کے فاصلے پر ہی پلٹ کر دور جا گرا اور یہ حقیقت تھی کہ اگر وہ بیٹھی ہوئی نہ ہوتی تو وہ پلٹتا ہوا پتھر خود اسی کا سر پاش پاش کر دیتا۔

فولادی پھر اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔

"تم نے دیکھا نیلم....!" اس نے ہنس کر کہا۔

"ہاں.... واقعی.... تم۔"

"سینکڑوں توپوں کے دہانے بھی اگر مجھ سے پر کھول دیئے جائیں تب بھی میرا کچھ نہیں بگڑے گا۔ میرا کام محض خدمت خلق ہے۔ لیکن مجھ میں تخریبی قوتیں بھی موجود ہیں۔"

"فولادی اگر کبھی تم غلط راستوں پر نکل گئے تو کیا ہو گا۔"

"بڑی تباہی پھیلے گی۔ لیکن میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ کبھی میرے قدم غلط راستوں کی طرف بھی اٹھیں گے۔ اگر مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش بھی کی گئی تو میں صرف اپنا دفاع کروں گا۔ جوابی کاروائی مجھ سے نہیں ہو سکے گی۔ مگر تم یہاں اس ویرانے میں اتنی رات گئے نظر

آرہی ہو۔"

"میں.... مجھے ویرانے بہت پسند ہیں۔ آج ہی ادھر نکل آئی تھی۔ اب واپس جارہی ہوں۔"

"اچھا.... میں کسی دن تمہارے گھر آؤں گا۔ شب بخیر۔"

پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ فضا میں بلند ہوگیا۔

وہ بوڑھا

نیلم جیسے ہی اس عمارت میں داخل ہوئی نہ جانے کیوں اس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ اُسے خود بھی اس پر حیرت ہوئی کیونکہ وہ اسی عمارت میں رہتی تھی۔ یہ عمارت دراصل اسمگلروں کی ان کوٹھیوں میں سے ایک تھی جن میں اسمگل کیا ہوا یا کیا جانے والا مال رکھا جاتا تھا، لیکن پاس پڑوس والے بھی یہی سمجھتے تھے کہ نیلم کوئی رئیس زادی ہے اور وہ اتنی بڑی کوٹھی میں تنہا رہتی ہے عام آدمی کیا سمجھ پاتے کہ وہاں نظر آنے والی نوکروں کی فوج کا ہر آدمی اگر کوئی بڑا نہیں تو معمولی ہی قسم کا سانپ ضرور ہے۔

نیلم ان ملازمین کے درمیان شہزادیوں کی سی شان سے رہتی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ ان خانزادوں میں سے اکثر اُسے اپنا لینے کے خواب بھی دیکھتے رہے ہوں۔

وہ سب خطرناک آدمی تھے۔ جب مسکین صورت خانہ زاد اسمگلنگ کی کسی مہم پر روانہ ہوتے تو ان میں سے ہر ایک بھوکا بھیڑیا نظر آتا تھا، اکثر وہ ایسے مواقع پر آپس ہی میں لڑ جاتے اور دوسرے دن کہیں نہ کہیں ایک آدھ لاش ضرور ملتی۔ وہ ایسے ہی خطرناک اور وحشی تھے۔

لیکن نیلم ان سے ذرہ برابر بھی خائف نہیں تھی وہ ان پر اسی طرح حکم چلاتی تھی جیسے وہ سچ مچ اس کے غلام ہوں۔ یہ سب کچھ وہ اسی بوڑھے کی تقویت پر کرتی تھی جس کا تذکرہ اس نے کیپٹن حمید سے بھی کیا تھا۔ یہ بوڑھا بھی اکثر انہیں ملازمین کی بھیڑ میں نظر آتا اور پڑوسی اُسے بھی کوئی نوکر ہی تصور کرتے۔ نیلم نے اُسے کبھی اچھے لباس میں نہیں دیکھا تھا۔ لیکن وہ دوسروں پر اپنی برتری ضرور قائم رکھتا تھا۔ اس کے ساتھی اُس سے منفرد بھی رہتے۔ نیلم نے یہی محسوس کیا تھا لیکن اس نے ابھی تک کسی کو بھی کھلم کھلا نفرت کا اظہار کرتے نہیں دیکھا تھا۔

وہ راہداری سے گذر کر بڑے کمرے میں داخل ہوئی لیکن یہاں اندھیرا تھا اور اسی اندھیرے نے اس کے رونگٹے کھڑے کردیئے تھے۔

وہ اس کمرے میں روشنی کئے بغیر آگے بڑھ گئی۔ دوسری راہداری بھی تاریک ہی ملی تھی۔ کیا عمارت اس وقت بالکل خالی ہی ہے اگر ایسا تھا تو یہ بات اس کے لئے قطعی غیر متوقع تھی کیونکہ اس سے پہلے کبھی عمارت خالی نہیں چھوڑی گئی تھی۔ اگر عمارت خالی ہی تھی تو صدر دروازہ کھلا کیوں رہنے دیا گیا تھا۔ وہ آگے بڑھتی رہی۔ آخر ایک کھڑکی میں اُسے روشنی نظر آئی۔

اب وہ پنجوں کے بل چلنے لگی تھی کیونکہ حالات معمول کے مطابق نہیں تھے۔ کھڑکی کے قریب پہنچ کر وہ رک گئی چونکہ اس کی پشت پر اندھیرا تھا۔ اس لئے وہ کھڑکی کے قریب رہ کر بھی اس کمرے کا جائزہ لے سکتی تھی، وہ سوچنے لگی کیا یہ کوئی ایسی پرائیویٹ میٹنگ ہے جس میں اس کی شمولیت غیر ضروری تھی۔ اس نے دیکھا کہ ان لوگوں میں وہ بوڑھا بھی موجود ہے جسے وہ بابا کہتی تھی! اُسے ان لوگوں کے علاوہ جو اس عمارت میں رہتے تھے کچھ نئے چہرے بھی نظر آئے۔ بوڑھا غصے میں بھرا ہوا معلوم ہورہا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا ہوا تھا۔ دفعتاً وہ گونجیلی آواز میں بولا۔ "تم لوگ خود ہی نالائق ہو.... نیلم کو الزام نہ دو۔"

"تم حد سے بڑھ جاتے ہو، بڑے میاں۔" ایک تیکھے نوجوان نے غصیلی آواز میں کہا۔ "کیا تم ہم پر حاکم ہو۔ اپنے الفاظ واپس لو، ورنہ میں آج تم سے نپٹ ہی لوں گا۔"

بوڑھا اُسے قہر آلود نظروں سے گھورنے لگا لیکن کچھ نہ بولا۔ ادھر نیلم کا ہاتھ پتلون کی جیب میں رینگ گیا اور اس میں پڑے ہوئے اعشاریہ دو پانچ کے پستول پر اس کی گرفت مضبوط ہوگئی۔

اس نے آج سے پہلے کبھی بوڑھے کو اتنے غصے میں نہیں دیکھا تھا۔

"میں اپنے الفاظ واپس نہیں لوں گا۔" بوڑھا اٹھتا ہوا بولا اور پھر اس نوجوان کی طرف انگلی اٹھا کر بولا۔ "خصوصیت سے تم بڑے نالائق ہو گدھے ہو۔"

نوجوان نے اپنی جگہ سے جست لگائی اور کمرے کے وسط میں پہنچ گیا۔ بوڑھا جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔

"میں تمہیں اس بدتمیزی کی سزا ضرور دوں گا۔" وہ اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

نیلم کی عقل رخصت ہوگئی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ان میں سے کوئی بوڑھے سے

اس طرح پیش آئے گا کیونکہ وہ ان پر بوڑھے کی برتری محسوس کرنے کی عادی ہو چکی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازے پر ٹھوکر ماری اور دونوں پھٹ کھل گئے۔ اب اس کا ریوالور اس کے داہنے ہاتھ میں تھا اور اس کی نالی اس گستاخ نوجوان کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔

"ٹھہرو گندے کیڑے.....!" وہ غرائی۔ "تم میں اتنی جرأت کہ تم بابا کی شان میں گستاخی کر سکو۔ پیچھے ہٹو، ورنہ گولی مار دوں گی۔"

کمرے کی فضا پر بوجھل سی خاموشی مسلط ہو گئی۔ نوجوان کے قدم رک گئے تھے اور وہ مڑ کر نیلم کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

"کتے.....!" وہ دانت پیس کر بولی۔ کچھ اور کہنا چاہتی تھی کہ بوڑھے نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"نیلم اسے جیب میں رکھ لو اور یہاں سے چلی جاؤ۔"

"کیا تم اس بدتمیز کو برداشت کر لو گے بابا۔"

"نہیں..... لیکن تم اپنے کمرے میں جاؤ۔" بوڑھے کا لہجہ بے حد سرد تھا۔

نیلم نے ایک جھرجھری سی لی اور پستول جیب میں ڈال لیا۔ بوڑھے نے کبھی اتنے سرد لہجے میں اُس سے گفتگو نہیں کی تھی، وہ چپ چاپ دروازے کی طرف مڑی اور باہر آ کر بہ آہستگی دروازہ بند کر دیا۔ مگر یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ کھڑکی سے بھی نہ جھانکتی۔

ایک بار وہ پھر پہلے ہی کی طرح کھڑکی کے شیشوں سے کمرے کے اندر کا جائزہ لے رہی تھی۔ بات بڑھ گئی تھی۔ اس نے سوچا ممکن ہے بوڑھے کو اس کی مدد کی ضرورت ہو کیونکہ وہ سبھی اُس سے نفرت کرتے تھے۔

"ہاں آؤ..... مجھے میری بدتمیزی کی سزا دو۔ اگر تم مجھے سزا دے سکے تو میں تمہاری سربراہی سے دستبردار ہو جاؤں گا۔" بوڑھے نے کہا۔

"تم ہمارے سربراہ کب ہو۔" نوجوان نے زہریلے لہجے میں پوچھا۔ "ہمارا سربراہ وہ ہے جس سے ہمیں احکامات ملتے ہیں۔"

"تمہارا سربراہ درجن ہے۔" بوڑھا نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "لیکن اُسے گھٹنوں کے بل چلنا میں نے ہی سکھایا تھا اور تم..... کیا تمہیں اس سے انکار ہو سکتا ہے کہ میری ہی عقل تمہاری بھی رہنمائی کرتی ہے۔"

"تم خاموش رہو میں کسی کی بھی چودھراہٹ نہیں برداشت نہیں کر سکتا۔"

دفعتاً بوڑھا آگے بڑھا اور قبل اس کے کہ نوجوان کا ہاتھ اُس پر اٹھتا کمرہ "چٹاخ" کی آواز سے گونج اٹھا۔ نوجوان لڑکھڑاتا ہوا اپنے ساتھیوں پر جا پڑا۔ بوڑھے کا تھپڑ اُس کے بائیں گال پر پڑا تھا۔

وہ خود سے نہ سنبھل سکا۔ دو آدمیوں نے سہارا دے کر اُسے کھڑا کرنا چاہا لیکن اس کا جسم گندھے ہوئے آٹے کے رول کی طرح دہرا ہو گیا۔ وہ اس طرح آنکھیں پھاڑ رہا تھا جیسے اس کے چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہو۔ اس کی بائیں آنکھ گوشت کا لوتھڑا معلوم ہونے لگی تھی۔ خون میں ڈوبا ہوا گوشت کا لوتھڑا۔

آخر اسے زمین پر ڈال دیا گیا۔

بوڑھا اپنی کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔ "ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہمارا کیس کرنل فریدی سے لے لیا گیا ہے۔ غالباً وہ کسی اور کو سونپ دیا جائے گا لہٰذا اب فی الحال تم لوگ ان دونوں کا پیچھا چھوڑ دو۔ تم دیکھ چکے ہو کہ وہ کتنے چالاک ہیں۔ اگر ہم ان سے بھڑے بغیر اپنا کام کرتے ہیں تو بہتر ہے، ویسے میرا دعویٰ ہے کہ کرنل فریدی ٹیکم گڈھ سے اس وقت تک واپس نہیں جا سکتا جب تک کہ ہرمین کا سراغ نہ پا لے اور سبھی جانتے ہیں کہ ہرمین تک پہنچ جانا آسان کام نہ ہوگا۔ اس لئے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم بڑی آسانی سے اس پر ہاتھ صاف کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس کا وجود ہمارے لئے خطرناک ہے۔ وہ ضد پر آ جاتا ہے تو سب کچھ کر گزرتا ہے، دنیا کی کوئی طاقت اس کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتی۔"

"اوہ..... اس کی ناک سے خون بہہ رہا ہے۔" کسی نے کہا۔

"میں نے ابھی اپنی بات ختم نہیں کی۔" بوڑھا غرایا۔

"جہنم میں گئی تمہاری بات۔" ایک آدمی اپنی جگہ سے اٹھ کر فرش پر پڑے ہوئے آدمی کی طرف جھپٹتا ہوا بولا۔ پھر یک بیک پاگلوں کی طرح چیخ اٹھا۔

"ارے..... یہ دم توڑ رہا ہے۔"

"شٹ اپ.....!" بوڑھا آپے سے باہر ہو گیا۔ "اپنی جگہ پر واپس جاؤ۔"

"وہ سچ مچ مر رہا ہے۔"

"مرنے دو میں اسلئے تھپڑ نہیں مارتا کہ مار کھانے والا تھوڑی دیر بعد مجھ سے معافی مانگ لے۔"

نیلم لرز گئی۔ اس کی سانس تیزی سے چلنے لگی تھی، اس نے بوڑھے کو کبھی اس رنگ میں نہیں دیکھا تھا۔

"چلو.... بیٹھو اور اگر تم بھی اس کا ساتھ دینا چاہتے ہو تو میں تمہاری یہ خواہش پوری کر سکتا ہوں۔"

"یہ نہیں برداشت کیا جا سکتا۔" سب نے بیک وقت کہا۔

"پھر.... تم میرا کیا کرو گے۔"

"یہ مر گیا ہے۔" کئی آدمی بیک وقت چیخے۔

"میں کب کہتا ہوں کہ نہیں مرا۔ میرا تھپڑ ایسا ہی ہوتا ہے گردن کی ہڈی ٹوٹ جاتی ہے۔ چلو بیٹھو اپنی جگہوں پر اگر اس بغاوت اور دیدہ دلیری کی خبر درجن کو ہو گئی تو وہ ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑے گا۔ میں اس کے مقابلے میں زیادہ رحم دل ہوں۔"

نیلم نے دیکھا کہ وہ سب خاموشی سے اپنی اپنی جگہ پر واپس چلے گئے، اور نوجوان کی لاش وہیں پڑی رہی، مرنے سے پہلے اُسے خون کی بڑی سی قے ہوئی تھی۔



"فولادی" فریدی نے کہا اور ٹہلتے ٹہلتے رک گیا۔ "ایک حیرت انگیز ایجاد ہے۔ لیکن اسے صحیح تسلیم نہیں کیا جا سکتا ہے کہ ہر مین کے ارادے نیک ہی ہوں گے۔"

"میں بڑا گدھا ہوں کہ میں نے ہی اُسے اب تک نہیں دیکھا۔" حمید بولا۔

"میں لڑ جاؤں سالے سے کشتی۔" قاسم نے سوال کیا۔

"ٹانگیں چیر کر پھینک دے گا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "ایسی حماقت بھی نہ کرنا۔"

"میں کیا اس سے کمزور ہوں۔"

"ابے وہ لوہے کا ہے.... ہاتھی کے ہم زلف....!" حمید نے خواہ مخواہ دانت پیس کر کہا۔

"تم خود ہاتھی کے ہم جفل.... حلف.... فلج.... ہو گا کچھ اس کی ایسی کی تیسی۔ دیکھئے کرنل صاحب منع کر لیجئے۔"

"قاسم....!" تم اس کے ساتھ آئے کیوں تھے۔

"ارے الاقسم.... میں بالکل الگ آیا تھا۔ بس یہاں ملاقات.... قات.... ہو گئی۔"

"لیکن کیا یہ ضروری تھا کہ تم بھی نشاط ہی میں ٹھہرتے۔"

"میں ہمیشہ یہیں ٹھہرتا ہوں.... قرنل.... کرنل صاحب۔"

"میں صرف اتنا ہی چاہتا ہوں کہ تم ہم لوگوں سے دور ہی دور رہو ورنہ ہو سکتا ہے کہ بعض لوگ تمہیں بھی ہم ہی سے متعلق سمجھ کر کوئی نقصان پہنچا دیں۔"

"مجھے کیا نقصان پہنچائیں گے میں صاف صاف کہہ دوں گا کہ میرا ان لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"بے شرم کہیں کے۔" حمید غرایا۔ "تم یہ کیسے کہہ سکو گے۔"

"بے شرم کیوں.... ارے واہ۔" قاسم ہاتھ نچا کر عورتوں کے سے انداز میں بولا۔ "کیا میں تمہاری جورو ہوں۔"

"شاید تم اس وقت تنہائی چاہتے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"جی ہاں۔" قاسم نے کچھ سمجھے بوجھے بغیر جواب دیا۔

"تم اپنے کمرے میں جاؤ۔"

"تب.... بات.... یہ ہے۔"

"کوئی بات نہیں ہے۔ تم اپنے کمرے میں جاؤ۔"

"بہت اچھا۔" قاسم ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھا اور غصیلے انداز میں چلتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

کچھ دیر بعد تک خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔ "پچھلی رات میں نے فولادی کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔ لوگوں کا یہ خیال غلط ہے کہ وہ کوئی آہن پوش آدمی ہے۔"

"پھر وہ کیسے دیکھتا.... بولتا اور سنتا ہے۔"

"پہلے تم اسے کم از کم ایک بار دیکھ لو پھر میں تمہیں سمجھانے کی کوشش کروں گا۔"

دفعتاً حمید کی نظر دروازے کی طرف اٹھ گئی، ادھر فریدی کی پشت تھی۔ لہٰذا وہ قاسم کو نہ دیکھ سکا جو راہداری میں کھڑا حمید کو گھونسہ دکھا رہا تھا۔

حمید کو بیساختہ ہنسی آ گئی کیونکہ قاسم گھونسہ دکھانے کے ساتھ ہی طرح طرح کے منہ بنا کر آہستہ آہستہ کچھ بڑبڑاتا بھی جا رہا تھا۔

حمید کو ہنستے دیکھ کر فریدی بھی مڑا۔ قاسم بوکھلا گیا اور اسی بوکھلاہٹ میں گھونسہ اٹھارہ گیا، آنکھیں بند ہو گئیں اور زبان نکل پڑی۔

"یہ کیا ہو گیا ہے اسے۔" فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کچھ نہیں اس کی شامت آنے والی ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ آج رات کو اسے پلا کر کسی نائٹ کلب میں چھوڑ آؤں، پھر دوسرے دن صبح آپ وہاں جا کر اس کی لاش کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔"

دوسرے ہی لمحے میں قاسم دھڑ دھڑاتا ہوا اندر چلا گیا۔

"تم غارت ہو جاؤ گے۔" وہ حمید کی طرف انگلی اٹھا کر دھاڑا۔ "اللہ نے چاہا تو کیڑے پڑیں گے، دھواں اٹھے گا تمہاری قبر سے۔"

"کیا لغویت پھیلائی ہے۔" فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"آپ نہ بولئے وہ سالی مجھ کو کہتی ہے.... ہیلو ماموں جان.... ہیلو ماموں جان۔"

"کیا بک رہے ہو۔" فریدی بگڑ گیا۔

"اپنی کسی بھانجی کو سالی کہہ رہا ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم خود.... بھانجی.. اغ.... اُلو.... کی بھانجی.... سس.... مرو.... اچھا.... نکلنا باہر۔" قاسم آپے سے باہر ہو رہا تھا۔ عقل کھوپڑی کے اوپر لہرا رہی تھی، جو کچھ وہ کہنا چاہتا تھا غصے کی زیادتی کی وجہ سے نہ کہہ سکا اور حمید کو گھونسہ دکھاتا ہوا باہر چلا گیا۔

"بھئی میں تم سے عاجز آ گیا ہوں۔" فریدی ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "تمہارے ملنے والے بھی میرے لئے وبال جان بن جاتے ہیں۔ آخر یہ کیا بک رہا ہے۔"

"ارے.... وہ کچھ نہیں تھا۔" حمید ہنس پڑا۔ پھر بولا "پچھلی رات ایک یوریشین لڑکی سے اس کا تعارف کرایا تھا۔ نام ماموں جان بتایا۔ اس وقت یہ اُلو کا پٹھا ہی ہی کر رہا تھا۔"

"میں سب سن رہا ہوں۔" راہداری سے آواز آئی اور پھر قاسم سامنے آ کر بولا۔ "تم خود اُلو کے پٹھے۔ تمہاری سات پشتیں اُلو کی پٹھیاں۔ اب تم باہر نکلو تمہاری چٹنی نہ بنائی تو کچھ نہ کیا۔"

فریدی ہنسنے لگا۔ حمید تو پہلے ہی سے ہنس رہا تھا۔

قاسم بڑبڑاتا ہوا چلا گیا، اس بار حمید بھی اٹھا۔

"بیٹھو.... بہت زیادہ بچپنا بھی گراں گزرنے لگتا ہے۔"

"میں کہیں جا نہیں رہا ہوں۔ ذرا دیکھوں وہ ہے یا چلا گیا ہے۔"

حمید دروازے تک گیا اور راہداری میں جھانک کر پھر واپس آ گیا۔

"چلا گیا۔"

"ختم کرو۔" فریدی بیزاری سے بولا۔

کچھ دیر تک دونوں ہی خاموش بیٹھے رہے پھر فریدی بولا۔

"ہرمین کا مسئلہ اب کچھ وقت طلب ہو گیا ہے۔"

"کیوں....؟"

"پہلے جس ریسیونگ سیٹ پر ہم اس کی آواز سنتے تھے اس کا انٹینا شمال کی طرف اشارہ کرتا تھا اور تم یہ جانتے ہی ہو کہ ٹیکم گڈھ ہمارے یہاں سے شمال کی طرف پڑتا ہے۔ بہر حال جب میں نے اس کا وہ اعلان سنا کہ وہ ٹیکم گڈھ والوں کے لئے اپنی کوئی ایجاد پیش کرنے والا ہے تو میں نے ان ماہرین کو ٹیکم گڈھ طلب کیا تھا جو اس کیس میں میرے ساتھ کام کر رہے تھے، یہاں وہ اس کی نشر گاہ کی سمت معلوم کر لیتے مگر اب اس نے دوسرا طریقہ اختیار کر لیا ہے۔ اب اس طرح اس کے پیغامات نہیں سنے جا سکیں گے جس طرح پہلے سنے جاتے تھے، لہٰذا اب میں نہیں کہہ سکتا کہ ماہرین نشر گاہ کی سمت معلوم کر سکیں گے یا نہیں۔"

"مجھے آج ہی معلوم ہوا ہے کہ آپ کے ساتھ کچھ ماہرین بھی کام کر رہے تھے۔"

"بھلا اس کے بغیر کیسے کام چلتا۔"

"بہر حال اب پھر کیا ہو گا۔ اب تو آپ سٹیتھو سکوپ کے بغیر اس کی آواز نہ سن سکیں گے۔"

"یہی تو مشکل ہے۔"

"لیکن کیوں نہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے، اس کا وعدہ ہے کہ وہ کوئی غیر قانونی حرکت نہیں کرے گا۔ اب تو وہ ہماری نشریات میں بھی دخل انداز نہیں ہو گا۔"

"لیکن وہ جو کچھ بھی کہہ رہا ہے قطعی غیر قانونی ہے۔ حکومت کی اجازت حاصل کئے بغیر اس قسم کے کام نہیں کئے جا سکتے اور پھر وہ ہمارے لئے خطرہ بھی بن سکتا ہے۔"

"کچھ بھی ہو۔ فی الحال تو ہم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید نے پائپ کی راکھ ایش ٹرے میں جھاڑ کر دوبارہ تمباکو بھری۔ تھوڑی دیر کچھ سوچتا رہا پھر پائپ سلگا کر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ اسمگلروں والا کیس اس طرح نہ چھوڑیئے۔"

"آرڈر.... آرڈر ہے۔ میں اس کے خلاف کیسے کر سکتا ہوں۔"

"میں سچ کہتا ہوں کہ اب سارا کام بڑی آسانی سے ہو سکتا ہے۔ وہ لڑکی نیلم ایک اچھی مددگار ثابت ہو گی۔"

"حمید صاحب! اگر وہ سارے اسمگلر پکڑ لئے گئے تب بھی میں اسے ایک ناکام ہی کیس سمجھوں گا۔"

"کیوں....؟"

"اس آدمی کے خلاف ثبوت مہیا کرنا بڑا مشکل کام ہو گا جس کی سرپرستی میں اسمگلنگ ہوتی ہے۔ شاید ان اسمگلروں کو بھی نہ معلوم ہو کہ وہ کون ہے۔"

"تو وہ اسی طرح ہمیشہ آزاد رہے گا۔"

"یہ بھی نہیں ہو سکتا۔ ہو سکتا ہے کبھی نہ کبھی میں اسے گرفت میں لے ہی لوں۔ لیکن فوری طور پر کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے بڑی محنت کرنی پڑے گی۔"

"تو وہ لڑکی.... کارآمد نہیں ثابت ہو سکے گی۔"

"اگر وہ لڑکی ہے تو تمہارے لئے ضرور کارآمد ثابت ہو گی۔" فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"آپ خواہ مخواہ بات کو ٹوئیسٹ کر رہے ہیں۔ میں سنجیدگی سے گفتگو کر رہا ہوں۔"

"میں بھی سنجیدہ ہوں۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

"میں کل ٹیکم گڈھ سے جا رہا ہوں۔"

"یہ ناممکن ہے کیونکہ اب تم ہرمین والے کیس کو اسسٹ کر رہے ہو۔"

"مجھے اس کے لئے تحریری حکم نامہ نہیں ملا۔"

"اچھی بات ہے تم اسی وقت دفع ہو جاؤ۔ میں تمہارے بجائے امر سنگھ سے کام لوں گا۔"

"ضرور....!" حمید کا موڈ بگڑ گیا اور وہ اٹھنے لگا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم کل گھاٹم پار کے میلے میں جانا چاہتے ہو۔ میں تمہیں کبھی اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔"

"آپ کا خیال بالکل درست ہے میں کل یقینی طور پر گھاٹم پار جاؤں گا۔"

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ان اسمگلروں نے تمہیں مار ڈالنے کا خیال ترک کر دیا ہو گا۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ لڑکی....!"

"لڑکی کی بات نہ کیجئے۔ میں صرف کیس کی حد تک اس میں دلچسپی لے رہا تھا۔"

"تم بہت شریف ہو۔" فریدی مسکرایا۔

"کاش کسی لڑکی کے والد نے بھی کبھی یہ سوچا ہوتا۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لی، کچھ دیر تک منہ بنائے رہا پھر بولا۔ "کبھی کبھی مجھے اپنی زندگی کی ویرانی کا بہت شدت سے احساس ہوتا ہے اور میرا دل چاہتا ہے کہ ساری دنیا کو ویران کر دوں۔"

"یہ بڑی اچھی علامت ہے اگر جنسی بھوک اس راستے پر لگ جائے تو آدمی کو ہٹلر اور نپولین بنا دیتی ہے۔ شاید اسی لئے تم آج کل اتنے بے جگر ہو رہے ہو۔"

حمید اٹھ کر باہر چلا آیا۔ وہ دراصل کوفت میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اسمگلروں کے کیس میں اس نے سر دھڑ کی بازی لگا دی تھی لیکن عین اس وقت جب کہ اُسے کامیابی کا یقین ہو گیا تھا اس کی توقعات پر اُوس پڑ گئی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس اسٹیج پر ایسے غیر متوقع حالات پیدا ہو جائیں گے۔ حمید کی یادداشت میں شاذ و نادر ہی اس کے پاس ایسے کیس آئے تھے جن میں اس نے حقیقتاً دلچسپی لی ہو یہ کیس بھی انہیں کی فہرست میں آ سکتا تھا۔ مگر اس کا انجام اس کے حوصلے پست کر دینے کے لئے کافی تھا۔ وہ ان لوگوں سے انتقام بھی تو نہ لے سکا جنہوں نے چار بار اس پر ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کی تھی۔

ویسے حمید کو فریدی سے توقع نہیں تھی کہ وہ ان لوگوں کا پیچھا چھوڑ دے گا کیونکہ اس سے پہلے بھی کئی کیسوں میں تفتیش کے دوران اعلیٰ حکام کی طرف سے رخنہ اندازی کی گئی تھی۔ لیکن وہ حقیقتاً ان کیسوں سے دست کش نہیں ہوا تھا اور پھر بعد کو حکام نے خود ہی اپنی غلطی تسلیم کر لی تھی، لیکن اس کیس میں خود فریدی ہی نے کاندھے ڈال دیئے تھے۔

اس دن پھر وہ فریدی سے نہیں ملا اور دوسری صبح وہ گھاٹم پار کے لئے روانہ ہو گیا، یہ مقام ٹیکم گڈھ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر تھا۔

لوگ جوق در جوق گھاٹم پار کی طرف جا رہے تھے۔ ان میں ٹورسٹ بھی تھے اور مقامی لوگ بھی۔

حمید نے اپنے چہرے میں کچھ زیادہ تبدیلی نہیں کی تھی صرف ایک عدد گھنی مونچھ کا اضافہ کیا تھا کہ قاسم سے محفوظ رہ سکے۔ قاسم آج کل ضرورت سے زیادہ خرد ماغ ثابت ہو رہا تھا۔ اسے علم تھا کہ قاسم بھی میلے کے لئے تیاریاں کر رہا تھا۔ چھوٹی چھوٹی ٹولیاں گھاٹم پار کی طرف چل پڑی

تھیں، مطلع صبح ہی سے ابر آلود تھا اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد ہلکی ہلکی پھواریں سی اڑنے لگتی تھی مقامی لوگ عموماً پیدل ہی نظر آ رہے تھے۔ ٹورسٹ خچروں اور ٹٹوؤں اور ڈانڈیوں پر سفر کر رہے تھے، یہاں سے گھاٹم پار تک کوئی باقاعدہ سڑک نہیں تھی اس لئے کاریں اور جیپیں وہاں تک نہ پہنچ سکتی تھیں۔

نشاط کے ٹورسٹ ایک ساتھ روانہ ہوئے تھے کیونکہ ان کے لئے ہوٹل ہی کی طرف سواریوں کا انتظام کیا گیا تھا۔ لیکن قاسم بیچارہ پیدل ہی چل رہا تھا۔ کیونکہ خچر یا ٹٹو اپنی نسل ابھی تک کوئی قاسم نہیں پیدا کر سکے تھے۔ وہ چل تو پڑا تھا مگر اس کی حالت قابل رحم تھی۔ معلوم ہوتا تھا جیسے کسی پہاڑی چوٹی سے ایک بہت بڑا پہیہ لڑھکا دیا گیا ہو۔

حمید اُس سے زیادہ دور نہیں تھا۔ ہنسی کے مارے اس کے پیٹ میں بل پڑے جا رہے تھے۔ دل چاہتا تھا کہ اپنی مصنوعی مونچھیں اکھاڑ پھینکے اور قاسم سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دے۔

لوگ اُسے دیکھ دیکھ کر ہنس رہے تھے اور قاسم نیچے سے اوپر تک چقندر ہو رہا تھا۔ اگر اس کا بس چلتا تو وہ ایک ایک کی ہڈیاں توڑ کر رکھ دیتا۔ ہنسنے والوں میں لڑکیاں پیش پیش تھیں اور ان میں وہ یوریشین لڑکی بھی تھی جو قاسم کو ماموں جان مخاطب کرتی تھی۔

ایک بار اس کا ٹٹو قاسم کے ساتھ چلنے لگا۔

"ہیلو ماموں جان....!" اُس نے اُسے مخاطب کیا۔

لیکن قاسم منہ پھلا کر دوسری طرف دیکھنے لگا، انداز روٹھ جانے کا سا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے قاسم متوقع ہو کہ وہ ٹٹو سے اتر کر اُسے منا لے گی۔

"ماموں جان.... اگر تم تھک گئے ہو تو برانڈی پیش کروں۔" لڑکی نے پھر کہا۔ "مگر ساتھی ہے کہاں، وہ تو تمہاری طرح غصیلا نہیں ہے۔"

"اس سالے کی ایسی کی تیسی۔" قاسم یک بیک اردو میں دہاڑا۔

"میں نہیں سمجھی کہ تم نے کیا کہا ہے۔" لڑکی نے کہا اور قاسم اس سالے کی ایسی کی تیسی کا انگریزی میں ترجمہ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ "سالے" کا ترجمہ "برادر ان لا" کیا لیکن "ایسی کی تیسی" میں ایسی گاڑی پھنسی کی قاسم کافی دیر تک ہکلاتا رہا۔

"پتہ نہیں تم کیا کہنا چاہتے ہو۔" لڑکی نے مایوسی سے کہا۔

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں۔" قاسم نے جھلا کر اردو میں کہا۔ "کہ خدا کرے تمہیں ٹی۔بی ہو جائے، جس نے تمہیں میرے پیچھے لگایا ہو اللہ کرے اس سالے کی زبان سڑ جائے، میرا باپ بھی سالا مجھے ماموں جان نہیں کہہ سکتا۔ خون پی جاؤں۔"

"پتہ نہیں تم کیا بک رہے ہو۔" لڑکی نے کہا اور اپنا ٹٹو آگے نکال لے گئی۔

پتھر کا شکار

ہزاروں قہقہے حمید کے حلق میں پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔ اس بے بسی کی وجہ یہ تھی کہ حمید خود کو قاسم سے بالکل ہی بے تعلق رکھنا چاہتا تھا۔

اچانک ایک جگہ نیلم دکھائی دی جو خاکی پتلون اور کتھئی جیکٹ میں ملبوس تھی۔ قاسم کو دیکھ کر وہ اپنے خچر سے اتر پڑی۔

"وہ تمہارا دوست کہاں ہے۔" اس نے چھوٹتے ہی قاسم سے سوال کیا اور قاسم کا موڈ پہلے سے بھی زیادہ خراب ہو گیا۔

"مر گیا....!" وہ غرایا۔

"کیا مطلب....!"

"میں نہیں جانتا مطلب وطلب....!" قاسم نے چڑچڑے پن کا مظاہرہ کیا۔

"میں کیپٹن حمید کے متعلق پوچھ رہی ہوں۔"

"کیا میں جیب میں لئے پھرتا ہوں اُسے... ہوگا کہیں۔ میں قیا.... کیا جانوں۔"

حمید اس وقت بھی انکے قریب ہی تھا اُسے تشویش ہو گئی کہ آخر وہ اسے کیوں پوچھ رہی ہے۔

"تم ہوش میں ہو یا نہیں، موٹے آدمی.... میں تمہیں پولیس کے حوالے کردوں گی۔ تم دونوں نے اس رات میرے ساتھ فراڈ کرنے کی کوشش کی تھی۔"

پولیس کے نام پر قاسم بغلیں جھانکنے لگا۔

"میں نے اس سے کہا تھا کہ مجھے میرے گھر پہنچا دے لیکن راستے میں اس کے آدمیوں نے ٹیکسی گھیر لی اور وہ خود ٹیکسی سے اتر گیا۔ پھر اگر ڈرائیور اپنے اوسان بجانہ رکھتا تو میں ڈوب ہی گئی ہوتی۔"

اب حمید نے غور کیا تو ان کے گرد اور بھی کئی آدمی نظر آئے جن میں ایک تو یقینی طور
پہچانا جاسکتا تھا۔ کیونکہ نائٹ کلب والے ہنگامے میں بھی وہ شریک تھا۔ حمید نے سوچا ممکن ہے اب اس نے ان لوگوں کو اپنی طرف سے مطمئن کر دینے کے لئے یہ جال بچھایا ہو۔ اس کی بے صلاحیتوں کا اندازہ اسے پہلے ہی ہو چکا تھا۔

قاسم اور نیلم میں تکرار ہوتی رہی، معلوم نہیں کیوں قاسم اس وقت حمید کا پارٹ لے رہا تھا۔

"اچھی بات ہے۔" نیلم آخر کار بولی۔ "میں تم لوگوں سے سمجھ لوں گی۔"

"اے.... میں کچھ نہیں جانتا۔" قاسم پاگلوں کی طرح اپنے ہاتھ ہلانے لگا۔ "وہ تمہیں میں ملے گا۔"

نیلم پھر خچر پر بیٹھ کر آگے بڑھ گئی۔ حمید نے بھی اپنا خچر آگے بڑھایا اور ان لوگوں کی سے نکل گیا، جو نشاط سے روانہ ہوئے تھے۔

قاسم پیچھے رہ گیا۔

"تم اُلو بنانے میں بہت تیز ہو۔" اُس کے ساتھیوں میں سے ایک کہہ رہا تھا۔

"کیوں میں نے کسے اُلو بنایا ہے۔"

"کیا وہ فولادی والی کہانی صحیح تھی۔"

"حرف بحرف....!" نیلم نے جواب دیا۔

"تم اس سے ڈری نہیں تھیں۔"

"میں ایک فولاد کے ڈھانچے سے ڈروں گی۔ کہیں تم بھنگ تو نہیں پی گئے۔"

"نہیں.... نہیں۔" دوسرا بولا۔ "تم تو ستم کی نواسی ہو۔"

"تم تو بات ہی نہ کیا کرو۔ ذرا ان کی شکل دیکھنا یہ بھی مردوں میں بول لیتے ہیں۔"

دوسرے ہنس پڑے اور وہ بُرا سا منہ بنا کر خاموش ہو گیا۔ پھر خود بھی ہنسنے لگا۔

نیلم نے گردن اکڑا کر کہا۔ "میں اس کی شاگرد ہوں جس کا ایک تھپڑ لوگوں کی گردن دیتا ہے۔"

"کیا تمہیں اس پر افسوس نہیں ہوا تھا نیلم....!" ایک نے کہا۔

"افسوس ہوا تھا مگر وہ بھی تو حد سے بڑھ گیا تھا۔ تم میں سے کون ایسا ہے جس پر ا

احسانات نہ ہوں۔"

"ہاں.... آں.... مگر اتنی سخت سزا۔ میں کہتا ہوں کہ اب تمہارے بابا کا ذہنی توازن بگڑنے لگا ہے اور عنقریب انہیں کوئی بہت بُرا دن دیکھنا پڑے گا۔"

"بُرے دن تو تم سبھوں کے لئے ہیں۔"

"ٹھیک ہے.... ہم ہر وقت قانون کی زد پر رہتے ہیں، لیکن اگر ہم میں سے کسی کا ہاتھ ان پر ٹھ گیا تو بعد میں ہمیں افسوس ہوگا۔ لہٰذا تم انہیں سمجھاؤ۔"

"یوں تو میں سبھوں کو سمجھاتی ہی رہتی ہوں۔"

"دیکھا۔" ایک آدمی چہک کر بولا۔ "اسے لکھ لو کہ یہ پولیس سے مل گئی ہے بوڑھے کو یقین ں نہیں آتا۔"

"فضول بکواس نہ کرو۔" اس آدمی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"کیا میں تمہیں اس بدتمیزی کا مزا چکھا دوں؟" نیلم نے آنکھیں نکال کر کہا۔

"دیکھو! تم میرے سر نہ چڑھنا میں نے آج تک کسی عورت کا احترام نہیں کیا۔ میری ماں ے اتنے بُرے الفاظ میں یاد کرتی تھی کہ خود اس کا کیرکٹر مشکوک ہو جاتا تھا۔" اس آدمی نے کہا۔

"میں الفاظ نہیں جوتے استعمال کرتی ہوں تمہاری ماں کے بازوؤں میں سکت نہ رہی ہوگی۔"

"بھئی نیلم خدا کے لئے یہاں راستے میں کوئی ہنگامہ نہ کھڑا کر دینا۔" دوسرے آدمی نے کہا۔ تم تو عقل استعمال کیا کرو۔"

"نہیں اسے ہنگامہ کرنے دو۔ میں بوڑھے سے ڈرتا ہوں نہ اسے کچھ سمجھتا ہوں۔"

"خاموش بھی رہو۔"

نیلم خاموش ہو گئی۔ وہ آدمی بھی چپ ہو گیا لیکن دونوں ہی ایک دوسرے کو خونخوار نظروں ے گھور رہے تھے۔ حمید کی سمجھ میں نہ آسکا کہ یہ لڑکی کس قسم کی ہے اور اپنے ساتھیوں میں اس پوزیشن کیا ہے۔

پہاڑیاں خچروں کے ٹاپوں سے گونجتی رہیں۔ کہیں کہیں بادل پھٹ گئے تھے، نیلے آسمان کی لمیاں بڑی دلکش معلوم ہو رہی تھیں۔

پہاڑی عورتوں کی ایک ٹولی گاتی ہوئی قریب سے گزر گئی۔ حمید نے اپنا خچر روک لیا تھا۔

وہ بھدی اور بے ہنگم عورتیں تھیں لیکن وہ اس وقت فطرت سے اتنی ہم آہنگ نظر آرہی تھیں کہ حمید انہیں دیکھتا ہی رہ گیا۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ صدہا سال پرانی دنیا میں سانس لے رہا ہو، وہ بھول جانا چاہتا تھا کہ بیسویں صدی کا آدمی ہے، کتنا سکون تھا ان پہاڑی عورتوں کے چہرے پر، کتنی زندگی تھی ان کی آوازوں میں.... ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اساطیری چشمہ حیوان کا پانی پی کر امر ہو گئی ہوں۔

حمید کافی دیر تک وہیں کھڑا لوگوں کو گزرتے دیکھتا رہا۔ پھر جب قاسم لڑھکتا ہوا قریب آیا تو وہ بھی خچر سے اتر پڑا اور دفعتاً اسے ایک نئی شرارت سوجھی، اس نے ہاتھ اٹھا کر بڑے ادب سے قاسم کو سلام کیا۔

"والے کم سلام۔" قاسم نے گڑبڑا کر جواب دیا اور خواہ مخواہ دانت نکال دیئے۔

حمید نے اپنی آواز بدل کر کہا۔ "آپ بڑے خوش نصیب ہیں جناب۔"

"قیوں....!" قاسم چلتے چلتے رک گیا۔

"وہ پتلون والی لڑکی جو ابھی آپ سے جھگڑا کر رہی تھی نا....!"

"ہاں ہاں....!" قاسم نے بھاڑ سا منہ کھول کر سر ہلا دیا۔

"وہ آپ کے متعلق بڑی اچھی رائے رکھتی ہے، چلتے رہیئے میں بھی اب پیدل چلوں گا۔"

"جرور.... ضرور.... جی ہاں.... مم.... مگر اچھی رائے۔ ہی ہی، ہپ...." یک بیک قاسم نے "ہی ہی" میں بریک لگا دیا۔

"وہ ابھی اپنے ساتھیوں سے کہہ رہی تھی کہ آپ اُسے بہت اچھے لگتے ہیں۔"

"نائیں....!" قاسم کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور وہ چلتے چلتے رک گیا۔

"ہاں جناب.... مجھے آپ کی قسمت پر رشک آتا ہے اور میں سوچ رہا ہوں کاش میں آپ ہی کی طرح لحیم شحیم ہوتا۔"

"ارے.... نہیں.... میں.... کیا.... ہی ہی ہی۔"

"نہیں جناب۔ وہ کہہ رہی تھی کہ میرا دل چاہتا ہے کہ ہر وقت اس دیوزاد کو دیکھتی رہوں۔"

"الا قسم....!" قاسم کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"یقین نہ ہو تو اُسی سے پوچھ لیجیے۔ ویسے میرا خیال ہے کہ آپ اس قابل نہیں ہیں۔"

"قیا مطلب....!" قاسم کے نتھنے پھولنے پچکنے لگے۔

"مطلب کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی عورت کسی ایسے آدمی سے خوش رہ سکتی ہے جو اس کا مزاج نہ پہچانتا ہو۔"

"واہ میں ہمیشہ سلام کے بعد مزاج شریف پوچھتا ہوں۔"

"لیکن وہ آپ سے جھگڑا کیوں کر رہی تھی۔"

"اوہ.... وہ میرا ایک دوست ہے نا حمید، اس نے اس لڑکی پر.... اوہ لڑکی سے مذاخ.... اخ.... مذاق کیا تھا۔ اسی پر وہ اتنی گرم ہو رہی تھی۔"

"کچھ بھی ہو۔ آپ اس موقع پر ضرور فائدہ اٹھائیے۔ کیونکہ وہ آپ سے جھگڑنے کے بعد بھی آپ کی تعریف کر رہی تھی۔"

"کاسے.... فائدہ.... اٹھاؤں۔"

"اس سے قریب رہنے کی کوشش کیجیے اور ہمیشہ کہتے رہیئے کہ آپ کو اُس سے عشق ہو گیا ہے۔"

"ارے باپ۔" قاسم نے کچھ اس طرح منہ بنا کر پیٹ پکڑ لیا جیسے بدہضمی ہو گئی ہو۔

"کیوں.... کیوں؟"

"اگر.... خفا.... خفا.... ہو گئی تو کیا ہو گا۔"

"تو کیا ہو گا۔" حمید نے حیرت سے کہا۔ "آپ بھی بڑے وہی معلوم ہوتے ہیں۔ ارے ...ب کو خفا ہونا ہی تو اچھا لگتا ہے۔"

قاسم منہ پھیلانے لگا۔ وہ دونوں پھر چلنے لگے تھے۔

تقریباً ساڑھے گیارہ بجے وہ گھاٹم پار پہنچ گئے۔ حمید نے محسوس کیا کہ یہ ویسے بھی ایک اچھی تفریح گاہ ہے۔ پہاڑیاں سبزے سے ڈھکی ہوئی تھیں اور ان کے درمیان ایک چھوٹی سی جھیل ایسی ہی لگ رہی تھی جیسے زمرد کے ڈھیر میں ایک ہیرا پڑا جگمگا رہا ہو۔



جھیل کے چاروں طرف لکڑی کے کیبن نظر آرہے تھے، ان میں کچھ تو دوکانوں کی حیثیت رکھتے تھے اور کچھ رہائشی تھے۔ رہائشی کیبن دراصل ٹیکم گڈھ کے بڑے ہوٹلوں کی طرف سے اس لیے مہیا کیے گئے تھے کہ سیاحوں کو تکلیف نہ ہو۔ مگر ان سے وہی سیاح فائدہ اٹھا سکتے تھے، جو ان

ہوٹلوں میں مقیم رہے ہوں۔

میلہ اس وقت بھی شباب پر تھا اور اس مزار کے گرد تل رکھنے کی بھی جگہ نہیں تھی جس کے عرس کے سلسلے میں یہ میلہ ہوا کرتا تھا۔

عورتیں گا رہی تھیں، ڈھول پیٹے جا رہے تھے اور اکثر لوگ سیاہ رنگ کے جھنڈے اٹھائے ہوئے رقص کرتے ہوئے مزار کی طرف بڑھ رہے تھے۔

مشرق کی طرف ڈھلان میں لاتعداد دوکانیں پھیلی ہوئی تھیں، یہ یا تو لکڑی کے فریم پر کینواس منڈھ کر بنائی گئی تھیں یا ان میں صرف لکڑی استعمال ہوئی تھی۔

اس میلے کی تیاریاں تقریباً چھ ماہ پہلے سے شروع ہوتی تھیں اور میلہ تیرہ دن تک جاری رہتا تھا۔ کبھی کبھی بارہویں دن بھی ختم ہو جاتا تھا در اصل میلے کا اختتام پہلی چاند رات کو ہوتا تھا، لہٰذا شروع ہونے کی تاریخ سے اکثر ایک دن کا فرق بھی ہو جاتا تھا۔ لیکن اس فرق کو مقامی باشندے مزار والے پیر کے معتقدین بدشگونی تصور کرتے تھے جس سال بھی توقع ہوتی کہ چاند مہینے کے انتیسویں دن دکھائی دے گا اُس سال بھی تو میلہ لگتا ہی تھا۔ لیکن ان لوگوں میں بڑی بے دلی پائی جاتی تھی جو حقیقتاً میلے کے روح رواں ہوتے تھے۔ گیت فضا میں لہراتے لیکن ان میں زندگی ہوتی، کالے جھنڈے اٹھا کر ناچنے والے ناچتے مگر ایسا معلوم ہوتا جیسے کوئی کوڑے مار مار کر انہیں ناچنے پر مجبور کر رہا ہو۔

چہل پہل میں بیساختگی نہ ہوتی اور مزار پر شہنائیاں بجانے والے صبح سے شام تک درد بھرے گیت فضاؤں میں بکھیرتے رہتے۔

اس سال تو میلے میں بڑی زندگی تھی، کیونکہ پچھلا چاند انتیس کا ہو چکا تھا لہٰذا توقع تھی کہ میلے کا اختتام تیسویں کے چاند پر ہوگا۔

حمید اپنا خچر اس طرف لیتا چلا گیا جہاں نشاط کا بورڈ نظر آ رہا تھا۔ منتظم کو وہ کارڈ دیا جو اُسے روانگی کے وقت نشاط سے ملا تھا۔ اُسے فوراً ہی ایک کیبن میں پہنچا دیا گیا۔

کیبن اتنا بڑا تھا کہ اس میں ایک پلنگ ایک چھوٹی سی میز اور دو کرسیاں آ سکیں لیکن اس کی سچویشن بڑی شاندار تھی، یہ جھیل پر جھکی ہوئی ایک مسطح چٹان پر واقع تھی اور کچھ دیر تک پانی کو دیکھتے رہنے پر ایسا محسوس ہونے لگا تھا جیسے وہ کوئی ہاؤس بوٹ ہو۔

حمید کوٹ اتار ہی رہا تھا کہ نشاط کے ایک ملازم نے آ کر اطلاع دی کہ غلطی سے وہ کیبن اسے دیا گیا ہے۔ حقیقتاً وہ کسی اور کے لئے مخصوص تھا۔ حمید کو بڑا غصہ آیا اور اُس نے اُسے چھوڑنے سے صاف انکار کر دیا لیکن جب اس ہستی پر نظر پڑی جس کے لئے یہ کیبن پہلے ہی سے مخصوص تھا تو ایک بیساختہ مسکراہٹ اس کی گھنی مونچھوں کی اوٹ میں اٹکھیلیاں کرنے لگی۔ کیونکہ یہ ہستی نیلم تھی۔

نیلم کیبن کے باہر کھڑی اس کے نکلنے کی منتظر تھی۔

"بھئی یہ کیا مصیبت ہے۔" وہ ہاتھ ہلا کر ملازم سے بولا۔ "آخر تم مجھے یہاں کیوں نہیں رہنے دیتے۔ کیا میں اس چٹان سے جھیل میں چھلانگ لگا کر خودکشی کر لوں گا۔"

ویٹر ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔ "پتہ نہیں جناب! یہ سپروائزر صاحب جانیں۔"

"جاؤ سپروائزر کو بھیج دو۔"

"جناب آپ خواہ مخواہ بات بڑھا رہے ہیں۔" نیلم سامنے آ کر بولی۔

"اوہا....!" حمید چونک پڑا۔ پھر آہستہ سے بڑبڑایا۔ "آپ کی تعریف۔"

"کیبن آپ ہی کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔" ملازم نے جواب دیا۔

"اوہ.... بھئی تمہارا یہ سپروائزر آدمی ہے یا کسی جانور کی نقل جو عورت اور مرد میں تمیز نہیں کر سکتا۔"

"آپ اسے خالی کریں گے یا نہیں۔" نیلم نے جھنجھلا کر کہا۔

"نہیں....!" حمید نے بھی اُسی لہجے میں جواب دیا۔

"تم باہر آ جاؤ۔" نیلم نے ویٹر سے کہا۔

وہ چپ چاپ باہر آ گیا اور نیلم اندر گھستی چلی گئی۔

"میں نے آپ کو نشاط میں کبھی نہیں دیکھا۔ پھر یہ کیبن آپ کو کیسے مل گیا۔" حمید نے اس سے سوال کیا۔

"آپ براہِ کرم باہر نکل جایئے۔"

"تو کیا آپ یہاں تنہا رہیں گی۔"

"شٹ اپ....!" نیلم نے ہاتھ گھما دیا۔ لیکن ہاتھ کیبن کی دیوار پر پڑا اور حمید یہ کہتا ہوا

ایک طرف ہٹ گیا۔ "ذرا سنبھل کر کہیں میری مونچھوں کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے میں ان کا بیمہ کرا چکا ہوں۔"

ملازم بوکھلا کر اندر گھس آیا۔

لیکن نیلم دفعتاً ٹھٹک گئی اور دوسرے حملے کے لئے اٹھا ہوا ہاتھ اٹھا ہی رہ گیا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت تھی اور حمید سوچ رہا تھا کہ شائد اس نے اُسے پہچان لیا ہے۔

اچانک نیلم نے ملازم سے کہا۔ "تم جاؤ..... ہم لوگ طے کرلیں گے۔"

ویٹر شاید جانا نہیں چاہتا تھا۔ قدرتی بات تھی کہ اُسے یقیناً کھوج پڑی رہتی کہ ان دونوں نے اس مسئلے کو کس طرح طے کیا۔

"کیا تم نے نہیں سنا۔" نیلم غرائی۔

ویٹر بوکھلا کر باہر نکل گیا اور پھر وہ وہاں رکا ہی نہیں۔

نیلم بُرا سامنہ بنائے حمید کو گھور رہی تھی۔

"کیا میں تمہاری مونچھیں اکھاڑلوں۔" اُس نے کچھ دیر بعد کہا۔

"اس سے پہلے اپنے دوستوں کو بلالو تو بہتر ہے ورنہ ہو سکتا ہے کہ یہ مونچھیں اکھڑنے کے بعد ہتھکڑیاں بن جائیں۔"

"فضول باتیں نہ کرو..... اچھا ہوا نہ تم مل گئے۔"

"تم نے پہچان لیا آخر.....!"

"مونچھوں کے علاوہ اور کیا بات ہے کہ نہ پہچانتی، ویسے آواز بدلنے میں تم اپنا جواب نہیں رکھتے۔"

"شکریہ..... لیکن تم مجھ سے کیوں ملنا چاہتی ہو۔"

"اوہ تو کیا تمہیں مجھ سے دوبارہ ملنے کی خواہش نہیں تھی۔"

"نہیں..... اس معاملے میں بہت بدقسمت ہوں، میں جس لڑکی سے بھی دوبارہ ملنے کی خواہش کرتا ہوں اس کی شادی ہو جاتی ہے۔" حمید نے کچھ ایسے لہجے میں کہا کہ نیلم ہنس پڑی۔

"اچھا خیر..... میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ کیا ہم لوگوں کا کیس تم سے لے لیا گیا ہے۔"

"کیوں.....؟"

"بس یونہی..... میں اس کی تصدیق کرنا چاہتی ہوں۔"

"کس سے سنا ہے۔"

"تم آخر بحث کیوں کرنے لگتے ہو۔ میں ایک بات پوچھ رہی ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس کا تعلق ہماری ذات سے ہے اس لئے ہم سارے معاملات کی کھوج میں رہتے ہی ہوں گے۔"

حمید چند لمحے اُسے غور سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "تم نے ٹھیک سنا ہے۔ بیٹھ جاؤ۔"

نیلم ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ حمید کھڑکی سے جھیل میں دیکھ رہا تھا اور اس الجھن میں مبتلا تھا کہ آخر یہ لڑکی کیا چاہتی ہے۔ دفعتاً اُسے ایک بات یاد آگئی اور اس نے نیلم کی طرف مڑ کر کہا۔

"اُس رات تمہاری کہانی ادھوری رہ گئی تھی میں اس کے متعلق اکثر سوچتا ہوں۔"

"کہانی کی بات چھوڑو..... تم دونوں اب بھی خطرے میں ہو۔ گروہ کا خیال ہے کہ ابھی تم ٹیکم گڈھ سے واپس نہیں جاسکتے۔"

"کمال ہے..... کیا اس گروہ میں فرشتے بھی شامل ہوگئے ہیں۔"

"نہیں..... بابا بہت باخبر آدمی ہے۔ اُس کا خیال ہے چونکہ فولادی بھی پہلی بار یہیں ظاہر ہوا ہے اس لئے کرنل فریدی ڈاکٹر ہرمین کو یہیں تلاش کرے گا۔"

"اوہ..... تو پھر.....!"

"وہ کسی موقعہ پر تم دونوں کو دھوکے سے ماردیں گے۔"

"نیلم..... تم جانتی ہو کہ ہم ابھی تک نہیں مارے جاسکے۔ حالانکہ جتنے بھی حملے ہوئے دھوکے ہی میں رکھ کر کئے گئے تھے۔"

"اب اور بھی ہوشیار رہنا۔"

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ لیکن تم آخر کیا بلا ہو۔"

میں ایک زخمی ناگن ہوں، جو نہ صرف زخمی کرنے والے کی تلاش میں ہے بلکہ اکثر انہیں بھی ڈس لیتی ہے جنہوں نے اس کا کچھ نہیں بگاڑا۔ میں مجبور ہوں کیپٹن۔ اپنی اصلاح کرنا چاہتی ہوں لیکن نہیں کرسکتی۔"

"اگر تمہارا گروہ گرفتار ہو گیا تو تمہارا حشر بھی اُن لوگوں سے مختلف نہیں ہوگا۔"

"وہ آگ تو ٹھنڈی ہو جائے گی، جو ہوش سنبھالتے ہی میرے ریشے ریشے میں دہک اٹھی تھی۔"

"میں اُسی آگ کے متعلق جاننا چاہتا ہوں... آخر انہوں نے تمہاری ماں کو کیوں مار ڈالا تھا۔"

نیلم کچھ نہ بولی۔ حمید اس کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ نیلم نے ایک طویل سانس لی اور پھر کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ "میری ماں.... وہ بچی.... طوفان.... اوہ.... میرا باپ بھی اسمگلر تھا۔ ہر آدمی آزاد تھا۔ باہمی تعاون کے اصول پر وہ لوگ کام کرتے تھے اور نفع آپس میں تقسیم کر لیتے تھے۔ اتفاقاً ان میں سے ایک کا میرے باپ سے جھگڑا ہو گیا اور اس نے انہیں گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ اس پر میری ماں نے شاید ارادہ ظاہر کیا تھا کہ وہ اس کی اطلاع پولیس کو دے گی کہ اس کا قتل کیوں ہوا ہے اور وہ لوگ کیا کرتے ہیں۔ وہ ایک اندھیری رات تھی۔ جب میرے باپ کے قاتل نے میری ماں کو بھی ختم کر دینا چاہا۔ وہ مجھے گود میں اٹھا کر مکان سے نکل گئی۔ اسی دوران میں بارش ہونے لگی اور میری ماں مکان سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ لیکن اس نے پیچھا نہیں چھوڑا۔ آخر ایک ویران جگہ پر اس نے اُسے بھی گولی مار دی۔ بابا جسے اُس کے بُرے ارادے کی اطلاع ہو گئی تھی برابر اس کا تعاقب کرتا رہا تھا۔ مگر وہ میری ماں کو موت کے منہ سے نہ بچا سکا۔ اُس نے پہلے ہی اُس آدمی کو اس حرکت سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی لیکن ناکام رہا تھا۔ بارش ہو رہی تھی اور میں اپنی ماں کی لاش سے چمٹی ہوئی چیخ رہی تھی۔ یہ مجھے بابا ہی نے بتایا تھا ورنہ میں اتنی چھوٹی تھی کہ مجھے تو کچھ بھی یاد نہیں۔ لیکن اب مجھے اُس ننھی سی بچی پر ترس آتا ہے، تم خود سوچو.... میرے خدا۔"

اُس کی آواز بھرا گئی لیکن اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کے بجائے ایک وحشیانہ سی چمک تھی۔ اُس نے کچھ دیر بعد کہا۔ "بابا مجھے نہیں بتاتا کہ وہ کون تھا۔ زندہ ہے یا مر گیا۔ اب گروہ سے متعلق ہے یا کہیں اور ہے۔ میں اُس وقت تک اسی طرح سلگتی رہوں گی جب تک کہ اُس ننھی سی بے بس بچی اور اُس مظلوم عورت کا انتقام نہ لے لوں جس کی لاش رات بھر بارش میں بھیگتی رہی تھی۔"

"اس سلسلے میں اگر کسی اسٹیج پر خدمت کی ضرورت محسوس ہو تو مجھے نہ بھولنا۔"

"شکریہ۔" نیلم نے کہا۔ "میں شاید اکیلے ہی یہ مسئلہ حل کرنا زیادہ پسند کروں گی۔"

"موٹے سے میرے متعلق کیا پوچھ رہی تھیں۔"

"اُن لوگوں کو شبہ ہو گیا تھا کہ میں تم لوگوں سے مل گئی ہوں۔"

"تمہارا طریق کار ہی شبہ میں مبتلا کر دینے والا تھا۔"

"ہو گا۔" اُس نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔ "مجھے ایسی باتوں کی پرواہ نہیں ہوتی۔"

"اور وہ.... فولادی کا کیا قصہ تھا۔"

"کچھ بھی نہیں.... میں نے تقریباً آدھے گھنٹے تک اُس سے گفتگو کی تھی۔ وہ یقیناً حیرت انگیز ہے اور اس کا خالق اگر بُرائی پر آمادہ ہو جائے تو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت اُسے شکست نہیں دے سکتی۔"

پھر اُس نے وہ سب کچھ بھی بتایا جو اس سلسلے میں دیکھ چکی تھی۔ کس طرح وہ زمین پر اُترا تھا اور کس طرح وہ روشنی میں نہا گئی تھی اور فولادی کس طرح لوگوں کے حملے رد کر سکتا تھا۔

حمید حیرت سے سنتا رہا اور جب وہ خاموش ہوئی تو اس نے کہا۔ "میں ابھی تک اُسے نہیں دیکھ سکا۔"

"پھر تم لوگ ہر مین کو کیا تلاش کر سکو گے۔"

"میں ذاتی طور پر صرف تم لوگوں کی گھات میں ہوں۔"

"مشکل ہے.... اگر تم نے گروہ کو گرفتار بھی کر لیا تو کیا ہو گا۔ کیا تم اُس آدمی تک بھی پہنچ سکو گے جو سرغنہ ہے۔ پہلے بھی تو تم نے کچھ آدمیوں کو گرفتار کیا تھا۔ پھر کیا ہوا۔ کیا ضمانت پر رہا نہیں ہو گئے۔ جن لوگوں نے ضمانت دی تھی اب انہیں ٹٹولو.... لیکن وہاں کچھ بھی نہ ملے گا۔ بابا کا خیال ہے کہ سرغنہ تک کوئی بھی نہیں پہنچ سکتا۔"

حمید اس پر کچھ بھی نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد نیلم اٹھتی ہوئی بولی کہ وہ اس سے کیبن نہیں خالی کرائے گی۔ حالانکہ حمید اب کیبن چھوڑ دینے پر تیار تھا۔



فولادی عشرت روڈ کے چوراہے پر کھڑا تھا اور سڑک کے دونوں طرف میلہ سا لگا ہوا تھا۔ لوگ اُسے دیکھنے کے لئے پنجوں کے بل اچھل رہے تھے۔

چوراہا نو بجے کے بعد خالی ہو جاتا تھا کیونکہ اس وقت یہاں ٹریفک کا اژدہام نہیں ہوتا تھا۔ فولادی نے اس چوراہے پر پہنچتے ہی اعلان کیا تھا کہ وہ آزمائشی طور پر اس وقت ٹریفک کنٹرول کرنا چاہتا ہے۔

لوگ حیرت سے دیکھ رہے تھے کہ وہ بالکل کسی آدمی ہی کی طرح ٹریفک کو رکنے اور گذرنے کیلئے اشارہ کر رہا تھا۔ اُس کے سر سے نکلنے والی روشنی چاروں طرف دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔

ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتا جارہا تھا۔ "بڑے شرم کی بات ہے کہ آپ لوگ رفتار کا خیال نہیں رکھتے۔ ذرا ذرا سی باتیں ہی معاشرے کی تباہی کا باعث بنتی ہیں۔ خدا کے لئے پندرہ میل سے زیادہ رفتار نہ رکھئے۔ قانون کی پابندی ہر شہری کا فرض ہے۔"

ٹیکم گڈھ کے محکمہ سراغ رسانی کے سپرنٹنڈنٹ واصف نے فریدی سے کہا۔ "آپ دیکھ رہے ہیں۔ میں تو کہتا ہوں ہر مین کو اُس کے حال پر چھوڑ دینا چاہئے۔ وہ جو کچھ بھی کر رہا ہے اچھا ہی کر رہا ہے۔"

"آپ ایک قانون کے محافظ کی حیثیت سے ایسا نہیں کہہ سکتے۔" فریدی نے جواب دیا۔

"اوہ.... وہ دوسری صورت ہے۔ مگر یہ تو بتایئے کہ ہم کب تک بے بسی سے اُسے دیکھتے رہیں گے۔"

"جب تک کہ اس سے کوئی غیر قانونی حرکت نہیں سرزد ہوتی۔ حالانکہ یہ بجائے خود ایک غیر قانونی حرکت ہے لیکن کم از کم ہمیں اسے سمجھنے کا موقع تو ملنا ہی چاہئے۔ آج میں اس سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"پھر کیا میں اسے ادھر بلاؤں۔"

"نہیں.... خواہ مخواہ بھیڑ اکٹھی ہو جائے گی۔" فریدی نے کہا۔ "میں خود ہی جا رہا ہوں۔"

وہ سڑک پار کر کے فولادمی کے قریب پہنچ گیا۔ لوگ شور مچانے لگے کیونکہ آج تک کسی نے بھی اس کے قریب جانے کی ہمت نہیں کی تھی۔

"فرمایئے جناب۔" فولادمی نے فریدی کے قریب پہنچنے پر کہا۔

"میں ایک پولیس آفیسر ہوں۔" فریدی نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

"میرے لائق کوئی خدمت۔"

"ہاں تم دوسروں کو قانون کا احترام کرنا سکھاتے ہو لہٰذا میں قانون ہی کے نام پر تم سے کہتا ہوں کہ چپ چاپ اس پولیس کار میں بیٹھ جاؤ۔"

"کیوں جناب۔"

"ہم تمہیں پولیس اسٹیشن لے جا کر تم سے گفتگو کریں گے اگر تم ہمیں مطمئن کر سکے تو تمہیں چھوڑ دیا جائے گا ورنہ وہی ہوگا جو مشتبہ آدمیوں کے ساتھ ہوتا ہے۔"

"میں آدمی تو نہیں ہوں جناب۔"

"ہم دراصل یہی دیکھنا چاہتے ہیں کہ تمہیں کس خانے میں رکھا جائے۔"

"یہ کیوں نہیں کہتے کہ پولیس اسٹیشن پر کچھ ماہرین مجھے سمجھنے کی کوشش کریں گے۔"

"تم میں رکھا ہی کیا ہے کہ سمجھنے کی کوشش کی جائے گی۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

فولادمی ہنسنے لگا پھر بولا۔ "ابھی تک مجھے صرف دو ہی آدمی ملے ہیں، جو مجھ سے خائف نہیں ہوئے۔ ایک تو ایک لڑکی تھی اور دوسرے آپ ہیں جناب۔ میں آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں۔"

"تم میرے ساتھ چلنے سے انکار کر رہے ہو۔"

"نہیں جناب.... میں تیار ہوں لیکن خطرے سے آپ کو پہلے ہی آگاہ کر دوں۔ پہلی بات کسی کو بھی اجازت نہ ہوگی کہ وہ میرے قریب آ کر میرے میکنزم کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ اگر کسی نے بھی مجھے توڑنے پھوڑنے یا کسی اور قسم کا نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو نتائج کی ذمہ داری سراسر آپ پر ہوگی۔ اگر آپ کو یہ منظور ہو تو ضرور لے چلئے مجھے۔"

"میں اس کی ذمہ داری لیتا ہوں کہ اس قسم کی کوئی بات نہ ہونے پائے گی۔"

"چلئے.... میں تیار ہوں۔ لیکن اگر آپ اس کار میں لے جانے کے بجائے کسی کھلے ہوئے ٹرک کا انتظام کرتے تو بہتر تھا۔ آپ میرا قد تو دیکھ ہی رہے ہیں۔"

"ٹرک کا انتظام بھی ہو جائے گا۔ تم ابھی یہیں ٹھہرو۔" فریدی نے کہا اور سڑک پار کر کے پھر واصف کے پاس آ گیا۔

دو تین منٹ بعد انہیں ایک ٹرک مل گیا۔ فولادمی کھلے ہوئے حصے پر جا چڑھا۔ واصف ڈرائیور کے ساتھ بیٹھا لیکن فریدی فولادمی ہی کے قریب رہا۔

راہ میں اُس نے کوئی گفتگو نہیں کی۔ فولادمی سے بھی آواز نہیں آئی۔ اُس کے سر سے نکلنے والی روشنی البتہ پہلے سے بھی زیادہ تیز ہو گئی تھی اور دور دور تک پھیل رہی تھی۔

لوگ سڑکوں کے کنارے کھڑے حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہے تھے۔ انہیں شاید فولادمی سے زیادہ فریدی پر حیرت تھی، جو فولادمی کے قریب ہی ٹرک کے کنارے سے ٹکا ہوا تھا۔ کیونکہ عوام کے لئے گوشت و پوست کا پہلا آدمی تھا، جو فولادمی سے اتنا قریب دیکھا جا رہا تھا۔

کوتوالی پہنچ کر فریدی ٹرک سے کود گیا اور اسی کے حکم سے کوتوالی کا پھاٹک بند کر دیا گیا۔

"نیچے اُتر آؤ۔" اُس نے فولادی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ایک بار پھر میری شرائط یاد رکھئے۔" فولادی نے کہا۔

"ارے.... آؤ بھی نیچے۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔ "تم میں رکھا ہی کیا ہے۔ کیا تمہارے ڈھانچے میں جابجا ٹیلیویژن کیمرے کے لینس نہیں ہیں اور یہ تمہاری کھوپڑی سے نکلنے والی روشنی اپنے حیطۂ عمل کی ساری چیزوں کا عکس اس پردے تک نہیں پہنچاتی۔ جہاں ایک چور بیٹھا ہوا تم سے کام لے رہا ہے۔"

فولادی سے قہقہے کی آواز آئی اور کہا گیا۔ "نہیں دوست تم اپنے خادم ہرمین کو چور نہیں کہہ سکتے وہ تمہاری بھلائی کے لئے کام کر رہا ہے۔ اتنا یاد رکھو اگر تیسری جنگ ہوئی تو ایشیا کھنڈر ہو جائے گا۔ کیونکہ بڑی طاقتیں اس بار ایشیا ہی کو اکھاڑہ بنانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ مجھے سکون سے کام کرنے دو۔ میں سب کے دانت کھٹے کر دوں گا۔ مجھے جنگ اور جنگ بازوں سے نفرت ہو گئی ہے۔"

"وہ بالکل ٹھیک ہے.... تم نیچے آجاؤ.... تفصیل سے گفتگو ہو گی۔"

"تم مجھے ایماندار آدمی معلوم ہوتے ہو۔" فولادی سے آواز آئی اور وہ نیچے اتر آیا۔

فریدی نے وہیں کوتوالی کے صحن میں ایک بڑی میز ڈلوادی۔ کچھ کرسیاں رکھ دی گئیں اور فریدی چند بڑے آفیسروں کے ساتھ بیٹھ گیا۔ فولادی مجرموں کی طرح سامنے کھڑا رہا۔

"ڈاکٹر ہرمین میں تم سے مخاطب ہوں۔" فریدی نے پُروقار لہجے میں کہا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم کوئی بُرا ارادہ نہیں رکھتے لیکن اگر تم باقاعدہ طور پر ہماری حکومت سے تعاون کرو تو کیا ہرج ہے۔"

"تعاون.... نہیں.... یہ ناممکن ہے۔ ایشیا کے سارے ممالک کسی نہ کسی بڑی طاقت کے دوست ہیں۔ اُس سے مالی امداد لیتے ہیں اس لئے میں اعتماد نہیں کر سکتا۔"

"تو یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ہاں.... قطعی.... لیکن تم ہر حال میں مجھے اپنا دوست پاؤ گے۔"

"تم ہمارے دوست کس طرح ہوئے جب ہم پر اعتماد نہیں کر سکتے۔"

"تم پر اعتماد ہے لیکن ان سکوں پر اعتماد نہیں ہے جو تمہیں بطور مالی امداد بڑی طاقتوں سے ملتے ہیں۔"

"بہر حال میں تمہیں وارننگ دیتا ہوں کہ اگر تم نے پندرہ دن کے اندر اندر خود کو ظاہر نہ کر دیا تو بہت بُری طرح لائے جاؤ گے۔"

فولادی سے قہقہے کی آواز آئی اور کہا گیا۔ "اچھی بات ہے۔ مجھے اس وارننگ پر غصہ نہیں آیا۔ میں تمہاری بھلائی کے لئے کام کرتا رہوں گا۔ یہاں ٹیکم گڈھ میں ایک نئی سڑک بنانے کا پلان مرتب کیا گیا ہے مگر جس علاقے سے سڑک نکالی جائے گی وہاں کے پہاڑ سخت ہیں ابھی تک یہ نہیں سوچا جا سکا کہ انہیں توڑنے کے لئے کون سا طریقہ اختیار کیا جائے۔ اس کے لئے میں اپنی خدمات پیش کرتا ہوں۔ کسی دن وہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔"

ٹھیک اُسی وقت فولادی سر سے پیر تک شعلہ ہو گیا اور ساتھ ہی کسی کی چیخ بلند ہوئی۔ دور کھڑے ہوئے کانسٹیبلوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ فولادی نے غرا کر کہا۔ "دیکھا تم نے.... کسی نے مجھ پر پتھر پھینکا تھا لیکن وہ پتھر اتنی ہی قوت سے واپس ہو گیا جتنی قوت سے پھینکا گیا تھا۔ لیکن میں نے غلط نہ کہا تھا کہ تم پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اب میں جا رہا ہوں۔"

یک بیک فولادی اُسی طرح شعلہ جوالہ بنا ہوا فضا میں بلند ہو گیا۔ کچھ دور پر ایک کانسٹیبل زمین پر پڑا تڑپ رہا تھا۔ دیکھتے دیکھتے وہ ٹھنڈا ہو گیا۔ فولادی کی طرف سے لوٹا ہوا پتھر اس کے سر پر پڑا تھا۔ پتھر بہت وزنی تھا اور کافی قوت سے لگا تھا۔ اس لئے اس کی شکل بھی نہیں پہچانی جا رہی تھی۔ لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ پتھر کس نے پھینکا تھا۔

طوفان

میلے کی رونقیں شباب پر تھیں۔ چاند کی گیارہویں تھی اور مطلع بھی ابر آلود نہیں تھا۔ شفاف چاندنی کھیت کر رہی تھی اور قاسم اُس کھیت میں اونٹ کی طرح منہ اٹھائے کھڑا ٹھنڈی آہیں بھر رہا تھا۔ آہیں اس لئے بھر رہا تھا کہ اب نیلم اس بڑی مونچھوں والے میں دلچسپی لینے لگی تھی جس نے اُسے نیلم سے عشق کرنے کا مشورہ دیا تھا۔

وہ انہیں ساتھ دیکھتا اور اس کے سینے پر سانپ نہیں بلکہ اژدھے لوٹ جاتے۔ اس وقت وہ
ایک جگہ خاموش کھڑا نہ کچھ سوچ رہا تھا اور نہ کچھ کر بیٹھنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اس وقت تو حقیقتاً اُسے
"غمید بھائی" کی یاد ستا رہی تھی۔ اُس کا خیال تھا اگر حمید یہاں موجود ہوتا تو اس کی مشکلیں یقینی طور
پر آسان ہو جاتیں۔ کبھی اُسے اس بڑی مونچھوں والے پر غصہ آتا اور کبھی دل چاہتا کہ اُس سے
بڑے شریفانہ انداز میں پوچھے کہ آخر اُس نے یہ کیا کیا؟ اگر خود اُسے ہی نیلم سے عشق کرنا تھا تو
پھر خواہ مخواہ وہ ساری باتیں کیوں کہی تھیں؟

قاسم پر سچ مچ عشق سوار تھا۔ علامت اس کی یہ تھی کہ بعض اوقات اس کے ذہن میں اوٹ
پٹانگ اشعار گونجنے لگتے تھے۔ وہ انہیں گنگنانے کی کوشش کرتا لیکن کامیابی نہ ہوتی۔ وہ سوچتا کہ یہ
تو بہت بُرا ہوا۔ اب اُسے راتوں کو نیند نہ آئے گی اور اس کی خوراک بھی کم ہو جائے گی کیونکہ
عشق کے متعلق اس نے یہی سن رکھا تھا اور دو چار عاشق بھی اُس کی نظروں سے گذرے تھے
ویسے یہ اور بات ہے کہ نشاط کا عملہ اس کی مزید کھلی ہوئی بھوک سے تنگ آگیا ہو۔

لوگ رنگ رلیاں منا رہے تھے لیکن قاسم کسی بے آب و گیاہ پہاڑ کی طرح اداس کھڑا تھا
قریب ہی لگے ہوئے جھولے کی چرغ چوں اُسے بہت گراں گذر رہی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ
جھولے پر بیٹھے ہوئے لوگوں کی ٹانگیں پکڑے اور کھینچ کر جھیل میں پھینک دے۔

پھر اُس نے سوچا کیوں نہ یہی برتاؤ بڑی مونچھوں والے کے ساتھ کرے۔ اُس کے قدم
اٹھ گئے۔ وہ حمید کے کیبن کی طرف جا رہا تھا۔

حمید کیبن کے دروازے پر کھڑا نظر آیا لیکن تنہا تھا۔ اُس نے قاسم کو آتے دیکھ لیا۔ وہ پہلے
ہی محسوس کر چکا تھا کہ قاسم اُسے غصیلی نظروں سے گھورتا رہتا ہے۔

"سامالیکم بھائی صاحب۔" حمید نے بڑے جوش و خروش سے اُسے سلام کیا۔

"والے قم۔" قاسم نے غصیلی آواز میں جواب دیا اور اس کے قریب پہنچ کر رک گیا۔

"موسم بڑا حسین ہے۔" حمید نے کہا۔

"ہو غا سالا....!" قاسم غرایا۔

"کچھ خفا ہو بڑے بھائی۔"

"کچھ کھفا.... ہو.... باڑے.... بھائی۔" قاسم نے ہاتھ نچا کر جلے بھنے انداز میں اُس

جملہ دہرا لیا۔

"ضرور خفا ہو.... آؤ چلو ٹہل آئیں۔"

"تت.... تم جھوٹے ہو.... دغا باز ہو۔"

"کیوں....؟"

"تم نے کہا تھا۔" قاسم کی آواز دردناک ہو گئی اور کسی باحیا عورت کی طرح سر جھکا کر اپنی
انگلیاں مروڑتا ہوا بولا۔ "تم نے کہا تھا کہ وہ.... مم.... مجھ سے.... یعنی.... کہ.... مجھے پسند
کرتی ہے۔"

"کون.... آپ کس کی بات کر رہے ہیں جناب۔"

"وہی پتلون والی۔"

"اوہ.... وہ....!" حمید خوش ہو کر بولا۔ "جی ہاں.... جی ہاں.... وہ بھی یہی کہتی ہے۔"

"تم جھوٹے ہو۔"

"کیوں.... میں جھوٹا کیوں ہوں۔"

"تم اُسے ساتھ لئے پھرتے ہو۔"

"تو اس سے کیا ہوتا ہے۔"

"ارے واہ....!" قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ "کچھ ہوتا ہی نہیں۔"

"ہاں.... کیا ہوتا ہے۔ میں تو اُسے مشورے دیا کرتا ہوں۔"

"کیسے مشورے۔"

"بھئی بات دراصل یہ ہے کہ تم بالکل پہاڑ خاں ہو اور اس لئے وہ تم سے ڈرتی بھی ہے۔ وہ
کہتی ہے میں کس طرح اُس سے اظہار محبت کروں۔ اگر وہ خفا ہو گیا تو....!"

"ارے.... واہ.... الا قسم.... وہ کر کے بھی تو دیکھیں اظہار محوبت.... میں بالکل کھفا
نہیں ہوں غا۔"

"اچھی بات ہے.... اب میں تمہارا پیغام اس تک پہنچا دوں گا۔ مگر یار تم خود ہی کیوں نہیں
کرتے اظہار محبت۔ وہ خوشی سے مر جائے گی۔"

"تم خود مر جاؤ۔"

"اے بڑے بھائی یہ محاورہ ہے۔ خوشی سے مر جانا۔ مطلب یہ کہ شادیٔ مرگ۔"

"شادی بھی کر لے گی۔" قاسم خوش ہو کر بولا۔

"نہیں شادی تو شاید نہ کرے کیونکہ شادی وہ کسی ایسے آدمی سے کرنا چاہتی ہے جس بیوی ابھی زندہ ہو۔"

"اللہ قسم.... میری پہلی بیوی ابھی بالکل زندہ ہے۔" قاسم لہک کر بولا۔

"تب تو تمہاری چاندی ہی چاندی ہے۔ وہ تیار ہو جائے گی۔"

"پھر میں کیسے اظہار محوبت کروں۔"

"آؤ.... اندر بیٹھو.... اطمینان سے گفتگو ہوگی۔ میں تمہارے لئے سب کچھ کر سکتا تم خواہ مخواہ میری طرف سے بدگمان ہوگئے ہو۔"

"چلو.... چلو....!" قاسم اس انداز میں بولا۔ جیسے کچھ دیر پہلے اُسے اس پر غصہ ہی نہ وہ دونوں کیبن میں آبیٹھے۔

"تم خود ہی اس سے دور دور رہتے ہو۔ اسی لئے وہ تم سے بولتے ہوئے ڈرتی ہے۔" ح کہا۔ "ابھی آج ہی کہہ رہی تھی کہ کہیں میں مر ہی نہ جاؤں۔"

"ارے.... واہ.... مریں اس کے دشمن۔"

"بس پھر تم اظہار محبت کر ڈالو، ورنہ وہ حقیقتاً مر جائے گی۔ وہ کہتی ہے پتہ نہیں تمہیں پرواہ ہے بھی یا نہیں۔"

"میں اظہار محبت کیسے کروں۔ مجھے کرنا نہیں آتا۔" قاسم گڑگڑایا۔

"ہائیں! تمہارے والدین نے تمہیں اظہار محبت کرنا بھی نہیں سکھایا۔"

"یہی تو مصیبت ہے پیارے بھائی۔ میں بالکل چھوٹا تھا۔ تب ہی والدین مر گئے تھے۔" نے خلاف توقع بڑی صفائی سے جھوٹ بولا اور حمید متحیر رہ گیا کیونکہ قاسم نہیں جانتا تھا کہ کیسے بولا جاتا ہے۔

"خیر ٹھہرو.... میں بتاتا ہوں۔ اظہار محبت کے لئے سب سے زیادہ ضروری ہے کہ ہو۔ چاندنی رات اور دریا کا کنارہ ہو تو کیا کہنا۔ یہاں یہ دونوں آسانیاں نصیب ہو سکیں گی چاندنی رات ہے اور سامنے یہ جھیل ہے۔ اسے جھیل کے کنارے لے جا کر ادھر اُدھر کی

کرتے رہنا۔ پھر دبی زبان سے کہہ دینا کہ مجھے آپ سے محبت ہوگئی ہے۔"

"ارے باپ رے۔" قاسم ہانپنے لگا پھر بولا۔ "پھر وہ کیا کہے گی۔"

"پھر اُسے جو کچھ بھی کہنا ہوگا کہے گی۔ ارے کہے گی کیا۔ یہی کہے گی کہ میں بھی آپ کے لئے دن رات ٹافیاں کھاتی رہتی ہوں۔"

"میں نہیں سمجھا.... ٹافیاں۔"

"مطلب یہ کہ میں بھی دن رات آپ کے لئے تڑپتی رہتی ہوں۔"

"الا قسم....!"

"ہاں بھئی۔"

"پھر کب.... یعنی کہ....!"

"ابھی اور اسی وقت۔" حمید نے کہا۔ "اس سے بہتر موقع پھر ہاتھ نہ آئے گا۔ ہو سکتا ہے کل آسمان بادلوں سے ڈھکا رہے لہٰذا اس حسین چاندنی سے فائدہ اٹھاؤ۔"

"پتہ نہیں کہاں.... وہ کہاں ہو۔" قاسم نے کہا اور اپنے خشک ہوتے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

"وہ اس وقت اپنے کیبن میں ہے۔"

"مگر وہ آنے ہی کیوں لگی۔"

"ہاں اس طرح تو نہیں آئے گی۔ تم اس سے یہ کہنا کہ بڑی مونچھوں والے نے بلایا ہے بس وہ سمجھ جائے گی۔"

"کیا سمجھ جائے گی۔"

"یہی کہ میں نے اس کی سفارش کر دی ہے اور تم اظہار محبت کے لئے اُسے جھیل کے کنارے لے جانا چاہتے ہو۔ تم اُس سے یہ کہنا کہ بڑی مونچھوں والا چاندنی رات میں جھیل کے کنارے انتظار کر رہا ہے۔"

"ابے دل دھڑکتا ہے پیارے بھائی۔" قاسم پیٹ پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔

"مرد بنو.... جاؤ.... میں اس قسم کے مشورے ہر ایک کو نہیں دیتا۔ تم سے نہ جانے کیوں تنی محبت ہوگئی ہے۔"

"اچھا....!" قاسم نے دانت نکال دیئے۔

"بس اب جاؤ۔"

"قاسم باہر نکل کر نیلم کے کیبن کی طرف چل پڑا۔



نیلم نے جھیل کے کنارے پہنچ کر چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ کہاں ہے۔"

"وہ....وہ....ابھی تو یہیں تھا۔" قاسم ہکلایا۔

پھر اُس نے محسوس کیا کہ نیلم اُسے گھور رہی ہے۔ اُسے فوراً یاد آگیا کہ ہدایت کے مطا
اُسے اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر دینی چاہئیں۔

"وہ دیکھئے.... مطلب یہ کہ ادھر کی بات یہ ہے.... یہ جھیل ہے نا.... یہ چاند ہے نا..
اور اُدھر کی بات....یا....خدا....خدا جانے....اُدھر کی بات یعنی اِدھر اُدھر کی باتیں۔"

"کیا آپ نشے میں ہیں۔" نیلم نے پُرسکون لہجے میں پوچھا۔

"قسم لے لیجئے جو آج تک شراب چکھی بھی ہو۔"

"پھر افیون یا چانڈو سے شوق کرتے ہوں گے۔"

"ارے توبہ توبہ۔" قاسم زور زور سے اپنے گالوں پر تھپڑ مارنے لگا۔

"آپ مجھے یہاں کیوں لائے ہیں۔" نیلم نے غصیلی آواز میں کہا۔

"ارے بھائی صاحب۔" قاسم نے بوکھلا کر شائد حمید کو آواز دی اور پھر دونوں ہاتھوں
منہ بند کر کے ہکلانے لگا۔

"دیکھئے....اِدھر....اُدھر کی باتیں تو کر چکا....اب دیکھئے....چاندنی کے کنارے
جھیل ہو گیا ہے۔"

"آپ آدمی ہیں....یا ہونق....!"

"جی ہاں آدمی....نہیں ہونق....مم مگر....ہونق کسے کہتے ہیں۔"

"آئینے میں شکل دیکھتے وقت سوچا کرو کہ ہونق کسے کہتے ہیں۔"

"بہت بہتر....اب سوچا کروں گا۔" قاسم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ اسے دراصل حمید

دوسری ہدایت یاد آگئی تھی۔ یعنی دبی زبان سے اظہار محبت کرنا۔

دبی زبان سے کیسے؟ اُس نے سوچا۔ لیکن پھر دوسرے ہی لمحے میں دانتوں تلے زبان دبا کر
بولا۔ "آپ سے ججغ ہے۔"

"کیا....میں نہیں سمجھی۔"

"آپ سمجھیں یا نہ سمجھیں۔ میں نے تو اپنا فرض ادا کر دیا۔" قاسم نے زبان کو دانتوں کے دباؤ
سے آزاد کر کے کہا۔

"کیا کہا تھا ابھی آپ نے۔"

"جو کچھ کہا تھا دبی زبان سے کہا تھا....جی ہاں....جی ہاں....اور آپ بالکل فکر نہ کیجئے
میری بیوی ابھی زندہ ہے۔"

نیلم دو چار قدم پیچھے ہٹی اور ایک بڑا سا پتھر اٹھا کر بولی۔ "بتاؤ مجھے یہاں کیوں لائے تھے،
ورنہ سر کے بیس ٹکڑے کر دوں گی۔"

"ارے باپ رے۔" قاسم بوکھلا کر پیچھے ہٹا اور پھر بڑی دردناک آواز میں کراہا۔ "اے....
پیارے بھائی۔"

"بتاؤ جلدی...." نیلم غرائی۔

"بب....بتاتا ہوں....اظہار محبت....جی ہاں۔"

"اوہ....!" نیلم ہونٹ سکوڑ کر بولی۔ "اچھا....زمین پر اوندھے لیٹ جاؤ۔ میں بھی اظہار
محبت کروں گی۔"

قاسم کے حلق سے عجیب سی آوازیں نکلنے لگیں۔ پتہ نہیں یہ خوشی کا اظہار تھا یا حیرت کا لیکن
س نے حکم کی تعمیل میں دیر نہیں لگائی، جیسے ہی وہ لیٹا نیلم اچھل کر اُس پر کھڑی ہو گئی۔

"ارے....ہائیں۔" قاسم کراہا۔

"پڑے رہو چپ چاپ۔ تم کیسے اُلو کے پٹھے عاشق ہو۔"

پھر وہ باقاعدہ طور پر اس پر اچھلنے کودنے لگی۔

"ارے....ارے....اترو....ہائیں۔"

"میں اسی طرح محبت کرتی ہوں۔ چپ چاپ پڑے رہو۔"

دفعتاً ایک طرف سے آواز آئی۔ "یہ کون ہے.... کیا ہو رہا ہے۔"

اور پھر ایک آدمی دوڑتا ہوا ان کے قریب آیا۔ یہ حمید تھا۔

"یہ دیکھو.... یہ ہو رہا ہے۔" نیلم اُسی طرح اچھلتی کودتی ہوئی بولی۔ "میں اظہار محبت کر رہی ہوں۔"

"ہٹو.... اترو۔" حمید نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔ نیلم اُس پر سے اتر آئی اور قاسم جلدی سے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے ایک بار پھر ڈھیر ہو گیا۔

"اس کا دماغ چل گیا ہے۔" نیلم غرائی۔ "تمہاری وجہ سے صرف اتنی ہی سزا دی ہے ورنہ چھرا مار کر آنتیں نکال دیتی۔"

"ارے جاؤ.... جاؤ.... بڑی.... آئیں.... آنتیں نکالنے والی۔" قاسم ہانپتا ہوا غصیلی آواز میں بولا۔ "تم نے ابھی مجھے اُلو کا پٹھا کہا تھا۔ تم خود اُلو کی پٹھی۔"

"ارے ہاں ہاں۔" حمید بول پڑا۔

"تم چپ رہو ورنہ تمہاری مونچھیں اکھاڑ لوں گا۔"

"تم کیا اکھاڑو گے۔" نیلم نے کہا۔ "ذرا اکھاڑو تو.... اتنے ہاتھ پڑیں گے کہ واپسی کے لئے راستہ نہ سجھائی دے گا۔"

حمید نے سوچا کہ اب اس کی شامت آ جائے گی۔ یعنی قاسم جھینپ مٹانے کے لئے اُس پر ٹوٹ پڑے گا لہٰذا وہ اچھل کر دور ہٹ گیا۔

"اب بھاگتے کیوں ہو بیٹا۔" قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ "کھڑے رہو نا.... میں تمہاری چٹنی بنا ڈالوں گا۔ تم نے مجھے دھوکا دیا۔"

ٹھیک اُسی وقت سناٹے میں ایک گرجدار آواز گونجی۔ "ہٹ جاؤ.... جھیل سے ایک فرلانگ کے فاصلے پر ہٹ جاؤ، طوفان آ رہا ہے۔ جھیل کے قریب والے کیبن خالی کر دو۔ طوفان ادھر ہی سے گذرے گا۔"

وہ بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگے۔ آواز پھر آئی۔

"فولادی۔" نیلم بڑبڑائی۔ "یہ آواز فولادی ہی کی ہے بھاگو۔"

نیلم دوڑنے لگی۔ اس کے پیچھے حمید بھی دوڑا۔ قاسم کے لئے البتہ دشواری تھی۔ وہ تیز نہیں

دوڑ سکتا تھا۔ پھر بھی وہ گرتا پڑتا بھاگا۔ کچھ دور چلنے کے بعد اُس نے دیکھا کہ لوگ کیبنوں سے نکل نکل کر بھاگ رہے ہیں۔ شور کی وجہ سے کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ قاسم بھی بھاگنے والوں کی بھیڑ میں جا ملا۔

اچانک ایک تیز قسم کی روشنی جو چاندنی پر حاوی ہو گئی تھی۔ چاروں طرف پھیل گئی۔ ایک اونچی چٹان پر فولادی کھڑا کہہ رہا تھا۔ "ٹھیک ہے تم طوفان کی زد سے نکل آئے ہو۔ لیکن اگر جھیل کے قریب والے کیبنوں میں کچھ لوگ رہ گئے ہیں تو انہیں اپنی زندگیوں سے ہاتھ دھو لینا چاہئے۔ پانچ منٹ بعد طوفان ان کے پرخچے اڑا دے گا۔ ادھر آ جاؤ.... کیبن چھوڑ دو، یہ مذاق نہیں ہے میں بالکل صحیح اطلاع دے رہا ہوں۔"

قاسم کھڑا پلکیں جھپکا رہا تھا۔ اُس کے لئے بھی یہ پہلا ہی اتفاق تھا۔ ویسے اس نے فولادی کے متعلق ضرور سنا تھا۔ اچانک اس نے دو آدمیوں کو اس چٹان کی طرف بڑھتے دیکھا۔ یہ نیلم اور حمید تھے۔ لوگ شور مچانے لگے۔

"ادھر کون آ رہا ہے۔" فولادی سے آواز آئی۔ "دیکھو تم لوگ مجھ پر پتھر وغیرہ مت پھینکنا۔ تم دونوں ادھر کیوں آ رہے ہو۔ اوہ.... تم ہو لڑکی.... آؤ آؤ.... یہ دوسرا کون ہے۔"

اُن دونوں نے جواب میں جو کچھ بھی کہا وہ کوئی نہ سن سکا کیونکہ مجمع اُن سے کافی دور تھا۔ البتہ فولادی کی آواز میلوں تک پھیلی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔

قاسم کی کھوپڑی گھوم گئی۔ اُس نے سوچا کہ اگر وہ فولادی کو کشتی کے لئے للکار دے تو اس سے نیلم پر کافی رعب پڑے گا۔

وہ بھی اُسی طرف بڑھا اور لوگ اُسے گھورنے لگے۔

"اب کون آ رہا ہے۔" فولادی سے آواز آئی۔ حمید اور نیلم اس کے قریب پہنچ چکے تھے۔

"میں آ رہا ہوں۔" قاسم دھاڑا۔ "تم سے کشتی لڑوں گا۔"

فولادی کے قہقہے کی آواز دور تک پھیلتی چلی گئی۔ قاسم بھی آگے بڑھتا رہا۔

"ابے کیوں شامت آئی ہے۔" قاسم نے حمید کی آواز سنی۔

"اس کے بعد تم سے نپٹوں گا۔" قاسم نے جواب دیا۔

"آنے دو.... آنے دو۔" نیلم نے کہا۔

"آرہا ہوں۔"

"واپس جاؤ دوست۔" فولادی سے آواز آئی۔ "میں تمہارا ڈیل ڈول دیکھ رہا ہوں لیکن فولاد سے کیا لڑ سکو گے۔ اگر اپنے ہاتھ پیر توڑ بیٹھے تو مجھے بھی افسوس ہوگا۔"

پھر قاسم کی آواز کوئی نہ سن سکا کیونکہ فولادی دوبارہ گرجنے لگا تھا۔ "سنبھلو طوفان آرہا ہے... لیٹ جاؤ... تم سب زمین پر لیٹ جاؤ۔ ورنہ تمہارے قدم ڈگمگا جائیں گے۔ تم کھڑے نہ رہ سکو گے۔"

اور پھر قیامت شروع ہوگئی۔ لکڑی کے کیبن اڑنے لگے۔ بڑی خوفناک آوازیں تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا۔ جیسے ظلمات کی اساطیری کہانیوں کی بلائیں اپنی کمین گاہوں سے نکل پڑی ہوں۔ لوگ اسی طرح چیخ رہے تھے۔ جیسے وہ بیدردی سے ذبح کئے جا رہے ہیں۔ پتہ نہیں وہ بارش کی بوچھاڑیں تھیں یا جھیل کا پانی طوفان کے زور میں آرہا تھا۔ جھیل کے کنارے والے کیبن چ زدن میں اُڑ گئے۔

"گھبراؤ نہیں.... گھبراؤ نہیں۔" فولادی چیخ رہا تھا۔ "اگر ان کیبنوں سے سب نکل آ تھے تو جانی نقصان کا احتمال نہیں ہے۔"

تقریباً دس منٹ تک ہنگامہ برپا رہا پھر سکون ہوگیا۔ فولادی بڑی تیزی سے فضا میں بلند ہو جارہا تھا۔

سنگریزوں کی بارش

بے خبری کے عالم میں اگر اچانک کسی قسم کی غیر متوقع آواز سنائی دے تو لوگ چونک پڑتے ہیں۔ پھر وہ تو ایک کان پھاڑ دینے والا دھماکہ۔ نہ جانے کتنے ہی کمزور دل کے لوگ بیہوش ہو کر سڑکوں پر گر گئے۔ جنہیں ذرا بھی ہوش تھا انہیں ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ان کی ٹانگیں بقیہ جسم سے الگ ہوگئی ہوں۔ وہ پیر اٹھانا چاہتے ہیں لیکن کامیابی نہ ہوتی۔

پھر اس کے بعد ہی ایک دوسری مصیبت نازل ہوئی۔ نہ جانے کہاں سے ننھے ننھے سنگریزوں کے بادل ٹیکم گڈھ پر ٹوٹ پڑے۔ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ مکانوں کی چھتوں پر پڑے ہوئے ٹین بج رہے تھے۔ لوگوں کے چہروں پر وہ سنگریزے اس طرح لگتے جیسے سوئیاں سی آ چبھ

ہوں۔ ذرا ہی سی دیر میں سڑکیں ویران ہوگئیں لیکن پھر پندرہ منٹ کے اندر ہی اندر پولیس حرکت میں آگئی۔ سڑکوں پر سنگریزے کاروں کی پہیوں کے نیچے ایسے معلوم ہوتے جیسے وہ کاریں کسی ریگستان میں چل رہی ہوں۔ زمین کی سطح پر اُن کی تہہ کم از کم دو انچ ضرور موٹی رہی ہوگی اور یہ سنگریزے رائی سے بڑے نہیں تھے۔

طوفان کی اطلاع میلے سے پولیس کے وائرلیس پر پہلے ہی بھیجی جا چکی تھی۔ لیکن طوفان کا رخ بستی کی طرف نہیں تھا۔ پھر یہ اتنے سنگریزے کہاں سے اور کیسے آئے۔ اگر وہ طوفان ہی کے ساتھ آئے تھے تو ہوا کا زور کیوں نہیں محسوس کیا جا سکا؟ طوفان ہی آیا ہوتا تو سنگریزوں کی تہیں کیسے جم جاتیں۔ ہوا کا زور انہیں بھی اڑائے چلا جاتا اور پھر وہ دھماکہ کیسا تھا؟ اور کہاں ہوا تھا؟

ٹھیک دس بجے لوگوں کی حیرت رفع ہوگئی۔ کیونکہ ایک بار پھر ڈاکٹر ہرمین ملکی براڈکاسٹنگ میں خلل انداز ہو رہا تھا۔ سارے ملک کے ریڈیو اس کی آواز ریسیو کرنے لگے وہ کہہ رہا تھا۔

"میں ڈاکٹر ہرمین آپ سے مخاطب ہوں۔ ٹیکم گڈھ کے شمال میں جو پہاڑ سڑک نکالنے کی اسکیم میں حارج ہو رہا تھا اب اس کا نام و نشان بھی باقی نہیں۔ ٹیکم گڈھ کے باشندوں نے کچھ دیر پہلے جو دھماکا سنا تھا اُس نے اُسے ریزہ ریزہ کر دیا۔ مجھے یقین ہے کہ اس سلسلہ میں کوئی جانی و مالی نقصان نہ ہوا ہوگا۔ البتہ ٹیکم گڈھ کے حکام کو تھوڑی سی عرق ریزی ضرور کرنی پڑے گی۔ شاید شہر کی صفائی میں تین دن لگ جائیں۔ ہزاروں ٹن سنگریزوں کا سمیٹنا آسان کام نہیں۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ اس صفائی پر جتنے بھی مصارف ہوں گے ان سے کہیں زیادہ قیمت ان سنگریزوں کی ہوگی۔ یہ سنگریزے عمارتوں کے پلاسٹر کے لئے بہترین ثابت ہوں گے۔ دریائی ریت کے پلاسٹر سے کہیں زیادہ مضبوط پلاسٹر ان سنگریزوں سے تیار کیا جا سکتا ہے۔ اب بھی اگر آپ ہرمین کو اپنا خادم نہ سمجھیں تو سراسر زیادتی ہوگی۔ آپ نہیں جانتے کہ اس پہاڑ کو توڑنے کے لئے مجھے کیا کیا کرنا پڑا ہے۔ ایک زبردست طوفان جو شمال مغرب سے جنوب مشرق کی طرف جا رہا تھا اس کا رخ موڑ کر ادھر لانا پڑا اور پھر اسی طوفان نے اس پہاڑ کے پرخچے اڑا دیئے۔ ٹھہریئے۔ ابھی کچھ دیر بعد آپ کا محکمہ موسمیات اس حیرت انگیز واقعہ کا اعلان کرے گا۔ اُسی وقت آپ میری بات پر یقین کر سکیں گے ورنہ ہو سکتا ہے کہ آپ اسے پریوں کے دیس کی کوئی کہانی سمجھیں۔

"میں آپ کی بھلائی کے لئے بہت کچھ کر رہا ہوں۔ دیکھئے.... اس بار اگر ملک کے کسی دریا

میں سیلاب آیا تو آپ اس کا بھی انجام دیکھ لیجئے گا۔ بس اب اجازت دیجئے۔"

کرنل فریدی کوتوالی میں تھا۔ جس وقت دوسرے لوگ ریڈیو کے گرد بھیڑ لگائے ہرمین کا ایک ایک لفظ ذہن نشین کرنے کی کوشش کررہے تھے۔ فریدی فون پر جھکا ہوا چنگھاڑ رہا تھا۔"واصف صاحب.... نہیں ہیں۔ آپریشن روم سے کنکٹ کرو۔ فوراً.... اوہ.... اتنی دیر.... ہیلو.... اپریٹر.... زیرو نائین کا ریسیونگ سیٹ کھول دو.... جلدی.... اور.... آواز آرہی ہے.... نہیں ماؤتھ پیس اُس کے قریب کردو.... میں خود سننا چاہتا ہوں.... شکریہ.... ہاں ٹھیک ہے.... یہ ہرمین ہی کی آواز ہے.... اب دیکھو.... انٹینا کدھر اشارہ کررہا ہے.... زاویے پر بھی دھیان رکھو۔"

"انٹینا قطب نما کی سوئی کی طرح متحرک ہے جناب۔ اس لئے سمت کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ وہ کسی ایک جگہ رکتا ہی نہیں۔"

"افسوس ہے کہ تم زیرو نائین کے استعمال سے ناواقف ہو.... نیچے.... دیکھو.... آٹھ سوئچ ہیں۔"

"جی ہاں جناب۔"

"بائیں طرف سے تیسرا سوئچ آن کردو... کردیا؟ ٹھیک اب دیکھو.... انٹینا کس پوزیشن میں ہے۔"

"جی ہاں.... جناب۔"

"بائیں طرف سے تیسرا سوئچ آن کردو۔ کردیا؟ ٹھیک اب دیکھو۔ انٹینا کس پوزیشن میں ہے۔"

"اوہ.... یہ رک گیا ہے جناب۔"

"سمت بتاؤ۔"

"شمال مغرب.... جناب اور پچھتر کا زاویہ ہے۔"

"گڈ.... دائیں جانب کا دوسرا سوئچ آن کردو۔"

"کردیا جناب۔"

"رزلٹ....!"

"تین رنگوں کی روشنی اسکرین پر کپکپا رہی ہے۔"

"تمہیں یقین ہے کہ وہ تین ہی رنگ ہیں۔"

"مجھے یقین ہے جناب۔"

"شاباش.... دونوں سوئچ آف کر کے مشین بند کردو شکریہ۔"

فریدی نے سلسلہ منقطع کردیا۔ ڈاکٹر ہرمین کہہ رہا تھا۔"بس اب اجازت دیجئے۔"

فریدی جیسے ہی مڑا اُس کی نظر مقامی محکمہ سراغ رسانی کے ایک ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پر پڑی جو ں کے پیچھے ہی کھڑا اُسے گھور رہا تھا۔

"کیا سمت معلوم ہوگئی۔" اُس نے پوچھا۔

"نہ صرف سمت بلکہ فاصلہ بھی۔" فریدی نے جواب دیا۔

"سمت آپ کو انٹینا سے معلوم ہوئی ہوگی.... لیکن فاصلہ۔"

"نہ صرف فاصلہ بلکہ کسی حد تک محل وقوع بھی۔"

"شاید آپ خواب کی باتیں کررہے ہیں۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

"زیرو نائین کا ریسیونگ سیٹ عام نہیں ہے۔ اس لئے ہر ایک اس کے متعلق نہیں جان نا۔ تین رنگوں کی روشنی کا مطلب یہ ہے کہ جہاں ریسیونگ سیٹ رکھا ہوا ہے وہاں سے نشرگاہ رف ساٹھ میل کے فاصلے پر ہے اور پچھتر ڈگری کا زاویہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اگر رگاہ سے ریسیونگ سیٹ تک خط مستقیم کھینچا جائے تو وہ خط اپنے بیس سے پچھتر ڈگری کا زاویہ ئے گا۔ یعنی اس کیس میں نشرگاہ لازمی طور پر ریسیونگ سیٹ سے کافی نیچائی میں ہے۔"

"یہ کیسے کہا جاسکتا ہے۔ کیا اونچائی سے پچھتر ڈگری کا زاویہ نہیں بن سکتا۔"

"یقیناً بن سکتا ہے لیکن اُس صورت میں زیرو نائین کا انٹینا قطب نما کی سوئی کی طرح تھرائے گا نہیں۔ اس تھرتھراہٹ کا یہی مطلب ہے کہ نشرگاہ ریسیونگ سیٹ کی سطح سے بہت ا ہے۔"

"لیکن اتنا معلوم ہوجانے پر بھی کیا ہوسکے گا۔"

"فی الحال میں نے اس پر غور نہیں کیا ہے۔" فریدی نے کہا اور فون کے پاس سے ہٹ آیا۔

کوتوالی سے باہر آکر اُس نے چاروں طرف نظر دوڑائی اور پھر آگے بڑھنے کا ارادہ کر ہی رہا کہ امر سنگھ نظر آیا جو لمبے لمبے قدم رکھتا ہوا اُسی طرف آرہا تھا۔

"کیوں؟ سردار....!" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں پتہ لگتا جناب کہ فولادی پر کس نے پتھر چلایا تھا۔"

"بہت اچھے امر میں اسی لئے ہی تمہاری قدر کرتا ہوں۔"

"جی....!" امر سنگھ بوکھلا گیا۔

"میں تم پر طنز نہیں کر رہا ہوں۔ یہ میں نے اس لئے کہا ہے کہ تم نے آتے ہی اس دھماکے تذکرہ نہیں کیا بلکہ کام کی بات کی ہے۔ میں یہاں دوسروں کو دیکھتا ہوں جنہیں اس دھماکے ۔ اپنی ڈیوٹیاں چھوڑ چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور کر دیا ہے۔ تم بہت اچھے جا رہے ہو امر۔ محکمے کو حقیقتاً ایسے ہی آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے.... خیر تو اس کے قریب کے لوگوں نے کیا بتایا۔"

"اُن کا کہنا ہے کہ مرنے والے نے پتھر نہیں پھینکا تھا بلکہ اُن میں سے کسی نے بھی حرکت نہ کی تھی۔ پتھر شاید اُن کی پشت سے آیا تھا، لیکن ابھی تک ایک بھی ایسا آدمی نہیں مل، جو پتھر پھینکنے والے کے متعلق کچھ بتا سکتا۔"

"کوتوالی کا پھاٹک اس وقت بند تھا۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اور ہم لوگ صحن میں تھے پھر یہی ہو سکتا ہے کہ پتھر پھینکنے والا ہمارے ساتھ ہی کوتوالی میں داخل ہوا ہو۔"

"کیا اس کا امکان نہیں ہے کہ کوتوالی ہی کے کسی آدمی نے پتھر پھینکا ہو۔"

"یہ بھی ممکن ہے لیکن کسی باہری آدمی کے امکان کو بھی نظر انداز نہ کرنا چاہئے۔ پتھر پھینکنے کا مقصد بھی تو ہونا چاہئے۔ یہ بچوں کا مجمع نہیں تھا۔ جدھر سے پتھر آیا تھا وہاں صرف یہیں آدمی تھے اُن میں ایک بھی آفیسر نہیں تھا۔ بڑے آفیسر سب میرے قریب تھے۔ لہٰذا ماتحتو میں اتنی ہمت نہیں ہو سکتی کہ وہ آفیسروں کی موجودگی میں ایسی کوئی حرکت کر بیٹھیں۔"

"جی ہاں.... یہ تو ناممکن ہے۔"

"پھر ہمیں کسی باہری ہی آدمی کی تلاش ہونی چاہئے۔"

اتنے میں کوتوالی سے ایک کانسٹیبل نے آکر اطلاع دی۔ "فون پر فریدی صاحب کی کال آئی ہے۔"

"آؤ....!" فریدی نے امر سنگھ سے کہا اور پھاٹک کی طرف مڑ گیا۔

فون کا کمرہ خالی تھا۔ فریدی نے امر سنگھ سے باہر ہی ٹھہرنے کو کہا اور خود فون کے قریب آیا

"ہیلو....!"

"کون صاحب۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"فریدی۔"

"اوہ.... کرنل صاحب.... دیکھئے.... میں رانا صاحب ایم۔پی کا سیکریٹری ہوں۔ رانا صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"رانا صاحب ایم پی ملنا چاہتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "کیا وہ یہیں ہیں۔"

"جی ہیں۔ آج ہی تشریف لائے ہیں۔ کیا آپ تکلیف کریں گے۔"

"نہیں.... میں بہت مصروف ہوں۔" فریدی نے کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "فی الحال ایک گھنٹے تک کوتوالی میں رہوں گا۔ اگر وہ تشریف لانا چاہیں تو میں کچھ نہ کچھ وقت ضرور نکال لوں گا۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ فریدی ریسیور رکھتے وقت مسکرایا تھا۔



دھماکہ گھاٹم پار میں بھی سنائی دیا تھا اور وہاں بھی بدحواسی پھیل گئی تھی۔ اس سے قبل طوفان نے سراسیمگی پھیلائی تھی اور اب پیر صاحب کے معتقدین یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ شاید کسی نہ کسی سے مزار کی بے حرمتی ہوئی ہے۔ اسی لئے اس قسم کی بلائیں نازل ہو رہی ہیں۔

دھماکے کے بعد وہاں بھی ریت کی بارش ہوئی تھی لیکن حمید کو اس کی وجہ نہ معلوم ہو سکی۔ یہاں پولیس کیمپ بھی تھا لیکن وہ ابھی تک اُس سے بے تعلق رہا تھا۔

ریت کی بارش ہونے کے کچھ دیر بعد اُس نے پولیس کیمپ کی راہ لی۔ وہ دراصل ٹرانسمیٹر پر فریدی سے گفتگو کرنا چاہتا تھا۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ آفیسر انچارج سے اس سلسلے میں گفتگو کرتا سے بعض لوگوں کی گفتگو سے معلوم ہو گیا کہ ٹرانسمیٹر میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہے۔

وہ پھر واپس ہوا۔ اب سوال یہ تھا کہ وہ رات کہاں بسر کرے گا۔ اس کا کیبن طوفان کی نظر ہو چکا تھا۔ قاسم کے کیبن کا بھی یہی حال ہوا تھا۔ ورنہ وہ اس کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کرتا ور نشاط کے منتظمین نے قطعی بیچارگی ظاہر کی تھی۔ ٹیکم گڈھ کے علاقے میں کبھی طوفان آتے ی نہیں تھے۔ اس لئے حفظِ ماتقدم کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ بہر حال نشاط والے اس وقت کوئی

انتظام نہیں کر سکتے تھے۔

کیبن وہی تباہ ہوئے تھے جو جھیل کے کنارے بنائے گئے تھے۔ فولادی نے پہلے ہی پیش گوئی کی تھی کہ جھیل کے کنارے والے کیبن تباہ ہو جائیں گے اور اب حمید یہ سوچنے پر مج ہو گیا تھا۔ اس طوفان میں یقیناً کوئی غیر معمولی بات تھی۔ اسے وہ مشینی آندھیاں یاد آئیں جن ایک بار سرزمین مصر میں سابقہ پڑا تھا۔ لوہے کے وہ پتلے یاد آئے، جو فولادی کی طرح چل تھے، لیکن گفتگو نہیں کر سکتے تھے۔ وہ خوفناک رات آئی جب وہ اور فریدی اُس ناقابل تسخیر گونگے بہرے دشمن کے پنجے سے بچنے کے لئے بھاگتے پھر رہے تھے۔[1]

وہ جھیل کے کنارے ایک چٹان پر بیٹھ گیا۔ چاندنی پہلے ہی کی طرح بکھری ہوئی تھی جھیل کی مرتعش سطح پر چاند کا عکس گل بوٹے بنا رہا تھا۔ نیچر اس سے لاپرواہ تھی کہ کچھ دیر یہاں کیا ہو چکا تھا۔

حمید نے جیب سے پائپ نکالا اور اس میں تمباکو بھرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جب نیچر ایسے حوادث سے بے تعلق ہے تو آدمی کیوں خواہ مخواہ بور ہوتا پھرے۔

دفعتاً وہ چونک پڑا۔ کیونکہ پولیس کا مائیکروفون چیخ رہا تھا۔ "ڈاکٹر زیٹو.... ڈاکٹر زیٹو. جہاں کہیں بھی ہوں پولیس کیمپ میں تشریف لائیں۔ کرنل ہارڈ اسٹون ان کا انتظار کر رہے ہیں

حمید کو بڑی حیرت ہوئی۔ آخر یہ حضرت یہاں کیسے پہنچ گئے۔ وہ اٹھا اور پولیس کیمپ طرف چل پڑا کیونکہ ڈاکٹر زیٹو اور کرنل ہارڈ اسٹون ایک دوسرے کو خوب سمجھتے تھے۔

حقیقتاً وہ فریدی ہی تھا اور کیمپ میں اُس کا انتظار کر رہا تھا۔

"آپ....!" حمید نے حیرت سے کہا۔

"ہاں آؤ....!" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ وہ دونوں خیمے سے باہر نکل آئے اور فریدی نے

"تم پر کیا گذری۔"

"اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ کیبن اڑ گیا اور اپنے ساتھ ایک سوٹ کیس بھی لے گیا۔"

"اوہ.... تو تم یہ رات کہاں گذارو گے۔ میں نے سنا ہے ایسے لوگ فی الحال کسمپرسی کے میں ہیں۔"

[1] اس لرزہ خیز داستان کے لئے جاسوسی دنیا کا "موت کی آندھی" ملاحظہ فرمائیے۔

"بھگت لوں گا.... اور کیا۔"

"نہیں تم ابھی اور اسی وقت میرے ساتھ واپس چلو گے۔"

"صبح ہو جائے گی چلتے چلتے۔ اس وقت یہاں خچر بھی نہیں ملیں گے۔"

"میں ہیلی کوپٹر پر آیا ہوں اور تمہاری واپسی بھی اُسی کے ذریعہ ہو گی، فکر نہ کرو۔"

"یہ دھاکہ کیسا تھا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ دونوں چلتے رہے اور پھر اُس جگہ جا پہنچے جہاں ہیلی کوپٹر اتارا گیا تھا۔

"یہ کم بخت فضائی موٹر سائیکل مجھے بالکل اچھی نہیں لگتی۔ کان پھٹ جاتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"چلو بیٹھو....!"

وہ دونوں ہیلی کوپٹر میں بیٹھ گئے اور ہیلی کوپٹر فضا میں بلند ہونے لگا۔

فریدی نے حمید کو دھماکے کے متعلق بتانا شروع کیا اور اس کے بعد حمید نے فولادی کی استان دہراتے ہوئے کہا۔ "تو اسے 'طوفان کا اغوا' سمجھنا چاہئے۔"

"یقیناً اس وقت سارے ملک میں ہیجان برپا ہے۔ محکمہ موسمیات کے اعلان کے مطابق وفان کا رخ اس طرح بدل جانا ممکنات میں سے ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ شاید وہ اونگھنے لگا تھا۔

دفعتاً ایک گرجدار آواز سنائی دی۔ "اے ہیلی کوپٹر.... پائیلٹ.... ہوشیار کمپاس پر نظر کھو۔ تمہارا رخ جنوب کی طرف ہونا چاہئے۔ ہیلی کاپٹر میں بیٹھے ہوئے آدمی چونک پڑے۔ آواز ر آئی۔ اگر تم ٹیکم گڈھ جانا چاہتے ہو تو جنوب کی طرف موڑ لو۔ میں رہنمائی کروں گا۔ ٹھہرو.... میں تمہارے قریب پہنچ رہا ہوں۔"

"فولادی....!" حمید بڑبڑایا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ دوسرے ہی لمحے فولادی ہیلی کوپٹر کے برابر فضا میں تیر رہا تھا اور دونوں ار فتار یکساں تھی۔

"موڑو.... جنوب کی طرف۔ ادھر خطرہ ہے۔ تم سب اُسی پہاڑ کی طرف کھنچے چلے جاؤ گے کچھ دیر قبل ریزہ ریزہ ہو چکا ہے۔ ابھی تک ڈاکٹر ہرمین اُس کشش پر قابو نہیں پا سکا جس نے وفان کا رخ موڑا تھا۔"

فولادی کے سر سے خارج ہونے والی روشنی ہیلی کوپٹر کے اندر بھی پھیلی ہوئی تھی۔ فریدی کی ہدایت پر ہیلی کاپٹر کا رخ جنوب کی طرف موڑ دیا گیا۔

"اوہ.... تم دونوں کو تو میں پہچانتا ہوں۔" فولادی سے آواز آئی۔ "تم ابھی کچھ دیر پہلے نیلم کے ساتھ تھے اور تم مجھے پولیس اسٹیشن لے گئے تھے۔"

"اور وہاں کسی قانون کے دشمن نے تم پر پتھر چلایا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "مجھے اس پر بے حد افسوس ہے۔"

"میرا کیا بگڑا.... نقصان تمہارا ہی ہوا۔" فولادی نے جواب دیا۔

"ڈاکٹر ہرمین.... تمہارے متعلق میری ایک پیشین گوئی ہے۔" فریدی نے کہا۔

پیشین گوئی میرے متعلق وہ کیا ہے؟"

"تمہارا طریق کار تمہیں لے ڈوبے گا۔ میں اب بھی کہتا ہوں کہ اگر تم انسانیت کی خدمت ہی کرنا چاہتے ہو تو منظر عام پر آ جاؤ۔ ہم لوگ اتنے ناسپاس گذار نہیں ہیں کہ تمہارے شایان شان استقبال نہ کریں گے۔"

"یہ ناممکن ہے اپنے ہی ہاتھوں اپنی قبر نہیں کھود سکتا۔" فولادی سے آواز آئی۔

"تمہاری مرضی۔ لیکن اس وقت تم نے جو کچھ بھی کیا ہے وہ قطعی غیر قانونی حیثیت رکھتا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اس سے کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔"

"لیکن اس کے امکانات تھے۔"

"کسی بھی تعمیر کے سلسلے میں تھوڑی بہت تخریب ہوتی ہی ہے۔"

"اور وہ تخریب اُسی وقت برداشت کی جاسکتی ہے جب ملک کا قانون اس کی اجازت دیتا ہو۔

فولادی نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ ہیلی کاپٹر کے ساتھ اس کی پرواز جاری رہی۔

"نیلم سے تمہاری بڑی گہری دوستی معلوم ہوتی ہے۔" حمید نے کہا۔

"ہاں مجھے وہ بہت پسند ہے۔ ایک ننھی منی سی نڈر لڑکی۔ وہ مجھے بے حد پسند ہے۔ میں اُ دنیا کی عظیم ترین عورت بناؤں گا۔"

"اپنی زبان قابو میں رکھو ورنہ ایک ہی ٹکر اس اڑنے والی مشین کے پرخچے اڑا دے گی۔"

فولادی کی آواز غصیلی تھی۔

"خاموش رہو۔" فریدی نے حمید کے ہاتھ کو دبا کر آہستہ سے کہا۔

قیامت

تقریباً ایک ہفتے تک ٹیکم گڈھ سے ریت ہٹائی جاتی رہی۔ اسی دوران میں حکومت کو جن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا بیان سے باہر تھیں۔ لوگ دور دراز سے سفر کر کے فولادی کو دیکھنے کے لئے آتے۔ شہر میں بھیڑ بڑھتے دیکھ کر باہر سے آنے والوں پر پابندی لگادی گئی۔ صرف وہی لوگ ٹیکم گڈھ کی حدود میں داخل ہو سکتے تھے جن کا یہاں آنا اشد ضروری ثابت ہو جاتا۔

فولادی اب بھی شہر میں گشت کرتا تھا لیکن اب اس کے آس پاس مسلح پولیس موجود ہوتی یا وہ فوجی سپاہی ہوتے، جو ٹیکم گڈھ کی صفائی کے لئے طلب کئے گئے تھے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ وہ کسی ایسی جگہ نمودار ہوتا جہاں نہ پولیس ہوتی اور نہ فوج۔ ایسے مقامات پر عام لوگ اُسے گھیر لیتے۔ وہ اب اُس سے خائف نہیں تھے۔

ایک رات فولادی کا گذر ایسی جگہ ہوا جہاں دو پارٹیوں کے درمیان جھگڑا ہو گیا تھا۔ معمولی جھگڑے نے بلوے کی صورت اختیار کرلی تھی۔ چند غیر مسلح کانسٹیبل دور کھڑے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ غالباً انہیں مسلح کانسٹیبلوں کا انتظار تھا۔

"ہٹ.... جاؤ.... ہٹ جاؤ۔" فولادی چیخا۔ "جھگڑا ختم کردو۔ ورنہ میں زبردستی دونوں پارٹیوں کو الگ کردوں گا۔ تمہارے چوٹیں آئیں گی۔"

لڑنے والوں نے دھیان نہ دیا۔ فولادی آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ پھر وہ اُن سے پچاس قدم کے فاصلے پر رک گیا۔

"یہ دیکھو۔" اُس نے کہا اور ساتھ ہی اس کا ایک ہاتھ اٹھا۔

"اب بھی ہٹ جاؤ۔" اُس نے دوبارہ کہا لیکن لڑنے والوں پر کوئی اثر نہ ہوا۔

دفعتاً اُس کے اٹھے ہوئے ہاتھ سے چنگاریوں کی بوچھاڑ ہونے لگی۔

بلوائی بوکھلا کر پیچھے ہٹ گئے۔

"بس اب بھاگ جاؤ.... ورنہ تمہارے جسموں پر بڑے بڑے آبلے ہوں گے۔ بھاگو۔"

فولادی نے ایک قدم آگے بڑھ کر کہا اور وہ سچ مچ بھاگ نکلے۔

ایک بار اسی طرح اُس نے چند غنڈوں کی مرمت کی تھی جو راہ چلتی عورتوں کو چھیڑ رہے تھے۔ اکثر توانا و تندرست گداگروں کو راہ میں روک کر انہیں لعنت و ملامت کرتا۔ غرضیکہ ابھی تک وہ ہر طرح امن پسند ہی ثابت ہوتا رہا تھا۔

لیکن فریدی مطمئن نہیں تھا۔ اُس کے سامنے بیک وقت دو مسائل در پیش تھے۔ ایک ڈاکٹر ہرمین اور دوسرے وہ اسمگلر جن کے کیس کا فائیل اس سے لے لیا گیا تھا۔ حالانکہ اُس نے فی الحال انہیں نظرانداز ہی کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن خود انہیں کی طرف سے چھیڑ چھاڑ جاری رہی۔ اس دوران میں بھی اُس پر دو حملے ہو چکے تھے اور دوسرا حملہ یقیناً خطرناک تھا لیکن بعض درخت ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں بڑے سے بڑا طوفان بھی نہیں ہلا سکتا۔ یہ اور بات ہے کہ ان کی چند شاخیں تیز و تند جھونکوں کی نظر ہو جاتی ہوں۔ یہی کیفیت فریدی کی بھی ہوئی تھی۔ اُس پر دستی بم پھینکا گیا تھا لیکن اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہو سکا تھا کہ اُس کی پنڈلیوں میں دو چار ہلکے سے زخم آگئے ہوں۔

اس حادثے کے بعد ہی حمید نے قسم کھائی تھی کہ جب بھی نیلم ہاتھ لگی اسے حراست میں لے کر کم از کم گروہ کا قلع قمع تو کر ہی ڈالے گا۔ اسے یقین تھا کہ وہ اب تک اُسے بیوقوف بناتی رہی ہے۔ مقصد یہی ہو سکتا تھا کہ کسی طرح فریدی پر قابو پایا جا سکے۔

نیلم ایک سوال تھی؟ غیر معمولی حالات میں اس سے ملاقات ہوئی تھی اور وہ خود بھی ابھی تک غیر معمولی ہی ثابت ہوتی رہی تھی۔

گھاٹم کے میلے سے واپسی پر بھی ایک بار وہ حمید سے ملی تھی۔ لیکن پھر جب سے فریدی پر حملے شروع ہوئے تھے کہیں اس کی پرچھائیں بھی نہیں نظر آئی تھی۔

دوسری طرف ڈاکٹر ہرمین کی تلاش بھی جاری تھی۔ ٹیکم گڈھ کے قریب و جوار کے ویران علاقے ہر وقت فوجیوں کے وزنی جوتوں کی دھمک سے گونجتے رہتے تھے۔

فریدی اور حمید کی تگ و دو بھی جاری تھی۔ ان کے ساتھ لاسلکی کے دو ماہرین بھی ہوتے تھے اور ان کا سفر صرف شمال مغرب ہی کی طرف ہوتا تھا۔ لیکن انہیں ابھی تک کامیابی ہو سکی تھی۔

ہرمین کی تقریریں روزانہ سنی جاتیں لیکن انہیں سننے کا طریقہ وہی تھا، جو ہرمین نے بتایا تھا۔ وہ اب ملکی نشریات میں خلل انداز نہیں ہوتا تھا بلکہ اُس کی تقریر سننے کے خواہشمند اسٹیتھو سکوپ اور اُس کے بتائے ہوئے محلول کے ذریعے اپنی یہ خواہش پوری کرتے تھے۔

فریدی کے ساتھ کام کرنے والوں نے اسی فارمولے کے تحت ایک چھوٹا سا سیٹ بنا لیا تھا اور اب اس فکر میں تھے کہ کسی طرح وہ سیٹ بھی نشرگاہ کی سمت ظاہر کرنے کے قابل ہو جائے۔

فریدی کے متعلق اُن کا خیال تھا کہ وہ اپنی بہترین صلاحیتیں ضائع کر رہا ہے۔ اگر اس نے محکمہ سراغرسانی کا رخ کرنے کی بجائے لاسلکی میں دلچسپی لی ہوتی تو شائد آج وہ بھی ایک موجد کی حیثیت سے پبلک میں روشناس ہوا ہوتا۔

اس وقت وہ چاروں ایک غار میں بیٹھے بارش تھمنے کا انتظار کر رہے تھے۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اگر یہیں رات ہو گئی تو صبح کوئی کفن دفن کرنے والا بھی نہ ملے گا۔ کیونکہ بارش کی وجہ سے اچھی خاصی سردی ہو گئی تھی اور اُسے اگست میں بھی دسمبر یا جنوری کا مزہ آ رہا تھا۔

وہ صبح سے اب تک چلتے ہی رہے تھے۔ اگر بارش نہ شروع ہو جاتی تو شاید اب بھی ان کا سفر جاری ہی رہتا۔

حمید تھک کر چور ہو گیا تھا اور وہ بارش اس کے لئے سچ مچ بارانِ رحمت ہی ثابت ہوئی تھی لیکن جب وہ کسی طرح رکنے کو نہ آئی تو وہ بور ہونے لگا۔ اس کے لئے واپسی کا سفر اتنا کٹھن نہ ہوتا جتنا کہ اُس غار میں رات بسر کرنا؟

"کیپٹن آپ خاموش نہ ہوا کریں تو بہتر ہے۔" جمیل نے کہا اور اس کے ساتھی نے بھی اس کی تائید کی۔

"ایک خاموشی ہزار بلائیں ٹالتی ہے۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

"خدا کیلئے خاموش ہی رہنا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "ورنہ ہو سکتا ہے کہ میں بھی ٹل جاؤں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اُس نے جیب سے تمباکو کی پاؤچ نکالی اور پائپ بھرنے لگا۔ فریدی نے ایک پتھر سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ سگار اُس کی انگلیوں میں دبا ہوا سلگ رہا تھا اور دونوں ماہرین اس مسئلے میں الجھے ہوئے تھے کہ معدے کے لئے چائے مضر ہے یا پانی؟

"دونوں ہی مضر ہیں۔" حمید نے شاید بحث کا خاتمہ کرنے کے لئے کہا۔

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔" جمیل بولا۔

"کیونکہ فی الحال ان دونوں میں سے ایک بھی ہمیں نصیب نہیں۔" حمید نے جواب
"ورنہ میں اپنا معدہ تباہ کر کے آپ کو دکھا دیتا۔"

"تم بہت تھک گئے ہو اس لئے خاموش ہی رہو تو بہتر ہے۔" فریدی نے کہا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ مگر تھوڑی دیر بعد بولنا ہی پڑا کیونکہ وہ بہت شدت سے کافی یا چائے ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ اُس نے کہا۔ "اگر اس وقت میں نے اپنا معدہ برباد نہ کیا تو زکام میں ہو جاؤں گا۔"

فریدی اس کی طرف دھیان دیئے بغیر دونوں ماہروں کی طرف دیکھ کر بولا۔ "ہم اب شمال مغرب میں تقریباً ساٹھ میل کا سفر کر چکے ہیں لیکن ابھی پہلا ہی دن ہے زیرونائین صرف سمت اور فاصلہ ہی معلوم ہو سکتا ہے لیکن ہم ساٹھ میل کے اندر دائرہ عمل نہیں کر سکے۔ اب اگر اس وقت ہمارے پاس کوئی ایسا سیٹ ہوتا جو نشر گاہ کی طرف اشارہ کر سکتا....

فریدی جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو گیا۔ حمید اُسے گھورنے لگا کیونکہ اُس کے لئے بات کہے بغیر خاموش ہو جانا خلاف معمول تھا۔ دونوں ماہرین بھی اس کی طرف دیکھنے لگے تھے

"کیا بات ہے۔" آخر حمید پوچھ ہی بیٹھا۔

"کچھ نہیں... میں یہ سوچنے لگا تھا کہ وہ لڑکی نیلم... اس سلسلے میں کارآمد ثابت ہو سکتی ہے

"یہ بالکل انوکھی بات ہوئی ہے۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

"کیوں؟"

"کیا اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔"

"تجربے کے طور پر۔" فریدی نے جواب دیا۔

"میں اُسے آج تک سمجھ ہی نہیں سکا۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ ذہنی کشمکش کی ایک بہترین مثال ہے۔"

"لیکن آپ اُس سے کیا کام لیں گے۔"

"پہلے اُسے تلاش کرنے کی کوشش کرو۔"

"کیا یہ لڑکی سچ مچ دنیا کی بڑی عورت بننے والی ہے۔" حمید نے کہا اور پھر یک بیک با

اڑادی۔ شاید کوئی شاندار پھبتی اُس کے ذہن میں کلبلائی تھی۔ لیکن پھر ان دونوں ماہرین کی موجودگی کا خیال آتے ہی اُسے اُگل دینے کا ارادہ ترک کر دیا۔

"اُسے تلاش کرو۔" فریدی نے پھر کہا۔

"ضروری نہیں کہ وہ مل ہی جائے کیونکہ جب سے حملوں کا دور شروع ہوا ہے اُس کی شکل نہیں دکھائی دی۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وقت گذرتا رہا اور بارش بدستور ہوتی رہی۔ دفعتاً حمید بڑبڑایا۔

"اب اتنی رات گئے کہاں تشریف لے جایئے گا۔ آرام کیجئے۔ اگر بھوک لگے تو پتھر حاضر ہیں۔ پیاس ہر حال میں بجھ جائے گی کیونکہ بادل اتنی دیر سے جھک نہیں مار رہے ہیں۔"

"ہاں.... رات تو اب یہیں بسر ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ پانی کے لئے بادلوں ہی کا ممنون ہونا پڑے گا لیکن تمہیں پتھر نہیں چبانے پڑیں گے۔ مطمئن رہو۔"

حمید جانتا تھا کہ فریدی کے چرمی تھیلے میں بہت کچھ ہے لیکن وہ اس سرد رات میں ٹھنڈے گوشت سے بچنا چاہتا تھا۔

"میں سڑی بسی اشیاء پر پتھروں کو ترجیح دیتا ہوں۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ وہ اور بھی نہ جانے کیا کیا بک جاتا مگر جمیل اور کرمانی کی موجودگی مانع رہی۔

کچھ دیر بعد سفری اسٹوو روشن ہو گیا اور اس پر کافی کے لئے پانی رکھ دیا گیا۔ ان کے پاس خوردونوش کے سارے لوازمات موجود تھے چونکہ سفر طویل ہو جانے کے امکانات بھی ہو سکتے تھے اس لئے فریدی تقریباً سارے ہی انتظامات کا خیال رکھتا تھا۔

دفعتاً ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا۔ فریدی اس کی طرف متوجہ ہو گیا دوسرے ہی لمحے میں ٹرانسمیٹر سے آواز آئی۔

"کرنل.... فریدی.... کرنل فریدی.... واصف اسپیکنگ پلیز....!"

"فریدی اسپیکنگ.... ہیلو....!"

"آپ کہاں۔"

"یہ نہیں بتایا جا سکتا.... آپ مدعا بیان فرمایئے۔"

"فولادی نے یہاں تہلکہ مچا دیا ہے۔ ایک کار الٹ دی ہے۔ دو آدمیوں کو کچل دیا اور

اب.... شائد اُس کا ارادہ ہے کہ مشن روڈ کے سارے الیکٹرک پول اکھاڑ کر پھینک دے گا۔"

"یہ ہوا کیسے! کیا اُس پر حملہ کیا گیا تھا۔"

"نہیں اس قسم کی کوئی اطلاع نہیں ملی۔ یک بیک اُس نے ایک کار الٹ دی تھی۔ لوگ ڈ
کر بھاگے تو وہ ان پر چڑھ دوڑا۔ نتیجے کے طور پر دو آدمی ہلاک ہوگئے۔ شہر سنسان ہوگیا ہے۔"

"پھر.... اب کیا ہو رہا ہے۔ کیا فوجیوں نے اُسے پکڑنے کی کوشش کی تھی۔"

"نہیں.... لیکن اب اُس پر چاروں طرف سے گولیاں برسائی جارہی ہیں۔"

"گولیوں کا حشر....!" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"اُن سے لاتعداد فوجی زخمی ہوئے ہیں۔"

"اور اس کے باوجود بھی یہ کھیل جاری ہے۔" فریدی غرایا۔

"کچھ نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ حکام نے شہر فوج کے حوالے کر دیا ہے۔ اب تجویز یہ ہے
اُس پر بھاری گولے پھینکنے والی گنیں آزمائی جائیں۔"

"ٹیکم گڈھ کھنڈر بن جائے گا۔ اس خبط سے انہیں باز رکھیے۔ اس کی بجائے یہ معلوم کیجئے
اُس کے رویئے میں یہ تبدیلی کیوں ہوئی۔"

"اب وہ کسی بات کا جواب نہیں دیتا۔ گونگا اور بہرہ ہوچکا ہے۔ آج جب وہ وہاں پہنچا
معمول کے مطابق نہ تو کسی سے گفتگو کی تھی اور نہ ٹریفک کانسٹیبل کو ہدایتیں ہی دی تھیں۔ بس
ہی ایک کار الٹ دی اور کار میں کوئی معمولی آدمی بھی نہیں تھا بلکہ ہوم سیکریٹری مسٹر چوہان۔"

"مسٹر چوہان....!" فریدی نے متحیرانہ انداز میں دہرایا۔

"ہاں کرنل.... آپ جہاں کہیں بھی ہوں جلد از جلد ٹیکم گڈھ پہنچنے کی کوشش کریں

"بارش کا زور کم ہونے سے پہلے ناممکن ہے کیونکہ ایسی طوفانی بارش میں ہیلی کاپٹر ا
کرنا خطرے سے خالی نہ ہوگا۔"

"بہر حال جلدی کیجئے۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور آواز آنی بند ہوگئی۔

"دیکھا....!" فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ "وہی ہوا جس کا خدشہ تھا۔ میں جا
ایک نہ ایک دن اس کی نوبت ضرور آئے گی۔"

"ہرمین کی شرافت اور نیک نفسی کہاں گئی!" حمید بڑبڑایا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ اپنا سامان سمیٹ رہا تھا۔ جمیل اور کرمانی خاموش رہے۔ حمید نے غار کے دہانے پر آکر دیکھا۔ بارش کے زور میں کمی نہیں ہوئی تھی۔ وہ پھر واپس آگیا۔

"کیا آپ واپسی کی تیاری کر رہے ہیں۔" اُس نے فریدی سے پوچھا۔

"ہاں کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔"

"بارش کا وہی عالم ہے۔ پیدل جانے کا خیال ہی....!"

"ٹھہرو....!" فریدی نے کہا۔ وہ پھر ٹرانسمیٹر کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔

ٹرانسمیٹر سے آواز آئی۔ "کرنل فریدی.... کرنل فریدی، واصف اسپیکنگ پلیز....!"

"فریدی اسپیکنگ....!"

"آپ کہاں ہیں۔"

"میں نے ایک بار کہہ دیا کہ یہ نہیں بتا سکتا۔"

"اوہ.... پھر آپ کتنی دیر بعد یہاں پہنچ رہے ہیں۔"

"اس سے بھی اندازہ ہو جائے گا کہ ٹیکم گڈھ سے کتنی دور ہوں۔ لہٰذا اب سوال کا بھی جواب نہیں دے سکتا کیونکہ میں ابھی تک آواز سے آپ کو نہیں پہچان سکا۔"

"اوہ اچھا.... اچھا.... مگر پہنچنے میں جلدی کیجئے۔ اعلیٰ حکام آپ کی موجودگی ضروری سمجھتے ہیں۔"

فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر حمید کی طرف دیکھا۔ ٹرانسمیٹر سے آواز آنی بند ہوگئی۔

"یہ دھوکا بھی ہوسکتا ہے۔" فریدی بڑبڑایا۔

"میں نہیں سمجھا۔" حمید نے کہا۔

لیکن قبل اس کے کہ فریدی اُسے سمجھاتا ٹرانسمیٹر سے آواز آئی۔

"سونا گھاٹ پر بحری فوج کے لئے جو بندرگاہ تعمیر کی جارہی ہے فوراً روک دی جائے ورنہ اس کا انجام بہت بُرا ہوگا۔ میں ڈاکٹر ہرمین.... یہاں کی حکومت سے مخاطب ہوں۔ وہاں بحریہ کا اڈہ نہیں بن سکتا۔ سارے جنگی جہاز وہاں سے کل آٹھ بجے رات تک ہٹائے جائیں ورنہ نقصان کا اندازہ کرنا بھی دشوار ہو جائے گا اور دوسری وارننگ.... اپنے جاسوسوں کو میری تلاش سے باز رکھو ورنہ تمہارے ہر شہر میں کم از کم ایک فولادی ضرور نظر آئے گا۔ اور یہ تو تم ابھی دیکھ ہی چکے ہو کہ صرف ایک فولادی پورے پورے بریگیڈ تباہ کر سکتا ہے۔ کل آٹھ بجے رات تک سونا گھاٹ

سے نیوی کے جہاز ہٹ جانے چاہئیں۔ کل آٹھ بجے رات تک.... ورنہ آٹھ بج کر پانچ منٹ پر ایک بہت بڑے خسارے کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

آواز ختم ہوگئی اور فریدی کے ساتھی اپنا سامان ہی تلاش کرتے رہ گئے۔ وہ اس وقت بھی نشرگاہ کی سمت معلوم نہ کر سکے۔ زیرونائین ساخت کا سیٹ اُن کے ساتھ تھا لیکن اس کا ایک حصہ انہیں وقت پر نہ مل سکا۔ وہ اُسے تلاش کرتے رہ گئے۔

"کیا مصیبت ہے۔" جمیل نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "اسے بدنصیبی کہتے ہیں۔"

"پرواہ مت کیجئے۔" فریدی نے جواب دیا۔

کچھ دیر کے لئے سکوت طاری ہوگیا۔ لیکن کیپٹن حمید اس تقریر کے دوران میں بھی اسٹوو اور کافی کے برتن ہی کی طرف متوجہ رہا تھا۔

اُس نے برتن نیچے اتار کر اُس میں کافی ڈال دی اور نتھنے سکوڑ سکوڑ کر اس کی خوشگوار بو اپنے پھیپھڑوں میں بھرتا رہا۔

پھر اُس نے اُن تینوں کے لئے بھی پیالیاں تیار کیں۔

جمیل اور کرمانی ہچکچائے کیونکہ انہوں نے ابھی ایک بُری خبر سنی تھی اور وہ بھی نہ ہو پایا تھا جس کے لئے وہ ان ویران پہاڑیوں میں بھٹکتے پھر رہے تھے۔

"ہاں.... لیجئے نا۔" فریدی مسکرایا۔ "اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ اولادِ آدم پر جو کچھ بھی آتی ہے گذر ہی جاتی ہے۔"

انہوں نے پیالیاں اٹھائیں اور حمید تو پہلے ہی شروع کر چکا تھا۔ وہ دو تین گھونٹ لینے کے بعد پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب شائد ان کے زوال کا وقت قریب آگیا ہے۔ فولادی کے آگے کوئی ٹھہر سکتا تھا۔ ہرمین کا دعوٰی غلط نہیں تھا کہ ہر شہر کے لئے صرف ایک ایک فولادی کافی ہوگا۔

انہوں نے کافی ختم کی۔ اتنے میں ٹرانسمیٹر پر پھر اشارہ موصول ہوا۔ لیکن فریدی خاموش ہی رہا۔ بولنے والے نے پھر اپنا نام واصف بتایا۔ فریدی اس پر بھی کچھ نہیں بولا۔ اس کے بعد تھوڑی دیر تک کرنل فریدی کی پکار ہوتی رہی پھر ٹرانسمیٹر خاموش ہوگیا۔ فریدی نے اس بار ا کا سوئچ آف کر دیا۔

"میں اس کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔" حمید نے فریدی کو مخاطب کیا۔

"کچھ بھی نہیں۔ میں اُسے کتنی بار بتاؤں کہ بارش تیزی سے ہو رہی ہے۔ اسلئے سفر فی الحال ناممکن ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اُس کی آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس عذر میں وزن نہیں محسوس کر رہا ہے۔

"غالباً کرنل صاحب کا خیال ہے کہ انہیں ٹریپ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔" جمیل نے کہا۔

"آپ کا خیال کسی حد تک صحیح بھی ہو سکتا ہے۔" کرمانی سر ہلا کر بولا۔

فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

"بلکہ میرا خیال ہے کہ ہم کسی جال میں پھنس چکے ہیں۔ مجھے ہرمین سے توقع نہیں ہے کہ اتنی جلدی بدل جائے گا۔ مجھے وہ پتھر ابھی تک یاد ہے حمید صاحب جو کوتوالی میں فولادی پر پھینکا گیا تھا۔"

"مگر ہم جال میں کس طرح پھنس سکتے ہیں۔"

"میں اس وقت سمگلروں کی بات کر رہا ہوں۔"

"گڈ لارڈ.... وہ اس ٹرانسمیٹر کے ذریعے ہمیں کیسے ٹریپ کریں گے۔"

"کر چکے فرزند! پہلے ہی مجھ سے غلطی ہو چکی ہے۔ میں نے پہلی کال کے جواب میں بھی احتیاط برتی تھی، لیکن پھر بھی ہیلی کوپٹر کا تذکرہ آ ہی گیا تھا۔"

"میں اس وقت بہت زیادہ غور کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔" حمید نے اکتا کر کہا۔

"ہمارے ساتھ ہیلی کاپٹر ہونے کا یہی مطلب ہے کہ ہم دشوار گذار پہاڑیوں میں سفر کر رہے ہیں اور دشوار گذار پہاڑیاں اس علاقے کے علاوہ ٹیکم گڈھ میں اور کہیں نہ ملیں گی۔"

حمید منہ کھول کر رہ گیا۔ دونوں ساتھی نہ صرف متحیر بلکہ خوفزدہ بھی نظر آ رہے تھے۔

"پھر اب کیا ہوگا۔" جمیل نے کہا۔ "ہم دونوں تو شائد صحیح طریقے سے ریوالور پکڑ بھی نہ سکیں۔"

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" فریدی مسکرایا۔ "آپ سے اتنی توقع تو کی ہی جا سکتی ہے کہ جو کچھ آپ سے کہا جائے وہی کریں۔"

"آپ غلط سمجھے۔" کرمانی بول اٹھا۔ "ہم خائف نہیں ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ ہمیں جنگ و جدل کا تجربہ نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہم آپ کی پریشانیوں میں اضافے ہی کا باعث بن جائیں۔"

"اس کی پرواہ نہ کیجئے۔"

"ارے اگر گولی لگ گئی۔ مارے گئے تو کیا پرواہ کرنے والے کرایہ پر مہیا کئے جائیں گے۔" حمید نے کہا۔

"فضول بکواس نہ کرو۔" فریدی نے اُسے ڈانٹا۔

"یہی حضرات چاہتے ہیں کہ میں کبھی خاموش نہ ہوا کروں۔"

اُن دونوں کے ہونٹوں پر بیجان سی مسکراہٹیں نظر آئیں لیکن وہ کچھ بولے نہیں۔ فریدی نے پھر سامان اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ دفعتاً اس نے حمید سے کہا۔ "تم یہ دیکھ ڈالو کہ اس غار کا کوئی دوسرا دہانہ بھی تو نہیں ہے۔"

حمید نے ٹارچ نکالی اور غار کا جائزہ لینے لگا۔ کرمانی اس کا ساتھ دے رہا تھا۔

پھر دس منٹ کے اندر ہی اندر حمید نے رپورٹ دے دی کہ اس غار میں کوئی دوسرا دہانہ نہیں تھا اور ساتھ ہی یہ بتایا کہ وہ اس کے اندر محفوظ بھی نہیں رہ سکتے تھے۔

کچھ دیر بعد بارش کا زور کم ہونے لگا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ گھٹاٹوپ اندھیرے میں شاید چار ٹارچیں بھی ناکافی ہوں۔

فریدی غار کے دہانے تک آیا۔ حمید وغیرہ سامان اٹھا رہے تھے۔ فریدی کچھ دیر تک دہانے پر ٹھہرا اور پھر واپس آگیا۔

"ہو سکتا ہے میرے اندیشے بالکل ہی غلط ہوں۔" اس نے کہا۔

کوئی کچھ نہ بولا۔ انہوں نے اپنا اپنا سامان سنبھالا اور غار سے باہر نکل آئے۔ بارش اب صرف ہلکی سی پھواروں تک محدود رہ گئی تھی۔ وہ اس طرف چل پڑے جہاں ہیلی کوپٹر کھڑا کیا گیا تھا۔ خود فریدی ہی اُسے پائلٹ کر کے یہاں تک لایا تھا۔

ہیلی کوپٹر تک پہنچنے میں انہیں کوئی دشواری نہیں پیش آئی۔

حمید اُس وقت تک ریوالور سنبھالے رہا جب تک ہیلی کوپٹر فضا میں نہیں بلند ہو گیا۔ رام گڈھ پہنچ کر حقیقتاً انہوں نے سارے بازار ویران دیکھے۔ البتہ گلی کوچوں میں بھی مسلح فوجی گشت

کر رہے تھے۔ جیسے ہی ہیلی کوپٹر شہر میں داخل ہوا ٹرانسمیٹر پر فوجی وائرلیس سے پوچھ گچھ ہونے لگی۔ فریدی نے اپنی شخصیت ظاہر کئے بغیر پرواز کی اہمیت بتائی۔

"آپ ایئر پورٹ کے علاوہ اور کہیں نہیں لینڈ کر سکتے۔" جواب ملا۔

فریدی نے ہیلی کوپٹر کا رخ ایئر پورٹ کی طرف پھیر دیا۔

"تو پھر وہ پیغام واصف ہی کا تھا۔" حمید نے کہا۔

"یقیناً اسی کا تھا۔ لیکن ٹرانسمیٹر پر میں نے اس کی آواز پہلی بار سنی تھی۔ اس لئے یقین کر لینے میں تامل ہوا۔"

انہوں نے فوجی ہدایت کے مطابق ہیلی کوپٹر ایئر پورٹ ہی پر اتارا۔ لیکن نشاط تک پہنچنے کا مرحلہ ابھی باقی تھا کیونکہ یہاں ایئر پورٹ کے باہر بھی فوجیوں کا کڑا پہرہ تھا اور مسافروں کو باہر نہیں نکلنے دے رہے تھے۔ یہیں انہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ فولادمی پر گولے پھینکنے والی گنیں بھی استعمال کی گئی تھیں لیکن گولوں کا بھی وہی حشر ہوا جو گولیوں کا ہوا تھا۔ یعنی وہ بھی پلٹ گئے تھے اور ان کی واپسی سے بہتیری عمارتوں کو نقصان پہنچا تھا۔ پھر ایک حادثہ اور ہوا جب فولادمی نے فضا میں پرواز شروع کی تو ایک جیٹ طیارہ اُس کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ لیکن وہ پانچ ہی منٹ بعد زمین پر تھا۔ کسی کو نہ معلوم ہو سکا کہ یہ حادثہ کیسے ہوا تھا۔ پائلٹ بچا ہی نہیں تھا کہ تفصیل معلوم ہو سکتی۔

انہیں وہ رات ایئر پورٹ پر بسر کرنی پڑی۔ ویسے اگر فریدی چاہتا تو ایئر پورٹ سے واصف کو فون کر کے اپنی روانگی کا انتظام کرا سکتا تھا۔ لیکن اس نے خود ہی شہر جانے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔

اس کی وجہ حمید کی سمجھ میں نہ آسکی۔ استفسار پر فریدی نے اتنا ہی کہا۔

"فضول ہے۔ جو کچھ بھی ہونا تھا ہو چکا۔ اب کل آٹھ بجے رات سے پہلے کچھ نہیں ہوگا۔ دیکھیں ہرمین کس طرح اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہناتا ہے۔"

قاسم کی کہانی

سراسیمگی صرف ٹیکم گڈھ ہی تک محدود نہیں تھی۔ بلکہ اس کا اثر ملک کے دور افتادہ حصوں پر بھی پڑا تھا چونکہ ہرمین کا اعلان ملک کے گوشے گوشے میں سنا گیا تھا۔ اسلئے ہیجان پھیلنا لازمی تھا۔

دوسرے ہی دن ٹیکم گڈھ فوجی علاقہ قرار دے دیا گیا۔ شہری آبادی ویران ہونے لگی۔ لوگ ٹیکم گڈھ سے نکل بھاگنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ لیکن اب چونکہ نظم و نسق فوج کے ہاتھ میں تھا اس لئے وہ روکے جانے پر احتجاج بھی نہیں کر سکتے تھے۔

فریدی اور حمید عضو معطل کی طرح محکمہ سراغ رسانی کے دفتر میں وقت گذار رہے تھے۔ سوپر واصف فریدی سے کہہ رہا تھا۔ ”اسی ٹیکم گڈھ میں کیا کیا نہیں ہوا۔ نیلی روشنی والا کیس مجھے آج بھی یاد ہے۔ آپ ہی تو تھے جس نے اس لایعنی اور بے سروپا کیس کی کڑیاں ملائی تھیں۔ مجھے یقین ہے کہ ہرمین بھی آپ ہی کے ہاتھوں شکست کھائے گا۔“

”ضروری نہیں۔“ فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”نیلی روشنی والا کیس اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھا۔ کیا اس سلسلے میں بھی اتنا ہی ہیجان پھیلا ہوا تھا۔“

واصف کچھ نہ بولا۔ فریدی نے کہا۔ ”اگر سونا گھاٹ سے بحریہ کے جہاز نہ ہٹائے گئے تو حقیقتاً حکومت کو کسی بڑے خسارے سے دوچار ہونا پڑے گا۔“

”کس قسم کا خسارہ۔“

”یہ تو وقت آنے پر ہی معلوم ہو سکے گا۔“

”کیا آپ اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتے۔“

”فی الحال اتنا ہی کہ سونا گھاٹ سے سارے جہاز ہٹا لینے کا مشورہ دوں۔ میں نے ہیڈ آفس کو اس سلسلے میں ایک تار دیا ہے۔“

”لیکن میرا خیال ہے کہ جہاز وہاں سے نہیں ہٹائے جائیں گے۔“ حمید بول پڑا۔

”وہ ہٹائیں یا نہ ہٹائیں۔ میری ناقص رائے یہی ہے اور یہی رہے گی۔ فی الحال اپنا زیادہ سے زیادہ بچاؤ کرنا پڑے گا۔“

فریدی اپنی تاویلات پیش کر رہا تھا۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ ہرمین کی دھمکی کا انجام دیکھے بغیر نئے سرے سے کام نہیں شروع کرنا چاہتا تھا۔

دوپہر ہونے سے پہلے ہی وہ نشاط میں واپس آ گئے۔ ان کا قیام اب بھی یہیں تھا۔ نشاط پہنچ کر حمید کو قاسم کی تلاش ہوئی کیونکہ وہ پچھلی رات سے اب تک بے تحاشہ بور ہوتا رہا تھا۔ قاسم ملا تو لیکن اُس کا موڈ بھی ٹھیک نہیں تھا۔ حمید کو دیکھتے ہی اُس کا منہ پہلے سے زیادہ

ٹیڑھا ہو گیا۔

”کیوں پیارے کیا بات ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”میں.... گھار جاؤں غا۔“ قاسم غرایا۔

”تمہیں روکا ہے کسی نے؟“

”ہاں سب تمہاری ہی حرکت ہے۔“

”میں نے کیا کیا ہے۔“

”یہ باہر جو فوجی موجود ہیں۔“

”آ.... ہاں.... وہ تو ہمیں بھی روک رہے ہیں۔“

قاسم کچھ نہ بولا۔ حمید نے کہا۔ ”تم خواہ مخواہ بور ہو رہے ہو۔ اتنی بڑی آبادی ہے کیا سبھی مر جائیں گے۔“

”میں مرنا چاہتا ہوں۔“ قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”کیوں.... کیوں.... خیریت۔“

”کچھ نہیں جاؤ.... میں بات نہیں کرنا چاہتا۔ چلے جاؤ۔“ قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ ”تم سالے بھیس بدل کر مجھے اُلو بناتے ہو۔“

”شاید تم نشے میں ہو۔“

”تم خود نشے میں ہو۔ مٹی کا تیل پی گئے ہو۔ مجھے نیلم نے بتایا تھا۔ خدا کرے مرتے وقت تمہیں کلمہ بھی نصیب نہ ہو۔“

”نہیں.... بڑی بی ایسا نہ کہو۔“

”بس اب چلے ہی جاؤ، ورنہ.... اچھا نہیں ہو گا۔“

”شاید تمہیں کسی نے بہکایا ہے.... نیلم تمہیں کب اور کہاں ملی تھی۔“

”ملی ہو گی کہیں.... میں اب اس کا نام بھی نہیں سننا چاہتا۔“

”مجھے اُس کی تلاش ہے اگر مل گئی تو ایسی سزا دوں گا جو زندگی بھر یاد رہے۔“

”قیوں؟ قیوں؟“

”اُس نے مجھے دھوکا دیا۔ وہ پکی فراڈ ہے۔“

"کیسے دھوکا دیا۔"

"اس کا ایک ساتھی ہے بڑی مونچھوں والا۔"

"ارے بس....!" قاسم آنکھ نکال کر بولا۔ "اب زیادہ اُلو نہ بناؤ۔ وہ تم ہی تو تھے۔ اتنا یاد رکھنا.... میرا نام قاسم ہے۔"

"میں تمہارے باپ تک کے نام سے واقف ہوں۔ مگر تمہیں کسی نے بہکایا ہے۔ کیا اُسی نے بتایا تھا کہ وہ بڑی مونچھوں والا میں تھا۔"

"ہاں....!"

"اوہ.... کتنی مکار ہے۔ اسی طرح اُس نے مجھے بھی دھوکا دیا تھا۔ وہ بڑی مونچھوں والا مجھے جہاں بھی مل گیا گولی ماردوں گا۔"

"کیا دھوکا دیا تھا۔"

"یہ نہیں بتاؤں گا۔ بتاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ لیکن تم بتاؤ کہ اُس سے اتنے بیزار کیوں ہو؟"

"ارے.... سالی نے کباڑا کر دیا پیدل چلتے چلتے اس کی ایسی کی تیسی۔ جہاں بھی مل گئی گلا گھونٹ کر مار ڈالوں گا۔"

"آخر کیوں؟"

"قیوں.... قیا قرتے ہو۔" قاسم جھلاہٹ میں کئی قاف بول گیا۔

"میں عنقریب اُسے حراست میں لینے والا ہوں۔"

"وہ سالی.... مجھے نہ جانے کہاں لے گئی تھی اور میں قے کرتے کرتے بیہوش ہو گیا تھا۔"

"کہاں لے گئی تھی.... کیسے لے گئی تھی۔"

"میلے سے لے گئی تھی۔ وہ جس رات کو طوفان آیا تھا اس کی دوسری رات بھی میرے پاس آئی اور کہنے لگی۔"

قاسم نے اس کا بیان اُسی کے انداز میں دہرانے کے لئے پینترا بدلا اور اپنی آواز باریک کرنے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ "میں تم سے محوبت کاروں گی۔ چالو میرے ساتھ.... میری کار میں بیٹھ جاؤ۔"

"کار.... وہاں میلے میں۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"ہاں.... سنو تو.... میں بالکل اُلو کا پٹھا ہو گیا تھا۔ مجھے یقین آ گیا۔ میں نے کہا اگر تم اونٹ پر بھی بٹھاؤ تو بیٹھ جاؤں۔ چالو.... کہاں ہے کار۔ وہ مجھے وہاں لائی جہاں کار کھڑی تھی۔ میں اس کے ساتھ ہی اُس میں بیٹھ گیا۔ لیکن ڈرائیور کی سیٹ مجھے کہیں نہ دکھائی دی۔ میں نے اس سے پوچھا ہی تھا کہ کار ہوا میں اڑنے لگی اور میرا سر چکرانے لگا۔ میں نے جی بھر کر غل غپاڑہ مچایا۔ جس پر وہ بڑے پیار سے بولی۔"

قاسم خاموش ہو کر منہ چلانے لگا۔ پھر نیلم کی آواز کی نقل اتارنے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔

"فولادی ہمیں اپنے گھر لے جا رہا ہے پیارے۔ وہ مجھے تنہا لے جا رہا تھا لیکن میں نے سوچا اپنے پیارے قاسم کو بھی ساتھ لیتی چالوں۔ کچھ دیر بعد ہم لوغ واپس آ جائیں گے۔"

"کار اڑنے لگی تھی۔" حمید نے بے اعتباری کے ساتھ پوچھا۔

"ہاں اڑنے لگی تھی۔"

"تم نے فولادی کو دیکھا تھا۔"

"نہیں.... وہ تو بعد میں نظر آیا تھا جب ہم وہاں اترے تھے۔"

"کہاں اُترے تھے۔"

"تمہاری باپ کی سسرال میں۔" قاسم جھلا کر بولا۔ "ابے میں کیا جانوں کہاں اترے تھے۔"

"اچھا....!" حمید نے غصیلی آواز میں کہا۔ "تم اتنی دیر سے مجھے اُلو بنا رہے تھے۔"

"نہیں میں سچ بول رہا ہوں۔ کیا وہاں کوئی آبادی تھی۔ سڑکیں تھیں۔ گلیاں تھیں کہ میں بتاؤں کہ فلاں محلے میں اترے تھے۔ فلاں سڑک پر اُترے تھے۔ فلاں گلی میں اترے تھے اور فلاں....!"

"ٹھیک ہے میں سمجھ گیا۔ وہ کوئی ویران جگہ رہی ہو گی۔" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"ویران کی بھی چچی۔" قاسم نے بُرا سا منہ بنا کر کہا "وہ ایسی واہیات جگہ تھی جہاں پتھروں کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔"

"اور کیا تھا۔"

"ارے سنو تو سہی۔ میری طبیعت خراب تھی۔ جب وہ کار نیچے اتری تو فولادی بھی دکھائی دیا۔ وہ شاید کار کے اگلے حصے میں تھا۔ اُس نے نیلم سے کہا کہ اسے یہیں اتار دو۔ واپسی میں اسے

یہاں سے لے لیں گے۔ نیلم اس پر تیار نہیں ہوئی لیکن فولادی نے زبردستی کھینچ کر مجھے نیچے
دیا اور کار نیچے چلی گئی۔ میں نے نیلم کی چیخیں سنی تھیں لیکن تے کرتے کرتے میرے ہاتھ
کمزور ہو گئے تھے۔"

"کار نیچے چلی گئی.... ؟ کہاں.... نیچے اترتی چلی گئی تھی۔"

"ارے یار.... کیوں کان کھاتے ہو۔ جہاں میں اترا تھا اس کے نیچے بڑی گہرائی میں زم
تھی شاید ایک میل۔ شاید دو میل یا اس سے بھی زیادہ۔"

"تو وہ اُس گہرائی میں اتر گئی تھی۔"

"ہاں.... اور گائب ہو گئی.... یعنی کہ غائب.... غائب۔"

"پھر کیا ہوا۔"

"کباڑا ہوا۔ بارش ہونے لگی۔ کہیں سر چھپانے کو جگہ نہیں تھی۔ ادھر اُدھر بھاگتا رہا۔
ایک غار مل گیا۔ خدا غارت کرے۔"

"واپسی پر تم پھر اُسی کار میں آئے ہو گے۔"

"مت جان جلاؤ ورنہ گھونسہ مار کر کھوپڑی پلپلی کر دوں گا۔"

"کیوں پیارے.... کیوں تاؤ کھا رہے ہو۔"

"پیارے مت کہو۔ پیارے کہنے والے پکے فراڈ ہوتے ہیں۔ اُس سالی نے بھی تو کہا
پیار.... پیار.... ے" قاسم پھر لپک گیا۔ "لیکن پیارا سالا بارش میں بھیگتا رہا۔ چوبیس گھنٹے تک
بھوکا رہا۔"

قاسم کی آواز دردناک ہو گئی اور اُس نے اس طرح اپنا پیٹ تھپتھپایا جیسے اس وقت بھی بھو
ہی ہو۔

"کیا وہ تمہیں واپس نہیں لائی تھی۔"

"نہیں.... میں وہاں بھٹکتا رہا۔ مجھے راستہ بھی نہیں معلوم تھا.... ایک چرواہے نے مجھے
یہاں تک پہنچایا۔ میں نے اسے پورے چار سو روپے دیئے کیونکہ پورے تین دن بعد یہاں تک
پہنچا ہوں۔ وہ بیچارہ اپنی بھیڑیں ذبح کرتا تھا اور بھون بھون کر مجھے کھلاتا تھا۔ مگر اللہ قسم کتنا لذیذ
گوشت ہوتا تھا۔ سبحان اللہ۔" قاسم خاموش ہو کر منہ چلانے لگا۔

"لیکن تم جس راستے سے پیدل آئے تھے کم از کم وہ تو تمہیں یاد ہی ہو گا۔"

"نہیں مجھے اتنا ہوش نہیں تھا کہ راستہ یاد رکھ سکتا۔"

"تم بالکل کوڑھ مغز ہوتے جا رہے ہو۔" حمید کو خواہ مخواہ غصہ آ گیا۔

"اے.... جبان سنبھال کے راستہ میں بھولا ہوں یا تم۔ تم سے کیا مطلب۔ اب تو میں اسی
ضد پر گھر کا بھی راستہ بھول جاؤں گا۔ دیکھتا ہوں کیا کر لیتے ہو میرا۔"

"تم بالکل گدھے ہو۔"

"تم گدھے کے باپ نہیں بلکہ دادا ہو۔ کھاموش رہو۔ میں کچھ سوچنا چاہتا ہوں۔ جاؤ میرا
پیچھا چھوڑو۔"

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ قاسم کے بیان پر یقین کرے یا نہ کرے۔ وہ چند لمحے اُسے
گھورتا رہا پھر بولا۔ "یہ کہانی کتنی دیر میں تیار ہوئی تھی۔"

"تم مجھے جھوٹا سمجھتے ہو۔" قاسم غرایا۔

"افسانہ نگار جھوٹا نہیں کہلاتا اُسے فنکار کہتے ہیں۔"

"کچھ بھی کہتے ہوں تم جاؤ یہاں سے.... مجھے سوچنے دو۔"

"میں تو سنوں کیا سوچ رہے ہو۔"

"کیوں بتاؤں.... جاؤ۔"

"دیکھو! تم جو کچھ بھی سوچ رہے ہو اُس کا جواب چٹکی بجاتے دے سکتا ہوں۔ ویسے تم سوچتے
سوچتے مر جاؤ تب بھی تمہیں جواب نہ ملے گا۔"

"قیوں نہ ملے گا۔"

"دس میل پیدل چلنے سے کم از کم ایک ہفتہ تک دماغ کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں ہوتا۔"

"نہیں....!" قاسم نے حیرت سے کہا۔

"قطعی.... چین کے نامور ڈاکٹر چی چی چوں کا یہی خیال ہے اور پھر تم تو دس میل سے زیادہ
ہی چلے ہو گے۔"

"بہت زیادہ.... تین دن بعد یہاں پہنچا ہوں۔"

"اور پھر کچھ سوچنے کی کوشش کر رہے ہو۔ لعنت تم.... ار مجھ پر۔"

"نہیں.... نہیں.... کہہ دو تم پر۔" قاسم سر ہلا کر بولا۔ "کہہ کر دیکھو کیسی گت بناتا ہوں۔"

"نہیں ڈیئر.... ہاں کیا سوچ رہے تھے۔"

"میں سوچ رہا ہوں کہ آخر یہ سالا فولادی کیسے محوبت کرتا ہوگا۔" قاسم ناک پر انگلی رکھ کر بولا۔

حمید نے ایک طویل سانس لی۔ وہ سمجھا تھا شاید کوئی ایسی بات سوچ رہا ہے جس سے ممکن ہے معلومات میں مزید اضافہ ہو سکے۔

"کیوں.... فولادی کی محبت کا خیال کیسے آیا۔" حمید نے کہا۔

"پھر وہ اُسے کیوں لے گیا تھا۔"

"اُس کے باپ سے پوچھ کر جواب دوں گا۔" حمید نے کہا اور قاسم کے کمرے سے چلا آیا۔ وہ جلد از جلد فریدی کو یہ کہانی سنانا چاہتا تھا۔

فریدی نے اُسے بہت سکون کے ساتھ سنا۔ وہ اکثر درمیان میں دو ایک سوال بھی کر بیٹھتا تھا۔ حمید جب کہانی سنا چکا تو اُس نے کہا۔ "قاسم کہاں ہے۔"

"اپنے کمرے میں۔"

"تم یہیں ٹھہرو۔ میں اُس کی زبان سے سارے واقعات سننا چاہتا ہوں۔"

حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ کہانی سناتے وقت بھی اُسے قاسم کی نیت میں فتور ہی محسوس ہوتا رہا تھا۔ وہ اب یہاں سے اٹھنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ قاسم کے ساتھ کچھ دیر دل بہلائے گا لیکن ممکن نہ ہوا۔ ہوٹل کے باہر فوجیوں کا پہرہ تھا اور ایسا لگتا تھا جیسے سارے شہری انہیں کی گولیوں کا نشانہ بن کر موت کی آغوش میں جا سوئے ہوں۔

ہوٹل میں بھی زندگی کے آثار مفقود تھے لوگ بہت آہستہ آہستہ گفتگو کرتے۔ لڑکیاں جن کے قہقہے ہر وقت ڈائننگ یا ریکریشن ہال میں گونجا کرتے تھے اب مسکرائیں بھی تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے خوفزدہ ہو کر ہونٹ پھیلا دیئے ہوں۔ جہاں ہر وقت آرکسٹرا نغمات بکھیرتا رہتا تھا وہاں اب مدھم سروں والی سیٹیاں بھی نہیں سنی جا سکتی تھیں۔

حمید بزدل نہیں تھا لیکن ماحول کا اثر اُس پر کیسے نہ پڑتا۔ وہ قاسم کے متعلق سوچنے لگا جس کے ذہن کی ساخت آج تک اُس کی سمجھ میں نہ آ سکی تھی۔ وہ ان حالات میں بھی سوچ رہا تھا کہ سالا فولادی کیسے محوبت کرتا ہوگا۔

حمید پائپ سلگا کر آرام کرسی میں لیٹ گیا اور اب قاسم کی کہانی اُس کے ذہن میں چکرانے لگی تھی۔ تھوڑی دیر بعد فریدی واپس آ گیا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ کہانی نہیں حقیقت ہے۔" اُس نے کہا۔

"کیوں....!"

"وہ احمق ضرور ہے لیکن اتنا شاندار جھوٹ اُس کے بس کا روگ نہیں۔"

"مگر وہ راستہ ہی بھول گیا۔"

"چرواہا....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "قاسم کے بیان کے مطابق وہ انہیں اطراف میں کہیں رہتا ہے۔"

"پھر بھی اس کی تلاش آسان نہ ہوگی۔"

"نہیں.... قاسم نے جو حلیہ بتایا ہے اُس کے مطابق دشواری نہ ہونی چاہئے۔ دوسرے چرواہے اُس سے یقیناً واقف ہوں گے۔"

فریدی نے فون کا ریسیور اٹھایا۔ آپریٹر کو سوپر واصف کے نمبر بتائے۔ جلد ہی کنکشن مل گیا۔

"ہیلو.... واصف صاحب! میں فریدی بول رہا ہوں۔ ٹیکم گڈھ کے اطراف میں کسی ایسے چرواہے کو تلاش کرایئے جس کی بائیں آنکھ پر بد گوشت ہو۔ اتنا زیادہ کہ آنکھ بمشکل کھل سکتی ہو۔"

"کیوں؟ خیریت....؟"

"اشد ضروری ہے۔"

"مقصد نہیں بتائیں گے۔"

"ابھی نہ پوچھئے تو بہتر ہے۔ ویسے یہ سب کچھ موجودہ کیس ہی کے متعلق ہو رہا ہے۔"

"اچھی بات ہے۔ اس پہچان کو بنا پر پتہ لگانے میں آسانی ہوگی۔"

"شکریہ۔" فریدی نے ریسیور رکھ دیا۔

اس کے بعد وہ پھر ٹیکم گڈھ کے نقشے پر جھک پڑا۔

"کیا آپ اس فضا میں گھٹن محسوس نہیں کرتے۔" حمید نے کہا۔

"میں اسی فضا کا کیڑا ہوں۔" فریدی نے لاپرواہی سے کہا اور ہونٹوں میں دبا ہوا سگار سلگانے لگا۔

"اگر فولادی پر قابو نہ پایا جا سکا تو پھر آپ کو بھی دیکھ لوں گا۔" حمید نے جل کر کہا۔

"فولادی کی لگام ایک آدمی کے ہاتھ میں ہے اور تم جانتے ہو کہ میں ہر قسم کے آدمیوں سے نپٹنا جانتا ہوں۔ بس آج کی رات اور ٹھہر جاؤ۔ میں دیکھ لوں کہ وہ اپنی دھمکی کو کیسے عملی جامہ پہناتا ہے۔"

مڈبھیڑ

ڈاکٹر ہرمین کی دھمکی پوری ہو کر رہی۔ فریدی ٹرانسمیٹر پر جھکا ہوا تھا اور محکمہ سراغ رسانی کے آپریشن روم پر قبرستان کا سا سناٹا مسلط تھا۔

دفعتاً ٹرانسمیٹر سے آواز آئی۔ "کرنل فریدی.... کرنل فریدی.... آپ کا خیال درست نکلا۔ نیوی کے ایک جہاز کے پرخچے اڑ گئے۔ اس کی وجہ سے دوسرے جہازوں کو بھی تھوڑا بہت نقصان پہنچا ہے۔ وہ جہاز سونا گھاٹ کی طرف آرہا تھا۔ اُس سے تھوڑے ہی فاصلے پر اچانک پانی میں چند لکیریں سی نظر آئیں جسے جہاز کی روشنی کا عکس سمجھا گیا اور جہاز آگے بڑھتا رہا۔ لیکن جیسے ہی وہ ان چمکتی ہوئی لکیروں کے درمیان پہنچا بالکل ایسا معلوم ہوا جیسے وہ بجلیوں میں گھر گیا ہو۔ اُس کے نیچے اور چاروں طرف بجلیاں سی کوند رہی تھیں۔"

پھر ایک زوردار دھماکہ ہوا۔ جہاز کے چیتھڑے اڑ گئے۔ قرب وجوار کی درجنوں کشتیاں اور لانچیں الٹ گئیں۔ ابھی تک جانی نقصان کا اندازہ نہیں لگایا جاسکا۔ کرنل فریدی.... کیا آپ سن رہے ہیں۔

"ہاں میں سن رہا ہوں۔" فریدی نے جواب دیا اور پھر دوسری طرف سے آواز آنی بند ہوگئی۔ ٹرانسمیٹر کا سوئچ آف کئے بغیر وہ سوپر واصف کی طرف مڑا۔

"دیکھا آپ نے۔"

"مجھے اطلاع مل چکی تھی کہ وہاں بہت سخت قسم کے انتظامات کئے گئے ہیں۔" واصف نے کہا۔ "غالباً اُن کا خیال تھا کہ وہاں بھی فولادی ہی نمودار ہوگا۔ لہٰذا سونا گھاٹ پر ایک پوری بٹالین موجود تھی، لیکن وہاں دوسرا طریقہ اختیار کیا گیا۔ بعض اوقات تو ہرمین مجھے کوئی خبیث روح معلوم ہونے لگتا ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ دفعتاً ٹرانسمیٹر سے آواز آئی۔ "کیوں کرنل فریدی، تم نے سن لیا کہ اس ہاز کا کیا انجام ہوا۔ میں ڈاکٹر ہرمین تم سے مخاطب ہوں۔ تم یہ معلوم کرنے کے لئے بہت بے ین تھے کہ ڈاکٹر ہرمین کی دھمکی کا کیا انجام ہوا۔ سن لیا تم نے۔"

"ہاں.... میں نے سن لیا۔ لیکن تم بھی اپنے لئے چند دردناک خبروں کے منتظر رہو۔"

یدی نے پرسکون لہجہ میں کہا اور دوسری طرف سے قہقہے کی آواز آئی پھر سناٹا چھا گیا۔

فریدی سوئچ آف کر کے آپریشن روم سے باہر آگیا۔ کیپٹن حمید بھی اُس کے ساتھ تھا۔

دوسری صبح اُس چرواہے کا سراغ مل گیا جس نے قاسم کو ٹیکم گڈھ پہنچایا تھا۔ قاسم نے بھی سے شناخت کرلیا۔ چرواہا اس طرح پکڑے جانے پر پریشان تھا اُس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

"صاحب! انہوں نے روپے اپنی خوشی سے دیئے تھے۔"

"روپے تم رکھو۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ "تمہیں صرف اتنا کرنا ہے کہ ہمیں وہاں ک پہنچا دو جہاں سے انہیں لائے تھے۔"

چرواہے نے اطمینان کی سانس لی۔ وہ سمجھا تھا شاید قاسم سے ملے ہوئے روپے اُسے واپس کرنے یں گے۔ فریدی کا ارادہ تھا کہ اُسی دن روانہ ہو جائے گا۔ دشواری یہ آپڑی کہ بمبار طیارے جو ح سے ٹیکم گڈھ کی فضا میں منڈلا رہے تھے اچانک ویران علاقوں پر بھاری بم برسانے لگے۔

"یہ کیا حماقت شروع ہوگئی۔" حمید نے کہا۔

"ہونے دو.... تمہارا کیا نقصان ہے۔" فریدی بولا۔

"نقصان.... ارے جناب شاید یہ چرواہا بھی ہمارے ساتھ جانے پر تیار نہ ہو۔" حمید نے ہا۔ "اگر گیا بھی تو یہ بات قطعی غیر فطری ہوگی کیونکہ بمباری کے بعد شاید مہینوں اُن اطراف ں چرواہے نہ دکھائی پڑیں۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے.... خیر.... دیکھا جائے گا۔"

اُسی شام کو وہ نشاط کے ڈائننگ ہال میں کافی پی رہے تھے۔ اس وقت لوگ اتنے سراسیمہ نظر نہیں آرہے تھے جتنے دوپہر تک دکھائی دیتے تھے۔ مائیکروفون ریڈیو سے اٹیچ کردیا گیا۔ ریڈیو سیلون سے فلمی ریکارڈ اور اشتہارات نشر ہو رہے تھے۔

دفعتاً لاؤڈ اسپیکر میں کوئی خرابی واقع ہوگئی اور ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے بہت سے کتے

لڑ پڑے ہوں۔ لیکن اب عام لوگ اس کے عادی ہو چکے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ ہرمین ہی کی آواز سنائی دے گی۔

دوسرے ہی لمحے میں لاؤڈ سپیکر سے آواز آئی۔ "میں ڈاکٹر ہرمین اس ملک کے عوام سے مخاطب ہوں۔ آپ فولادی سے قطعی نہ ڈریئے۔ اب وہ پھر پہلے ہی کی طرح آپ کا خادم ہے۔ ایک غلط فہمی کی بناء پر حالیہ ہنگامے ہوئے تھے۔ اب میں بالکل مطمئن ہوں۔ لیکن کیا آپ موجود حکومت کو پسند کرتے ہیں؟ سنجیدگی سے اس مسئلے پر غور کیجئے۔ اس وقت بھی آپ کی موجود پریشانی کا باعث آپ کی حکومت ہی ہے۔ کتنے احمق لوگ ہیں۔ خواہ مخواہ اتنے بم برباد کرا دیئے۔ کیا یہ ضروری ہے کہ میں ٹیکم گڈھ ہی کے اطراف میں ملوں گا۔ میں غور سے دیکھ رہا ہوں۔ اگر میں نے محسوس کیا کہ یہ حکومت ناکارہ ثابت ہو رہی ہے تو مجبوراً مجھے عوام کی خاطر اسے ٹھکانے لگانا ہی پڑے گا۔ میں ہوں آپ کا خادم ہرمین۔"

"چور.....!" فریدی برا سا منہ بنا کر بڑبڑایا۔ ہال میں چند لمحے سناٹا رہا اور پھر ریڈیو سیلون کا پروگرام سنا جانے لگا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ یک بیک بدل کیسے گیا۔" حمید نے کہا۔

"اور میں یہ سوچ رہا ہوں کہ وہ سونا گھاٹ کو نیوی کے قبضے میں کیوں نہیں دیکھنا چاہتا۔"

"ابھی تک آپ یہی سوچ رہے ہیں۔"

"میرا خیال ہے یہ بہت اہم ہے۔"

"میں آپ سے تفصیل نہیں پوچھوں گا۔" حمید بڑبڑایا۔ "میں جانتا ہوں کہ آپ نہیں بتائیں گے۔"

"سمجھدار ہو۔"

پھر وہ دونوں ہی خاموش ہو گئے۔ ریڈیو سیلون سے فلمی گیت اور اشتہارات نشر ہوتے رہے۔

آج دو دن سے قطعی سکون تھا۔ اس دوران میں فولادی بھی نہیں دکھائی دیا تھا۔ شہر کی حالت آہستہ آہستہ معمول پر آ رہی تھی۔ سیاحوں کو واپسی کی اجازت مل گئی تھی لیکن مقامی باشندوں پر اب بھی پابندیاں عائد تھیں۔

فریدی نے سفر کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس دوران میں اعلیٰ حکام کی طرف سے برابر اُس

کے نام پیغامات آتے رہے تھے اور وہ بھی انہیں مطلع کرتا رہا تھا کہ وہ غافل نہیں ہے۔

چھ چرواہوں کا ایک مختصر سا قافلہ ٹیکم گڈھ کے ویران علاقے کی طرف چل پڑا۔ اُن کی وضع قطع خانہ بدوشوں کی سی تھی۔ ان میں تین تو حقیقتاً چرواہے تھے اور بقیہ تین قاسم، حمید اور فریدی تھے۔ اس خیال سے قاسم کو ساتھ لینا پڑا تھا کہ کہیں وہ اُن کی عدم موجودگی میں اپنے تجربات نہ بیان کرتا پھرے گا۔ لیکن حقیقت بعد کو معلوم ہوئی تھی۔ اُس نے حمید کو بتایا کہ وہ تو دراصل تازہ ذبح کی ہوئی بھیڑوں کا بھنا ہوا گوشت کھانے کے لئے اُن کے ساتھ آیا تھا۔

وہ جس لئے بھی آیا ہو۔ فریدی خود ہی اُسے ٹیکم گڈھ میں نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔

ایک جگہ رہنما رک گیا۔ یہاں چاروں طرف بمباری کی تباہ کاریاں نظر آ رہی تھیں۔

"راستہ بند ہو گیا ہے جناب۔" اُس نے ایک درے کی طرف اشارہ کر کے کہا جس میں بڑے بڑے پتھروں کے ڈھیر نظر آ رہے تھے۔

"یہ نقصان ہوا ہے بمباری سے۔" حمید بڑبڑایا۔

"بناؤں..... راستہ۔" قاسم نے فریدی سے پوچھا۔

"ٹھہرو.....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ہم تو کسی نہ کسی طرح گذر ہی جائیں گے لیکن ان بھیڑوں کا مسئلہ ٹیڑھا ہے۔"

"انہیں میں گود میں اٹھا اٹھا کر اُدھر پہنچا دوں گا۔" قاسم نے کہا۔

"سنو.....!" فریدی نے چرواہے کو مخاطب کیا۔ "میرا خیال ہے کہ تم اپنے دونوں ساتھیوں کو یہیں چھوڑ دو۔ آٹھ یا دس بھیڑیں ساتھ لے چلو ان کی قیمت تمہیں ادا کر دی جائے گی۔"

"نہیں صاحب میں اکیلے تو کبھی نہ جاؤں گا۔ میرے دونوں بھائی ہر حال میں میرے ساتھ جائیں گے۔"

"تمہاری حفاظت کا ذمہ پہلے ہی لیا جا چکا ہے۔"

"کچھ بھی ہو بھائی جائیں گے۔"

"اچھا تو چلو..... ان بھیڑوں کو آگے بڑھاؤ۔"

چرواہا کچھ سوچنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "تھوڑا چکر ضرور پڑے گا۔ لیکن ہمیں راستہ مل جائے گا۔"

"کچھ کرو بھی تو.....!" حمید جھنجھلا کر بولا۔

وہ پھر پیچھے لوٹے اور تھوڑی دیر کی جدوجہد کے بعد چرواہے کے بیان کے مطابق راہ پر لگ گئے۔

"یہ آخر اپنے بھائیوں کو ساتھ لے جانے پر کیوں مصر ہے۔"

"بس دیکھتے رہو۔ تم یہ نہ سمجھنا کہ ہم محفوظ ہیں یا ہماری اسکیموں کی اطلاع دوسروں کو نہیں ہے۔"

"کیا مطلب.....!"

"مطلب یہ کہ ان دونوں چرواہوں سے ہوشیار رہنا۔ ان میں سے کم از کم ایک کو تو میں پہچان چکا ہوں۔ حالانکہ یہ دونوں بھی میک اپ ہی میں ہیں۔"

حمید دونوں چرواہوں کو گھورنے لگا پھر بولا۔ "تو کیوں نہ ان سے یہیں سمجھ لیا جائے۔"

"نہیں چلنے دو۔ ہو سکتا ہے کہ یہ ہمارے لئے کار آمد ہی ثابت ہو سکیں۔"

"آپ کے لئے تو سانپ کے بچے بھی کار آمد ہو سکتے ہیں۔" حمید جھنجھلا گیا۔

"یقیناً اکثر وہ بھی کام آئے ہیں۔" فریدی بولا۔

سفر جاری رہا۔ وہ ان ویرانوں میں ایک رات گذار چکے تھے۔ ادھر کے پہاڑوں کا عجیب حال تھا۔ کہیں تو بھورے رنگ کی ننگی چٹانیں ہی چٹانیں بکھری ہوئی نظر آتیں اور کہیں سبزے سے ڈھکے ہوئے پہاڑ تھے۔

حمید کو تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کسی "طلسم ہوشربائی علاقے" میں سفر کر رہا ہو۔

قاسم کی زبان تھکن کے باوجود بھی چلتی رہی لیکن تذکرہ یا تو تھکن کا ہوتا یا نہ مٹنے والی بھوک کا۔ زندہ اور چلتی بھیڑوں کو بھی وہ ایسی للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتا جیسے کھال سمیت چبا جائے گا۔

دوسری رات گذارنے کے لئے وہ ایک ایسے مقام پر رکے جہاں سطح زمین مشکل ہی سے نظر آتی تھی۔ چاروں طرف اونچی نیچی ناہموار سی چٹانیں پھیلی ہوئی تھیں۔ انہیں کوئی غار بھی نہ مل سکا اس لئے رات کھلے ہی میں گذارنی تھی۔ ایک بھیڑ ذبح کی گئی اور اُن لکڑیوں پر بھونی جانے لگی جو خچروں پر بار کر کے لائی گئی تھیں۔ کھانے کے مسئلہ ڈبوں میں محفوظ کی ہوئی غذاؤں سے بھی حل ہو سکتا تھا مگر وہ تھوڑی سی تفریح بھی چاہتے تھے۔ پھر حمید کو ڈبوں والی غذاؤں سے اللہ

ٹے کا بیر تھا۔

پیٹ بھر جانے پر وہ سونے کے لئے لیٹ گئے اور تھوڑی ہی دیر بعد خراٹوں کی آوازیں فضا منتشر ہونے لگیں، لیکن فریدی جاگ رہا تھا۔ وہ اور حمید باری باری سے سوتے تھے۔ مگر روں کو اس کا علم نہیں تھا۔

آسمان سیاہ بادلوں سے چھپا جا رہا تھا۔ کہیں اکا دکا ستارے دکھائی دیتے لیکن دن بھر کی تھکن میں بھی انہیں خوابوں کے جزیروں کی سیر کرا رہی تھی۔

فریدی نے کروٹ بدلی اور پھر یک بیک اچھل کر بیٹھ گیا۔ بائیں جانب والی ڈھلان سے نی نظر آئی تھی۔ حمید اُس کے قریب ہی تھا۔ اُس نے اسے جھنجھوڑا اور ساتھ ہی اُس کے منہ نھ بھی رکھ دیا۔

حمید بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔

"فولادی" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "آؤ..... چپ چاپ ادھر چلے آؤ۔" وہ اُسے ایک ا چٹان کے پیچھے کھینچ لے گیا۔

"اُس کی روشنی سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کرنا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "یہی تدبیر ہے جسے اختیار کرنے پر ہم اُس سے بچ سکیں گے۔"

ذرا ہی سی دیر میں چاروں طرف روشنی ہی روشنی پھیل گئی۔ کیونکہ یہ حقیقتاً فولادی ہی تھا اور نے نشیب سے سر ابھارا تھا۔

حمید کو اُس وقت ہوش آیا جب اُس نے اپنے کان کے پاس ہی گولی چلنے کی آواز سنی اور یک اندھیرا پھیل گیا۔

"وہ مارا۔" فریدی دبے ہوئے جوش کے ساتھ بڑبڑایا۔

"یعنی..... یعنی....."

"فولادی اندھا ہو گیا۔ اب وہ ہمیں نہیں دیکھ سکے گا۔"

دفعتاً فولادی چنگھاڑنے لگا۔ "نمک حراموں یہ کیا ہوا۔ تم پڑے سو رہے ہو۔ یہ گولی کس نے تھی..... کس نے چلائی تھی۔"

اچانک ٹارچ کی روشنی فولادی پر پڑی۔ یہ ٹارچ ایک چرواہے کے ہاتھ میں تھی۔ قاسم بھی

اٹھ بیٹھا تھا۔

"جواب کیوں نہیں دیتے۔" فولادی چنگھاڑا۔

"پتہ نہیں۔" چرواہے نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور پھر اُس نے چاروں طرف ٹارچ کی روشنی ڈالی، ساتھ ہی اس کا ریوالور بھی نکل آیا۔

"وہ دونوں کہاں ہیں۔" اُس نے قاسم سے گرج کر پوچھا۔

"میں کیا جانوں۔"

"یہ کون بولا تھا۔" فولادی نے پوچھا۔

"موٹا آدمی۔" چرواہے نے جواب دیا۔ "وہ دونوں غائب ہیں۔"

"اوہ.... میں تمہیں فنا کر دوں گا۔ تمہاری ہی غفلت کی بناء پر اندھا ہو گیا۔"

"ابے نیلم کہاں ہے اندھی کے۔" قاسم دھاڑا۔

"اسے گولی مار دو۔" فولادی نے کہا۔ "میں اب بالکل بیکار ہو چکا ہوں۔ نہ چنگاریاں برسا سکتا ہوں اور نہ اس قابل بن سکتا ہوں کہ حملوں سے خود کو بچا سکوں۔"

شاید اس نے ٹریگر دبانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ فریدی کے ریوالور سے پھر شعلہ نکلا اندھیرے میں ایک چیخ دور تک لہرائی چلی گئی۔

"آؤ....!" فریدی نے حمید سے کہا اور چٹان کی اوٹ سے نکل آیا۔ اُس کے داہنے ہاتھ میں ریوالور تھا اور بائیں میں ٹارچ۔

"تم دونوں اپنے ہاتھ اوپر اٹھالو۔" فریدی نے پر سکون لہجے میں کہا۔ ایک چرواہا اپنا داہنا ہاتھ بائیں سے دبائے ہوئے جھکا کھڑا تھا۔ اُس کے داہنے ہاتھ سے خون کا فوارہ جاری تھا۔

"یہ کون ہے۔" فولادی سے آواز آئی۔

"تمہارا باپ ہے سالے۔" قاسم نے ایک بے ہنگم سا قہقہہ لگایا۔

فریدی اس کی طرف دھیان دیئے بغیر زخمی چرواہے سے بولا۔ "کیوں.... درجن ہماری ملاقات کتنی دلچسپ ہے۔"

"درجن....!" حمید متحیرانہ انداز میں بڑبڑایا۔ "یعنی کہ....!"

"ہاں....!" فریدی بولا۔ "درجن! غالباً اب تم اچھی طرح سمجھ گئے ہو گے۔"

"یہ کیسے ممکن ہے۔"

"سب کچھ ممکن ہے۔ ابھی بہت کچھ دیکھو گے۔"

دفعتاً فولادی آگے بڑھا۔ لیکن کسی اندھے آدمی ہی کی طرح لڑکھڑاتا ہوا۔ اُن دونوں کے درمیان سے نکل گیا۔ پھر وہ پاگلوں کی طرح ادھر اُدھر دوڑنے لگا۔ اُس کے ہاتھ اس طرح خلاء میں پھیلتے اور سمٹتے رہے، جیسے کوئی اندھا کسی کو ڈھونڈھ رہا ہو۔

قاسم نے حمید کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ "مجھے ٹارچ دکھاؤ۔"

"کیا کرو گے۔"

"بھرتا بناؤں گا۔"

حمید اُسے روشنی دکھانے لگا۔ قاسم کچھ ڈھونڈھ رہا تھا۔ دفعتاً وہ جھک کر ایک بہت وزنی پتھر اٹھانے لگا اور حمید کی "ہائیں ہائیں" کے باوجود وہ پتھر اُس کے سر سے بلند ہو گیا۔

"ٹھہرو! ٹھہرو....!" فریدی بھی بول پڑا۔

مگر کون سنتا ہے۔ قاسم نے وہ پتھر فولادی پر دے مارا اور فولادی پتھر سمیت زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ اُس کے سینے سے جھانکنے والی کئی رنگوں کی روشنیاں بھی غائب ہو چکی تھیں اور وہ بالکل خاموش تھا۔

لیکن ٹھیک اُسی وقت نشیب سے بے شمار قدموں کی آوازیں آنے لگیں۔ آنے والے شاید دوڑ رہے تھے۔

حمید انہیں وہیں چھوڑ کر نشیب کی طرف جھپٹا۔ سرے پر پہنچتے ہی اُس نے نیچے کی جانب دو تین فائر جھونک دیئے۔ وہ پے در پے فائر کرتا رہا۔ نیچے سے بھی فائر ہونے لگے۔

ادھر فریدی قاسم کی مدد سے ان دونوں کو باندھ رہا تھا۔

رات کا سناٹا فائروں کی آوازوں سے مجروح ہوتا رہا۔ تھوڑی ہی دیر بعد فریدی نے محسوس کیا کہ وہ چاروں طرف سے گھر گئے ہیں۔

اُس نے بڑی پھرتی سے اپنا تھیلا تلاش کر کے اس میں سے سفری ٹرانسمیٹر نکالا اور جلدی جلدی کہنے لگا۔

"قریب آجاؤ۔ قریب آجاؤ۔ فریدی اسپیکنگ.... اب تم لوگ ان پر حملہ کر سکتے ہو۔"

خونخوار لڑکی

حمید کو اچھی طرح یاد نہیں کہ وہ ہنگامہ کتنی دیر تک جاری رہا تھا۔ ویسے یہ ضرور ہوا کہ افراتفری میں فریدی کا ساتھ چھوٹ گیا۔ ویسے جس کا بھی ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا وہ اُسے ہوا ایک طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ خیال یہ تھا کہ وہ قاسم کے علاوہ اور کوئی نہ ہوگا۔

فائروں کی آوازیں اب نہیں آرہی تھیں۔ لیکن وہ دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں بھی سن رہا تھا۔ گھٹا ٹوپ اندھیرے میں وہ کئی بار گرتے گرتے بچا۔ دو ایک بار چٹانوں سے ٹکرایا.... اور پھر آخر اُسے رکنا پڑا۔

وہ ڈر کر نہیں بھاگا تھا بلکہ اُس کے قدم غیر ارادی طور پر ایک طرف اٹھ گئے تھے اور اندھیرے میں کسی ایک جگہ ٹھہرنا حماقت ہی ہوتی۔ جب کہ اُسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ نے ٹرانسمیٹر پر کن آدمیوں کو مخاطب کیا تھا اور ان کا حملہ کس جانب سے ہوگا۔ حملہ آو رخ کدھر ہے۔

"قاسم....!" اُس نے آہستہ سے کہا۔

لیکن جواب ندارد۔ حالانکہ اس کا ہاتھ اب بھی ہاتھ ہی میں تھا۔ حمید نے ہاتھ چھوڑ کر نکال لی۔ اور اب اس کی روشنی میں اُسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ یہ وہی چرواہا تھا جو رہنما کی سے ان کے ساتھ آیا تھا۔

دوسرے لمحے میں حمید نے ریوالور نکال کر اُس کے سینے پر رکھ دیا۔

"تم نے ہمیں دھوکا دیا۔" وہ اُسے لات مار کر ایک طرف گراتا ہوا بولا۔

"ارے.... حضور سنئے تو سہی۔ جیسے آپ نے راستہ دکھانے کے لئے روپے دیئے طرح انہوں نے بھی دیئے تھے۔ میں کیا جانوں سرکار کہ آپ لوگ کیا کرنا چاہتے ہیں۔"

"تو نے انہیں اپنا بھائی کیوں ظاہر کیا تھا۔"

"انہوں نے یہی کہا تھا۔ میں نے اُن سے بتایا تھا کہ پولیس والے مجھے اپنے ساتھ لے ہیں میں کسی اور کو ساتھ نہیں لے جاؤں گا۔ لیکن انہوں نے اس سے زیادہ روپیہ دیا جتنا آ ملا تھا اور کہا کہ میں انہیں اپنا بھائی ظاہر کر کے ساتھ لے جا سکتا ہوں۔"

"تیرے بھائیوں نے جو کچھ بھی کیا ہے اُس کا بدلہ تجھ سے لیا جا سکتا ہے۔"

چرواہا گڑگڑانے لگا.... اور اچانک حمید کسی شہتیر کی طرح زمین پر چلا آیا۔ کسی نے اُس پر چھلانگ لگائی تھی ساتھ ہی اُس نے چرواہے کی چیخیں بھی سنیں۔

چونکہ حملہ بے خبری میں ہوا تھا اس لئے حمید کو سنبھلنے کا بھی موقع نہ مل سکا۔

حملہ آور پانچ یا چھ تھے یا ممکن ہے اس سے بھی زیادہ رہے ہوں۔ حمید کو صحیح اندازہ نہ ہو سکا اس کا سر بہت زور سے پتھریلی زمین پر پڑا تھا اور چوٹ ایسی نہ تھی کہ وہ تھوڑی ہی دیر تک ہوش میں رہ سکتا۔

اور جب ہوش آیا تو آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ کنپٹیاں تڑخنے لگیں۔ ایسا معلوم ہوا جیسے آنکھیں اپنے حلقوں سے باہر آجائیں گی۔ اُس نے بوکھلا کر دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ لئے۔ اُسے اپنے چاروں طرف صدہا بلب روشن نظر آئے۔ انتہائی تیز روشنی والے بلب اور پھر کچھ دیر بعد اُس نے محسوس کیا کہ اُس کا سارا جسم پسینے میں ڈوبا ہوا ہے۔ کمرہ بے حد گرم تھا اور شاید یہ آنچ انہیں بلبوں سے خارج ہو رہی تھی۔

لیکن اُس کی تھکن حیرت انگیز طور پر زائل ہو گئی تھی۔ اُسے قطعی یہ نہیں معلوم رہا تھا کہ وہ کچھ دیر پہلے بیہوش رہا ہے۔ اُس نے پھر آنکھیں کھولیں لیکن اُس روشنی کی تاب نہ لا سکا۔ اُسے یاد آیا کہ اس کی جیب میں تاریک شیشوں کی ایک عینک بھی تھی۔ اُس نے اپنی جیبیں ٹٹولنی شروع کیں۔ عینک تو مل گئی لیکن ریوالور غائب تھا۔ مگر پھر یاد آیا کہ ریوالور تو اُس وقت اُس کے ہاتھ میں تھا جب کسی نے اُس پر چھلانگ لگائی تھی۔

اس نے عینک نکال کر آنکھوں پر لگا لی اور اب وہ بخوبی چاروں طرف دیکھ سکتا تھا لیکن روشنی اب بھی خاصی تیز لگ رہی تھی۔

یہ ایک کافی وسیع کمرہ تھا لیکن حمید کو کہیں کھڑکی یا دروازہ نہیں دکھائی دیا۔ پھر یہ سوچ کر اُس کا دم گھٹنے لگا کہ وہ ایک بہت بڑے صندوق میں بند کر دیا گیا ہے۔ لیکن یہ گھٹن محض ذہنی تھی۔ جسمانی طور پر وہ ذرہ برابر تکان نہیں محسوس کر رہا تھا۔ لہٰذا زندہ رہنے کے لئے ضروری تھا کہ وہ گھٹن کے احساس کو فنا کرنے کی کوشش کرتا۔ یہ خیال آتے ہی اُس نے اپنے ذہن کو ادھر اُدھر بھٹکانا شروع کر دیا۔

کچھ دیر بعد اس کی پشت کی جانب ایک دیوار میں اچانک دروازہ نمودار ہوا۔ لیکن حمید کو ا
کی خبر نہ ہو سکی۔ دروازے سے اندر آنے والی ایک عورت تھی جس نے اپنا چہرہ چھپا رکھا تھا۔ ا
کے اندر آتے ہی دیوار پھر برابر ہو گئی۔

اُس عورت کے قدموں کی آواز پر حمید چونک پڑا۔

عورت نے ہاتھ اٹھا کر اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اُس عورت نے بھی تاریک شیشو
کی عینک لگا رکھی تھی اور جب اُس نے اپنے چہرے پر سے نقاب ہٹائی تو حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔
یہ نیلم تھی۔ اُس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ دکھائی دی۔ لیکن اُس مسکراہٹ کا مفہ
سمجھنا مشکل ہی تھا۔ پتہ نہیں وہ طنزیہ مسکراہٹ تھی یا اس ملاقات پر خوشی کا اظہار تھا یا یونہی عا
ہونٹوں میں کھنچاؤ پیدا ہو گیا تھا۔ اگر اس کی آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک نہ ہوتی تو حمید کو ا
مسکراہٹ پر اُلجھن میں نہ مبتلا ہونا پڑتا۔

"تم آخر آ ہی گئے۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں.... لیکن یہ اب معلوم ہوا کہ ہرمین اور اسمگلروں میں کتنا گہرا تعلق تھا۔"

"تم نہیں سمجھے۔" نیلم نے مغموم لہجے میں کہا۔ "میں ہرمین کے لئے بہت رنجیدہ ہوں۔
آدمی نہیں فرشتہ ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب نہ پوچھو۔" نیلم نے ٹھنڈی سانس لی۔ "بابا نے میرے ساتھ بھی فراڈ کیا۔"

"یعنی....!"

"یعنی.... مطلب" نیلم جھنجھلا گئی۔ "اپنی فکر کرو۔ تم زندہ نہیں بچو گے، بابا آج کل بہ
زیادہ خونخوار ہو رہا ہے۔"

"مجھے کوئی نہیں مار سکتا۔" حمید مسکرایا۔ "میں نے پچھلے سال ایک بوتل آب وفات پیا
تم مجھے ہرمین کے متعلق بتاؤ۔ آہا.... ٹھہرو۔ کیا کرنل بھی پکڑ لئے گئے ہیں۔"

"نہیں.... نہ وہ ہاتھ لگے اور نہ موٹا۔"

"تب تو تم اپنے بابا کے کفن دفن کا انتظام ابھی سے شروع کردو۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ
وقت پر تمہیں پریشانی ہو۔"

"بابا پر ہاتھ ڈالنا بہت مشکل ہے۔ ویسے اب مجھے اُس سے بھی نفرت ہو گئی ہے۔ وہ صرف
ا کام نکالنا جانتا ہے اور اُس کا کوئی اقدام مقصد سے خالی نہیں ہوتا۔ شاید اُس نے اسی دن کے
ئے میری پرورش کی تھی کہ میرے ذریعہ سے ہرمین جیسے کسی آدمی تک پہنچ سکے۔ اب اُسے
ست دینا بہت مشکل ہے۔ وہ ساری دنیا کو تباہ کر سکتا ہے۔"

"فولادی کو ہم نے تباہ کر دیا۔"

"فولادی" نیلم ہونٹ سکوڑ کر بولی۔ "اس کی کیا حقیقت تھی۔ یہاں اُس سے بھی زیادہ
ناک بلائیں موجود ہیں۔ ایسے حربے جو ریڈیائی لہروں سے کنٹرول ہوتے ہیں۔ صرف ایک
ے سے کاسموٹون نے جہاز کے پرخچے اڑا دیئے تھے۔ کیا تم بھول گئے کاسموٹونس سمجھتے ہو۔"

"نہیں.... پہلی بار سن رہا ہوں۔"

"ایک ننھا سا بم جس میں کاسمک شعاعیں مقید تھیں اور اُسے سونا گھاٹ پر پہنچانے کے لئے
لادی کو استعمال کیا گیا تھا۔ پھر ریڈیو کنٹرول کے ذریعے یہیں بیٹھے بیٹھے وہ بم پھاڑ دیا گیا۔ جہاز
ے چیتھڑے اڑ گئے۔"

"لیکن ہرمین کیسے قابو میں آیا تھا۔"

"بابا نے مجھ سے کہا تھا کہ شاید ہرمین تم سے دوستی کرنا چاہتا ہے لہٰذا تمہیں بھی چاہئے کہ
ا تک پہنچنے کی کوشش کرو۔ میں نے فولادی سے ایک دن خواہش ظاہر کی کہ میں اس کا گھر دیکھنا
تی ہوں۔ وہ تیار ہو گیا۔ لیکن میں تنہا نہیں جانا چاہتی تھی۔ بابا میلے سے جا چکا تھا اور گروہ والوں
سے بھی کوئی نہیں تھا۔ میری نظر موٹے پر پڑ گئی۔ میں نے سوچا کہ اسی کو ساتھ لے چلوں۔
ادی نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ وہ اپنے ساتھ ایک عجیب وضع کی گاڑی لایا تھا، جو اڑ بھی
ی تھی۔ ایک جگہ فولادی نے موٹے کو اتار دیا۔ پھر میرے احتجاج پر بولا کہ واپسی میں اسے
تھ لے لیا جائے گا۔ بہر حال ہم ایک جگہ اترے جہاں دو آدمی پہلے سے موجود تھے۔ انہوں نے
ری آنکھوں پر پٹی باندھ دی۔ تھوڑی دیر تک مجھے اندھوں کی طرح چلنا پڑا۔ اور پھر جب میری
ھوں سے پٹی ہٹائی گئی تو میں نے خود کو یہاں پایا۔ میرے گرد چھبیس آدمی تھے اور انہیں میں
ین بھی تھا۔ وہ سب مجھے دیکھنے کے لئے ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑ رہے تھے۔ ہرمین نے بتایا کہ
س کے ساتھی تقریباً دس سال بعد کسی عورت کو اتنے قریب سے دیکھ رہے ہیں۔ لہٰذا میں ان

کی کسی غیر مہذب حرکت سے اثر نہ لوں۔ اُس نے کہا کہ وہ مجھے ایک جری اور باہمت لڑکی
ہے۔ ابھی یہی سب ہو رہا تھا کہ بابا اور اس کے دس ساتھی ہاتھوں میں ٹارچیں لئے
ہوئے۔ اُن لوگوں نے ہیلی کاپٹروں کے ذریعہ ہمارا تعاقب کیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہرمین اور
کے ساتھی قیدی بنالئے گئے۔ کاش مجھے پہلے ہی یاد آجاتا کہ بابا کے پاس دو بے آواز ہیلی کوپٹر
ہیں تو کبھی میں ادھر کا رخ نہ کرتی۔"

"مگر ہرمین نے اُسے ان چیزوں کا استعمال کیسے بتادیا۔"

"ہرمین مرنا نہیں چاہتا۔ بابا نے اُسے ایسی اذیتیں دی ہیں کہ شیطان کا کلیجہ بھی پانی
ہے۔ اب وہ ایک بے بس کتے کی طرح اس کا ہر حکم بجالاتا ہے اور میں اب بابا کی شکل نہیں
چاہتی، لیکن میں نے اپنی نفرت اس پر نہیں ظاہر ہونے دی۔ اچھا.... اٹھو.... تیار ہو جاؤ
حکم ملا ہے کہ تمہیں اس کے سامنے پیش کروں۔"

نیلم نے ریوالور نکال لیا اور حمید نے مسکراتے ہوئے بائیں آنکھ دبا کر اپنے دونوں
اٹھا دیئے۔

"سیدھے چلو۔" نیلم آہستہ سے بولی۔ "میں مجبور ہوں لیکن حتی الامکان کوشش کر
کہ تمہیں بچالیا جائے۔"

"شکریہ۔ میں بچ جانے کے لئے کسی کا محتاج نہیں بن سکتا۔ تم مجھے اچھی طرح جانتی

"بابا بہت خطرناک ہے۔ وہ کرنل فریدی کو بھی طفلِ مکتب سمجھتا ہے۔"

حمید جیسے ہی دیوار کے قریب پہنچا دروازہ نمودار ہو گیا۔

"چلو.... چلتے رہو۔" نیلم نے کہا۔ وہ ریوالور لئے ہوئے اس کے پیچھے چل رہی تھی

حمید خاموشی سے چلتا رہا اور پھر وہ ایک بہت بڑے کمرے میں آئے۔ حمید کے داخل
ہی اس کمرے کی دیوار بھی برابر ہو گئی اور یہ بھی ایک بہت بڑا صندوق معلوم ہونے لگا۔
آدمی نظر آئے ان میں وہ دونوں چرواہے بھی تھے جنہوں نے حمید اور فریدی کے ساتھ
تھا۔ زخمی چرواہے کا ہاتھ ابھی تک اُسی حالت میں تھا۔ اُس کی ڈریسنگ نہیں کی گئی تھی۔
اُس نے حمید کو دیکھ کر دانت پیستے ہوئے کہا۔ "اب میں دیکھوں گا کہ تم لوگ کتنے
اور طاقتور ہو۔"

"اگر تم نے یہ الفاظ کسی کھلی جگہ پر کہے ہوتے تو میں تمہاری کافی قدر کرتا۔"

حمید مسکرا کر بولا۔ "صندوقوں میں مرنے یا جینے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"گن گن کر سارے بدلے چکاؤں گا۔"

نیلم اُسے تیکھی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ حمید کچھ نہ بولا۔ وہ چاروں طرف کسی ایسے
دے کی طرح دیکھ رہا تھا جس کا پنجرہ تبدیل کیا گیا ہو۔ ویسے حقیقت یہ تھی کہ اس کا ذہن
یدی میں الجھا ہوا تھا۔ ان دونوں چرواہوں کی موجودگی کا مقصد تو یہی ہو سکتا تھا کہ فریدی اور
ی کے نامعلوم ساتھیوں کو شکست فاش ہوئی کیونکہ خود حمید اور قاسم نے ان دونوں چرواہوں کو
رہا تھا۔

دفعتاً سامنے والی دیوار میں ایک دروازہ نمودار ہوا اور دو آدمی اندر داخل ہوئے۔ ان میں ایک
ر غیر ملکی اور دوسرا دیسی تھا۔ دونوں ہی کے چہروں پر گھنی داڑھیاں تھیں۔ غیر ملکی کے ہاتھوں
ی ہتھ کڑیاں تھیں اور اس کی آنکھوں سے گہرا غم جھانک رہا تھا۔

دیسی بوڑھے نے حمید کو نیچے سے اوپر دیکھا اور پھر قہر آلود نظروں سے زخمی چرواہے کی
ف دیکھنے لگا۔

"درجن! تم اپنے لئے خود ہی کوئی سزا تجویز کرو۔"

"کیا مطلب....!" درجن غصیلی آواز میں بولا۔ "تم ہوش میں ہو یا نہیں۔ تمہیں بھی یہ
ت ہوئی کہ مجھ سے اس لہجے میں گفتگو کرسکو۔"

"شٹ اپ یور ڈرٹی سوائین۔" بوڑھا غرایا۔ "محض تمہاری وجہ سے فریدی کو علم ہوا تھا کہ
ی تجارت کی پشت پر کون ہے اور اب تم سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ اُسے پکڑ کر یہاں تک
سکتے۔ تمہاری وجہ سے فولادی جیسی کار آمد چیز تباہ ہوئی۔"

"میں تمہارے سامنے جواب دہ نہیں ہوں۔ تم اپنی زبان بند رکھو۔"

"درجن تجھے سزا ضرور ملے گی۔"

"کس میں ہمت ہے۔" درجن سینہ تان کر بولا۔ "کل تک تو میرا ماتحت تھا نمک حرام آج
ر آنکھیں نکال رہا ہے۔"

"تجھے گھٹنوں چلنا کس نے سکھایا تھا۔" بوڑھے نے زہریلی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"میں صرف رانا صاحب کو جوابدہ ہوں اور تم سب میرے ماتحت ہو۔"

"او کتے کے پلے۔" بوڑھا غرایا۔ "تو ایک سرکاری سراغ رساں کے سامنے رانا صاحب کا نام لے رہا ہے۔"

"شٹ اپ... ذلیل نمک حرام۔" درجن بھی اُسی انداز میں دہاڑا۔ "کیا یہ سراغ رساں اب آسمان دیکھ سکتا ہے۔"

"لیکن رانا صاحب کا نام تیری زبان پر کیسے آیا۔ تجھے اس کی سزا ضرور ملے گی۔" بوڑھے نے آہستہ سے کہا اور پھر نیلم کی طرف دیکھ کر کہا۔ "نیلم تیرے باپ کا قاتل یہی ہے۔ تیری ماں اسی نے گولی چلائی تھی اور تو بارش میں پڑی چیختی رہ گئی تھی۔"

"بابا...!"

"ہاں نیلم... بابا بُرا آدمی ضرور ہے لیکن وہ خواہ مخواہ جھوٹ نہیں بولتا۔"

"تو میرے باپ کا قاتل ہے۔" نیلم نے درجن کو مخاطب کیا۔

"مجھے یاد نہیں۔" درجن نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔ "میرے پاس مقتولوں فہرست کبھی نہیں رہی۔"

نیلم نے اپنے ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور پر نظر ڈالی، لیکن پھر اُسے یہ کہہ کر بوڑھے طرف اچھال دیا۔ "اتنی پیاس ہے بابا کہ مزے لے لے کر پینا چاہتی ہوں۔"

بوڑھے نے ریوالور اپنے ہاتھوں پر روک لیا۔ نیلم دوسرے ہی لمحے میں اپنی پیٹی سے نکال چکی تھی۔

"کیا تمہیں اس ننھی منی سی لڑکی پر رحم نہیں آتا۔" درجن نے بوڑھے سے کہا۔

"نیلم... تیری تربیت میرے ہاتھوں سے ہوئی ہے۔"

"ہاں... بابا...!" نیلم نے کہا اور کسی شیرنی کی طرح درجن پر جھپٹ پڑی۔ درجن پہلا وار خالی دیا۔ وہ کسی دیوانے کی طرح ہنس رہا تھا۔ نیلم دور کھڑی دوسرے حملے کی تاک تھی۔ اس بار اُس نے چھلانگ لگائی۔ درجن نے پینترا بدلا لیکن حمید متحیر رہ گیا۔ پہلے ایسا معلو ہوا جیسے نیلم نے چھلانگ لگائی ہو لیکن حقیقت صرف اتنی تھی کہ اُس نے درجن کو دھوکا دیا چھلانگ تو حقیقتاً اس وقت لگائی تھی جب درجن پینترا بدل چکا تھا۔ نیلم خنجر کھینچ کر پیچھے ہٹ آئی

"بہت اچھے... بہت اچھے۔" بوڑھا بیساختہ بولا۔

اس بار درجن ہی نیلم پر جھپٹ پڑا۔ لیکن نیلم اس کی بائیں پسلی پر وار کرتی ہوئی پیچھے ہٹ گئی۔

"واہ بھئی! کیا ہاتھ تھا... جیو...!" حمید بیساختہ بول پڑا۔

"دیکھا درجن! دشمن بھی تعریف کرتے ہیں۔" بوڑھے نے ہنس کر کہا۔ "لیکن تم میری محنت کی داد نہیں دیتے۔"

درجن کھڑا آگے پیچھے جھول رہا تھا اس کی آنکھیں انگارہ ہو رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے دکھائی ہی نہ دیتا ہو۔ وہ یک بیک بوڑھے کی طرف جھپٹا لیکن نیلم نے اس کے بال پکڑ لئے اور جھٹکا دے کر داہنی پسلی پر بھی ایک وار کیا۔ اس بار درجن اپنے پیروں پر کھڑا نہ رہ سکا۔ فرش پر خون پھیل رہا تھا اور درجن کے ہاتھ اس طرح پھسل رہے تھے جیسے وہ دوبارہ اُسے اپنی رگوں میں بھر لینا چاہتا ہو۔

"اب تم اسی طرح سسکتے رہو۔" نیلم نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "لیکن آخری اور فیصلہ کن وار ہرگز نہ کروں گی۔"

"شاباش... تو بابا ہی کی بیٹی ہے۔" بوڑھے نے کہا۔

نیلم کچھ نہ بولی۔ وہ کسی شریر بچے کی طرح زخمی درجن کی طرف دیکھ رہی تھی جس نے کسی تتلی کے پر نوچ کر اُسے فرش پر ڈال دیا ہو۔ اُس کے چہرے پر خوشی اور حیرت کے ملے جلے آثار تھے جیسے اُسے اپنے اس کارنامے پر یقین ہی نہ آ رہا ہو۔

حمید خود کو لاپرواہ ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کیوں کیپٹن؟ کیا تم بھی اسی لڑکی کے ہاتھوں مرنا پسند کرو گے۔" بوڑھے نے مسکرا کر حمید کو مخاطب کیا۔

"ہرگز نہیں۔" حمید بھی جواباً مسکرایا۔ "مجھے اردو شاعری کے قاتل سے ہمیشہ نفرت رہی ہے لیکن میں ایک خاص قسم کی موت زیادہ پسند کرتا ہوں۔"

"وہ خاص قسم کی موت کون سی ہے۔"

"تم گانا شروع کر دو۔ میرا نام عبدالرحمٰن۔ پستے والا میں ہوں پٹھان۔ بس میں یہیں پھڑک پھڑک کر جان دے دوں گا۔"

"کیا تم سمجھتے ہو کہ یہاں سے بچ کر نکل جاؤ گے۔" بوڑھا جھلا گیا۔

"بس مری جان یہ جملہ نہ دہراؤ۔ یہ جملہ ہمیشہ سے منحوس ثابت ہوتا چلا آرہا ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے درجن نے بھی یہی کہا تھا۔ اس کا انجام تمہارے سامنے ہے۔"

"نیلم.... اسے بھی ختم کردے۔" بوڑھے نے کہا۔

نیلم چند لمحے حمید کو گھورتی رہی پھر بولی۔ "میری عقل ابھی اپنی جگہ پر ہے۔ یہ ایک غیر دانشمندانہ فعل ہوگا بابا۔"

"کیوں....؟"

"اسے فریدی کو پھانسنے کیلئے چارا کیوں نہ بناؤ۔ ویسے وہ ہاتھ نہیں آئے گا۔ بڑا کائیاں ہے۔"

بوڑھا کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ "تو ٹھیک کہہ رہی ہے نیلم۔"

حمید کی طرف دیکھ کر اُس نے کہا۔ "تم نے دیکھا اس لڑکی کو.... یہ ایسے حالات میں بھی عقل مندوں کی طرح سوچتی ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔

ہنگاموں کی موت

بھاری بھرکم درجن کسی مرتے ہوئے بھینسے کی طرح ڈکرا رہا تھا.... اور نیلم ہنس رہی تھی چیخ رہی تھی۔ "میں نے آج تک کسی پرندے کا بھی خون نہیں بہایا۔ لیکن میں اس وقت اتنی مسرور ہوں جیسے میں نے کوئی بڑا نیک کام کیا ہو.... بابا کیا میں خوش نظر نہیں آتی۔"

"بہت زیادہ۔" بوڑھے نے کہا۔ "تم ہی نہیں میں بھی خوش ہوں کہ آج تمہیں تمہارے والدین کے قاتل سے ملا سکا۔"

"شکریہ بابا۔" نیلم نے کہا۔ لیکن حمید نے اس کے لہجے میں ہلکی سی تلخی بھی محسوس کرلی۔ ابھی تک اس کی نظروں سے صدہا عجیب لڑکیاں گذری تھیں لیکن یہ لڑکی عجیب ترین تھی۔

دفعتاً بائیں جانب والی دیوار سے ایک دروازہ نما خلاء نمودار ہوئی اور حمید کو قاسم نظر آیا۔ اُسے دو آدمی دھکیل دھکیل کر آگے بڑھا رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ بھی اسی کمرے میں آگیا۔ اُس کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔

حمید کو دیکھ کر اس کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی۔ پتہ نہیں یہ خوشی کا اظہار تھا یا حیرت کا۔

بوڑھے نے ان آدمیوں کو مخاطب کیا جو قاسم کو لائے تھے۔

"وہ کہاں ہے۔"

"تلاش جاری ہے۔" ایک نے جواب دیا۔ "ہمیں یقین ہے کہ کچھ دیر بعد وہ بھی یہیں نظر آئے گا۔"

"جاؤ.... تلاش کرو۔" بوڑھے نے غصیلے لہجے میں کہا۔

حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔ وہ سمجھا تھا شاید فریدی بھی ان کے ہتھے چڑھ گیا۔

اُس نے قاسم کی طرف دیکھا، جو آہستہ آہستہ کھسکتا ہوا حمید کے قریب پہنچ گیا تھا۔ لیکن شاید اس نے نہ تو نیلم کی موجودگی محسوس کی تھی اور نہ اُس زخمی کو دیکھ سکا تھا، جو اب بیہوش تھا۔

"ارے باپ رے۔" نیلم پر نظر پڑتے ہی وہ اچھل پڑا اور بوڑھا اُسے گھورنے لگا۔

"قیوں.... نیلم....!" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "تم گھبراؤ نہیں۔ میں ان سبھوں سے سمجھ لوں غا۔"

نیلم نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور بوڑھے کی طرف دیکھ کر بولی۔ "یہ بیچارے یہی سمجھتے رہے تھا کہ میں تم لوگوں کے مظالم کی شکار ایک بے سہارا لڑکی ہوں۔"

"اور کیا....!" قاسم سر ہلا کر بولا۔ "تم اس بیچاری کو چھوڑ دو۔ چاہے مجھے پھانسی دے دینا۔"

"قاسم ہوش میں آؤ...." حمید بولا۔ "ہم ابھی تک دھوکا کھاتے رہے ہیں۔ یہ لڑکی اسی گروہ سے تعلق رکھتی ہے.... اور وہ.... اُدھر دیکھو.... وہ لاش، اسے نیلم ہی نے ابھی ابھی ہماری آنکھوں کے سامنے قتل کیا ہے۔"

"ارے باپ رے۔" قاسم نے بوکھلا کر شاید پیٹ پر ہاتھ پھیرنا چاہا لیکن ہاتھ تو پشت پر بندھے ہوئے تھے۔

"میں پیٹ پر ہاتھ پھیرنا چاہتا ہوں۔" اُس نے بوکھلا کر کہا۔ لیکن شائد اُسے اپنی حماقت کا احساس ہوگیا۔ پھر اُس نے جو جھینپی ہوئی شکل بنا کر زور کیا ہے تو اُس کے ہاتھوں کے گرد رسی کے بل تڑاخ تڑاخ ٹوٹ گئے اور وہ سچ مچ پیٹ پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

"تم اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کرو گے۔" بوڑھا ریوالور کا رخ اس کی طرف کرکے دہاڑا۔

"نہیں قروں غا۔" قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"لیکن تم ان لوگوں کے ساتھ کیوں دھکے کھاتے پھر رہے ہو۔ تم شائد خان بہادر عا لڑکے ہو۔"

"تم قون ہو۔"

"میں ساری دنیا کا بادشاہ ہوں۔"

"نہیں مجرا کرو۔" حمید نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

"مجھے مجرا کرنا نہیں آتا بھائی صاحب۔" قاسم بوکھلا کر بولا۔ "ارے بھائی بادشاہ صا

پھر وہ حمید پر الٹ پڑا۔ انداز بالکل بھٹیاروں کا سا تھا۔

"ابے تم خود کرو مجرا۔ میں رنڈی ہوں کیا کہ مجرا کرتا پھروں۔ تم خود رنڈی۔" بو پڑا۔ نیلم بھی ہنسنے لگی۔

دفعتاً وہ غیر ملکی بُرا سامنہ بنا کر بولا۔ جواب تک خاموش کھڑا رہا تھا۔

"تم لوگ درندے ہو۔ بالکل درندے۔ اُسے مار ہی کیوں نہیں ڈالتے۔ ایسا برتاؤ تو کے ساتھ بھی نہیں کرتے۔"

وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر زخمی درجن کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تم بہت نرم دل ہو ہرمین۔" بوڑھے نے کہا۔ "اسی لئے تو میں تم پر نازل کیا گیا لوگ اسی لئے پیدا ہوئے ہو کہ تمہارا علم ہم جیسوں کے کام آئے۔ تم میں ساری دنیا کرنے کی طاقت ہے، لیکن تم اُس طاقت کے استعمال سے ناواقف ہو۔ مجھے دیکھنا کہ م طاقت کو کس طرح مصرف میں لاتا ہوں۔ رحم دل آدمی دنیا میں کچھ نہیں کر سکتے۔ یہ دراصل چالاک بزدلوں کا تراشا ہوا ہے جس کام کی ہمت نہیں پڑتی اُسے رحم دلی کے ڈال دیا جاتا ہے اور جس کام کے کر گذرنے کی سکت ہوتی ہے اُسے دوسرے خوبصورت جاتے ہیں خواہ اس میں بربریت کی ہی حد کیوں نہ ہو جائے۔ یہ بیسویں صدی ہے، امن کے نام پر خون بہایا جاتا ہے۔ جو تم سے متفق نہ ہو نہایت اطمینان سے اس کی گ اعلان کر دو کہ یہ امن عالم کے لئے بہت ضروری تھا۔ آدمیوں کی طرح سوچنا سیکھو ہر بن کر آدمیوں میں رہنا مشکل ہے۔ افسوس کی علم کی روشنی تمہارے ذہن میں اجالا

اس لڑکی کے کارنامے کو درندگی قرار دیتے ہو۔ نہیں تم غلطی پر ہو۔ تلوار کے جوہر کسی کی گردن ہی پر آزمائے جا سکتے ہیں۔ مگر نہیں ٹھہرو۔ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ میں تمہیں یہ بات بیسویں صدی کے سود و زیاں والے معیار سے کیوں نہ سمجھاؤں جس طرح کسی کی گردن اڑا دینا امن عالم کے لئے ضروری ہوتا ہے، اُسی طرح اس لڑکی کا یہ فعل بھی بہت ضروری تھا ورنہ آئندہ وہ اس کے بدلے ہزاروں کو بھی قتل کر سکتی تھی۔ یہ جب شیر خوار ہی تھی تو اس کا باپ قتل کر دیا گیا۔ قاتل اس کی ماں کو بھی زندہ نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ وہ اسے گود میں اٹھا کر گھر سے نکل بھاگی لیکن قاتل کی گولی نے اُسے بھی نہ چھوڑا۔ وہ شارع عام پر مردہ پڑی تھی اور یہ اس کی چھاتی سے چمٹی ہوئی بلک رہی تھی اور ان دونوں پر سے بارش کا طوفان گذر رہا تھا۔ یہ بچی بچپن ہی سے یہ کہانی سنتی آئی ہے اور انتقام کی آگ اس کے ریشے ریشے میں سلگتی رہی ہے۔ اگر وہ قاتل اُسے نہ ملتا اور یہ اس سے انتقام نہ لے لیتی تو ہو سکتا تھا کہ یہ کبھی پورے معاشرے کے لئے خطرہ بن جاتی۔ لہٰذا اس وقت جو کچھ بھی ہوا ہے اُسے تم درندگی نہیں کہہ سکتے۔ یہ کل کی تباہی سے بچنے کے لئے بہت ضروری تھا۔ خیر ہٹاؤ... یہ شاید اب دم توڑ رہا ہے۔ اب تم اُسے خاک کر دو۔"

ہرمین کچھ نہ بولا۔ درجن سچ مچ تڑپ رہا تھا اور شاید یہ اُس کے اعصاب کا آخری کھنچاؤ تھا۔ دفعتاً اس کی گردن ایک جھٹکے کے ساتھ ڈھلک گئی۔ اب وہ بالکل ساکت تھا۔

"مجھے سردی لگ رہی ہے بابا۔" نیلم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"تن کر کھڑی ہو جاؤ اور یہ سوچو کہ تمہیں اُسے ایک بار اور قتل کرنا ہے۔" بوڑھے نے جواب دیا۔

"مجھے سردی لگ رہی ہے بابا۔" نیلم نے پہلے ہی کے سے انداز سے کہا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُس نے بوڑھے کی آواز سنی ہی نہ ہو۔

پھر وہ اندھوں کی طرح ٹٹولتی ہوئی آگے بڑھی اور دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

وہ بالکل اسی طرح کانپ رہی تھی جیسے سردیوں کی بارش میں دیر تک بھیگتی رہی ہو۔ اُس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا تھا۔ بوڑھے نے لاپروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دی اور ہرمین سے بولا۔

"کیا تم نے سنا نہیں.... چلو.... اس لاش کو راکھ کا ڈھیر بنا دو۔"

"یہ کیا ہو رہا ہے.... غمید بھائی۔" قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بڑبڑایا۔ حمید کچھ نہ بولا۔

ہرمین آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا دیوار کی طرف جا رہا تھا۔ اُس نے ہتھکڑی لگے ہوئے ہاتھ اٹھا کر دیوار پر ایک جگہ انگلی رکھی اور دوسرے ہی لمحے میں عجیب قسم کی گھڑگھڑاہٹ سنائی دی۔ دائیں جانب والی دیوار شق ہوئی اور ایک بڑا سا سیاہ رنگ کا صندوق فرش پر پھسلتا ہوا کمرے کے وسط میں آرکا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے کوئی کمپارٹمنٹ ریلوے لائن پر دوڑتے دوڑتے رک گیا ہو۔

ہرمین نے اُسے کھولا اور درجن کی لاش اٹھا کر اُس میں رکھ دی گئی۔ ڈھکن کے بند ہوتے ہی صندوق پھر پہلے ہی کی طرح پھسلتا ہوا کمرے سے چلا گیا اور دیوار بھی برابر ہو گئی۔

حمید ہرمین کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سب ہی خاموش تھے۔ دفعتاً حمید نے ہرمین کے چہرے پر حیرت کے آثار دیکھے۔ اُس کی نظر ایک دیوار کے اُس حصے پر تھی جہاں ایک سوئچ بورڈ پر سرخ رنگ کے تین بلب کبھی بجھتے تھے اور کبھی روشن ہو جاتے تھے۔

"کیا بات ہے۔" بوڑھے نے پوچھا۔ شاید اُس نے بھی اس کی آنکھوں میں کوئی تبدیلی پڑھ لی تھی۔

"کچھ نہیں۔" ہرمین نے کہا اور فرش پر پھیلے ہوئے خون پر نظر جما دی۔

"شاید دو منٹ بعد دیوار پھر شق ہوئی اور صندوق پھر کمرے کے وسط میں آکر رک گیا۔

ہرمین نے آگے بڑھ کر ڈھکن اٹھایا لیکن اچانک اُس کے منہ سے عجیب سی آواز نکلی اور وہ اچھل کر پیچھے ہٹ آیا۔ صندوق میں کرنل فریدی کھڑا انہیں گھور رہا تھا اور اس کے ہاتھوں میں ٹامی گن تھی۔ وہ صندوق سے باہر آکر بولا۔ "شاید آپ لوگوں کو میری آمد گراں گذرے اس لئے براہ کرم اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیجئے۔"

حمید اور قاسم کے علاوہ سب نے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔ حمید بوڑھے کو مخاطب کر کے بولا۔

"کیوں اب کیا ہے۔ میں نے کہا تھا کہ اس منحوس جملے کو نہ دہراؤ۔"

"ہرمین۔" بوڑھے نے کہا۔ "اگر تم نے ذرہ برابر بھی کمزوری دکھائی تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔"

فریدی چونک کر بوڑھے کو گھورنے لگا۔ اُس نے شاید ابھی تک اُسے کوئی اہمیت نہ دی تھی۔

نیلم بھی اب کھڑی ہو گئی تھی۔ لیکن اُس کے چہرے پر اضمحلال طاری تھا۔ خدوخال میں پہلے سی تازگی یا زندگی باقی نہیں رہی تھی۔

"او ہو.... تو یہ جناب ہیں۔" فریدی نے بوڑھے کے چہرے پر نظر جمائے ہوئے کہا۔

"کیا آپ اسے جانتے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"اچھی طرح حمید صاحب۔"

"ارے تو پھر بنا دوں چٹنی سالے کی۔" قاسم بول پڑا۔

"نہیں.... میں انہیں بڑے اعزاز واکرام کے ساتھ یہاں سے لے جاؤں گا۔"

"پولیس....!" ہرمین نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔ "اوہ.... وہاں پولیس اسٹیشن.... تم ہی تو فولادی کو پولیس اسٹیشن لے گئے تھے۔"

"اور میں نے ہی فولادی کو اندھا کیا تھا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "فولادی ایک شاندار ایجاد تھی۔ مجھے اعتراف ہے اور اس کی بربادی پر افسوس بھی۔ لیکن اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ میں پہلے ہی سے جانتا تھا کہ فولادی کس طرح مار کھا سکتا ہے۔ اس کی روشنی میں آئی ہوئی ہر چیز یہاں ٹیلی ویژن کی اسکرین پر نمایاں ہو جاتی تھی اور تم اس کے بچاؤ کی تدبیر کر لیتے تھے۔ اس بناء پر بھاری توپیں بھی اُسے ختم کرنے میں ناکام رہی تھیں۔ میں نے اس کی روشنی سے بچ کر روشن حصے پر گولی چلائی اور اُسے بیکار کر دیا۔ چونکہ میں روشنی میں نہیں تھا اس لئے تمہیں یہاں اسکرین پر نہیں نظر آسکا۔ روشنی والا حصہ شیشے کا تھا اور بہت آسانی سے توڑا جا سکتا تھا۔"

"تم بہت چالاک ہو۔ میں پہلے ہی دن سمجھ گیا تھا۔" ہرمین بولا۔

"اور آپ....!" فریدی نے بوڑھے کی طرف دیکھ کر کہا۔ "آپ سونا گھاٹ پر نئی بندرگاہ کی تعمیر نہیں پسند کرتے تھے۔ اسی لئے ہرمین پر قابو پاتے ہی آپ نے سب سے پہلے اسی کا تصفیہ کرنا بہتر سمجھا۔ اگر سونا گھاٹ پر بحری فوج کا اڈہ بن جاتا تو پھر آپ کی ناجائز درآمد و برآمد کا کیا ہوتا۔ ظاہر ہے کہ سونا گھاٹ اس کام کے لئے ہمیشہ سے موزوں رہا ہے۔ کچھ تو بولئے جناب۔ آخر آپ خلاف معمول اتنے خاموش کیوں ہیں۔"

"تم اپنی بکواس بند کرو تو میں بھی بولوں۔"

"چلئے.... میں خاموش ہو گیا۔"

"تم کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو۔"

"یہ مرض مجھے بہت کم ہوتا ہے۔"

"کیا ہم ایک دوسرے کے لئے اجنبی نہیں ہیں۔" بوڑھے نے کہا۔

"ایسا بھی کیا کہ اتنی پرانی جان پہچان والے ایک دوسرے کے لئے اجنبی بن بیٹھیں۔ نہیں اس پر تیار نہیں ہوسکوں گا۔"

"اچھا تو تم میرا کیا کرلو گے۔"

"ابھی بتاتا ہوں.... پہلے کیپٹن سے آپ کا تعارف تو کرادوں۔ حمید صاحب آپ وہ بڑے آدمی جن کا تذکرہ میں اکثر کرتا رہا ہوں۔ رانا صاحب! ممبر آف پارلیمنٹ۔ آپ کا گروپ بہت تگڑا ہے اور آپ ایک بہت بڑے دیش بھگت اور دیش سیوک بھی ہیں اور ملک کے حاکم اعلیٰ صاحب جو دیش سیوکوں کے بھی سیوک ہیں آپ کی ذات بابرکات پر نہ صرف اعتماد کرتے ہیں بلکہ اکثر غیروں کے سامنے فخر بھی کیا کرتے ہیں۔ شاید وہ آپ کے کرتوتوں سے واقف ہی نہیں ہیں اس لئے دوسرے بڑے حکام نہ صرف آپ سے خوف کھاتے ہیں بلکہ اس طرح آپ کے آتے ہیں کہ اُن کی پولیس بھی منہ دیکھتی رہ جاتی ہے اور آپ بھی محفوظ ہی رہتے ہیں لیکن آپ یاد ہوگا کہ فریدی آپ کو کئی بار وارننگ دے چکا ہے اور آج وہ آپ کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں کر یہاں سے لے جائے گا رانا صاحب! آپ ہرمین پر قابو پاکر حکومت کا تختہ الٹنے کا پروگرام رہے تھے۔ آپ کو شارع عام پر پھانسی دلواؤں گا.... اسے لکھ لیجئے۔"

"جھک مار رہے ہو۔" بوڑھے نے قہقہہ لگایا۔ "آج رات کی کہانی تم لوگوں کے ساتھ دفن ہوجائے گی۔"

"ارے.... اسے ہٹاؤ.... وہاں سے۔" دفعتاً ہرمین چیخا۔

لیکن قبل اس کے کہ فریدی سنبھلتا بوڑھے کو زمین نگل گئی۔ مگر شاید وہ فائر فریدی نے گیا تھا جس نے ہرمین کی کھوپڑی میں سوراخ کردیا۔

"وہ گیا۔" نیلم چیخی۔ "سب یہیں دفن ہوجائیں گے۔" اُس نے جگہ جگہ ڈائنامائیٹ ہیں اور ان کا سوئچ باہر ہے۔ بھاگو۔ میرے ساتھ آؤ۔"

اُس نے جھپٹ کر ایک سوئچ بورڈ کا بٹن دبایا اور دیوار ایک طرف سرکتی چلی گئی۔ وہ کے پیچھے دوڑ رہے تھے اور بوڑھے کے دوسرے ساتھی اس وقت سیلاب کے سانپوں کی طرح ہوگئے تھے۔ کوئی دوسرا موقع ہوتا تو حتی الامکان فریدی اور حمید کو زندہ نہ جانے دیتے

وقت وہ خود بھی اپنے بھیانک انجام سے خائف ہوکر انہیں دونوں کا ساتھ دے رہے تھے۔

نیلم ان کی رہنمائی کررہی تھی اور وہ سب گرتے پڑتے بھاگے جارہے تھے۔ آخر وہ متعدد صندوق نما کمروں کے جال سے نکل کر سرنگ میں دوڑنے لگے۔ سرنگ تاریک تھی لیکن شاید نیلم کی حاضر دماغی نے کہیں سے ایک ٹارچ اٹھالینے میں کوتاہی نہیں کی تھی۔ وہ سب سے آگے دوڑ رہی تھی۔ اگر ہاتھ میں ٹارچ نہ ہوتی تو شاید ان میں سے کئی کے ہاتھ منہ ٹوٹے ہوتے کیونکہ ان کے پیروں کے نیچے زمین ناہموار تھی۔

وہ بہت جلد کھلے آسمان کے نیچے آگئے لیکن نیلم کی رفتار اب زیادہ تیز ہوگئی تھی۔ حمید نے پلٹ کر دیکھا اُس کے پیچھے صرف قاسم تھا اور بوڑھے کے ساتھیوں میں سے جس کے جدھر سینگ سمائے تھے بھاگ نکلا تھا۔

تقریباً دو فرلانگ دوڑنے کے بعد نیلم رک گئی۔

اس کی ٹارچ کی روشنی اندھیرے میں رینگ گئی تھی۔

"وہ رہا.... وہ دیکھئے۔" نیلم کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔ "شاید سوئچ تلاش کررہا ہے۔ جلدی میں سوئچ کا مقام بھول گیا۔"

ٹارچ کی روشنی پڑتے ہی بوڑھا اچھل کر بھاگا۔ فریدی کی ٹامی گن گولیاں اگلنے لگی۔ بوڑھا بھی ایک چٹان کی اوٹ سے فائر کرنے لگا تھا۔ فریدی نے ٹامی گن ایک طرف ڈال کر ریوالور نکال لیا۔ دونوں طرف سے فائر ہوتے رہے۔ حمید کے پاس ریوالور نہیں تھا۔ اس لئے وہ خاموش کھڑا رہا۔ دفعتاً نیلم بولی۔

"میں ہی اُسے قابو میں لاؤں گی۔"

وہ گھٹنوں کے بل چلتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

"ٹھہرو.... یہ کیا کرتی ہو۔" فریدی نے کہا۔

"ارے.... ہائیں.... ہائیں۔" قاسم ہکلایا۔

اور دوسرے ہی لمحے میں وہ ایک ہلکی سی کراہ کے ساتھ حمید پر آگری۔ حمید نے بڑی پھرتی سے اُسے ہاتھوں پر سنبھال لیا۔

"نیلم کیا ہے.... کیا ہوا۔"

"گولی.... کیپٹن.... میرے شانے میں گولی لگی ہے.... اُف.... اوہ....!"

"حمید تم اسے دیکھو.... یہ ایسے قابو میں نہ آئے گا۔" فریدی نے کہا اور حمید کے منع کرنے کے باوجود بھی بائیں جانب تاریکی میں رینگ گیا۔

"کیپٹن یقین جانو۔" نیلم کراہی۔ "ہم میں سے کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ خود ہی آقا بھی ہے اور خود ہی غلام بھی۔ تم نے درجن کی گفتگو سنی تھی.... وہ بھی اُف.... نہیں جانتا تھا۔"

"تم خاموش رہو نیلم.... قاسم ٹارچ روشن کرو۔"

"ٹارچ.... نہیں.... وہ برابر غولی چلا رہا ہے۔"

"پرواہ مت کرو۔ میں زخم دیکھوں گا۔ اُسے چلانے دو گولی۔ نیلم گھبراؤ نہیں۔"

"نہیں.... تم ٹارچ مت روشن کرنا۔ ٹھہرو.... کیپٹن.... یہ تو بڑی اچھی بات ہے کہ میں مرنے جارہی ہوں۔ میں نے ابھی ایک آدمی کے خون سے ہاتھ رنگے تھے۔ بابا بدطینت آدمی ہے۔ پتہ نہیں.... اُس نے جھوٹ کہا تھا یا سچ.... ہوسکتا ہے.... درجن نے غصے میں اسکی پرواہ نہ کی ہو کہ وہ اس پر جھوٹا الزام رکھ رہا ہے۔ میں نے بہت بُرا کیا کیپٹن.... اللہ مجھے معاف کرے۔"

"وہ بُرا آدمی تھا نیلم تم اس کی فکر نہ کرو۔ تم پر آنچ نہیں آئے گی۔ میں تمہیں حکومت سے انعام دلواؤں گا۔"

"انعام....!" شاید وہ ہنسی تھی۔ "میں گلے میں لعنت کا طوق ڈال کر دنیا سے رخصت ہو رہی ہوں۔ میں نے بہت بُرا کیا کیپٹن.... وہ بُرا تھا تو میں ہی کہاں کی اچھی تھی.... میری ساری زندگی کشمکش میں گذر گئی۔ کبھی اچھی بننے کی کوشش کرتی تھی.... اور کبھی.... کیپٹن.... اچھے کیپٹن.... میں نے سوچا تھا کہ ہم دونوں گہرے دوست بن جائیں گے۔ اوہ.... تم یہاں ہو موٹے.... بھیا خدا کے لئے مجھے معاف کردو میں نے تمہیں بہت پریشان کیا ہے۔ میرے بھیا۔"

قاسم دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔

"نہیں.... نہیں.... ارے" اُس کے ہاتھ حمید کے گالوں پر رینگ گئے۔ "ارے تم بھی رو رہے ہو کیپٹن.... اللہ.... اللہ.... میں اکیلی نہیں ہوں۔ میرے لئے بھی رونے والے ہیں۔ اللہ.... اُوف.... مجھے بھینچ لو کیپٹن۔ تم میرے باپ ہو۔ تم میرے لئے رو رہے ہو۔ میرے بابا.... تم میری ماں ہو۔ مجھے بھینچ لو.... میرا جسم اکڑ رہا ہے.... بابا.... میرے.... بابا....

اوہ.... کتنی تیز بارش ہو رہی ہے.... ماں.... مجھے بھینچ لو.... ماں مجھے بھینچ لو.... ماں بارش ماں.... بارش....!"

یک بیک وہ خاموش ہو گئی۔

"نیلم.... نیلم....!" حمید نے اُسے آہستہ سے ہلایا۔

لیکن نیلم کی آواز نہ سنی جاسکی۔ حمید نے بہ آہستگی اُسے زمین پر ڈال دیا۔

"حمید.... بھائی...." قاسم ہچکیاں لیتا ہوا بولا۔

"ختم ہو گئی۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"قاسم کی ہچکیاں پھر دہاڑوں میں تبدیل ہو گئیں۔

اس دوران میں فائر برابر ہوتے رہے تھے لیکن اب ان کا رخ دوسری جانب تھا۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

"میں تمہیں پاتال میں بھی نہیں چھوڑوں گا۔" دفعتاً انہوں نے فریدی کی آواز سنی۔

"میں تجھے کسی کیچوے کی طرح مسل دوں گا۔" جواب ملا۔

انہوں نے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنیں ایک فائر ہوا۔ پھر فوراً ہی ایک چیخ فضا میں ابھری اور دور تک پھیلتی چلی گئی۔

"کرنل.... کرنل....!" حمید چیخا۔

"ہاں میں بخیریت ہوں۔" نیچے سے آواز آئی۔ "تم ٹارچ لے کر نیچے آؤ۔"

حمید نے قاسم کو وہیں ٹھہرنے کی ہدایت کی اور وہ خود ٹارچ لے کر نشیب میں اترتا چلا گیا۔

فریدی نے اُسے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور پھر حمید نے ایک ایسا منظر دیکھا جس سے اس کی کافی تسکین ہوئی اور وہ چند لمحے کے لئے یہ بھول گیا کہ ابھی ابھی نیلم کی لاش کے پاس سے اٹھ کر آرہا ہے۔

بوڑھا ایک چٹان پر چت پڑا ہوا تھا۔ اس کا جسم سرد ہو چکا تھا۔ گولی سر میں لگی تھی۔ فریدی اُسے چند لمحے دیکھتا رہا پھر سیدھا کھڑا ہو کر بولا۔

"یہ قاسم کیوں چنگھاڑ رہا تھا۔"

"نیلم....!"

"کیا ہوا.... اُسے۔" فریدی کے لہجے میں اضطراب تھا۔

"ختم ہوگئی۔"

"اوہ....!" فریدی کے منہ سے اتنا ہی نکلا اور وہ خاموش ہوگیا۔

اچانک انہوں نے قاسم کی چنگھاڑ سنی۔ "حمید بھائی.... ابے دوڑو.... جندہ ہے۔ الا غسم.... ابھی پانی مانگا تھا.... زندہ ہے.... الا غسم....!"

حمید بے تحاشہ دوڑا۔ فریدی بھی دوڑ رہا تھا لیکن حمید کی طرح بے سدھ ہوکر نہیں دوڑا تھا۔

نیلم آنکھیں بند کئے کراہ رہی تھی۔

"میں زخم تو دیکھوں۔" فریدی اس کے سرہانے بیٹھتا ہوا بولا۔ بائیں شانے سے خون بہہ کر جم گیا تھا۔ اس نے ٹارچ کی روشنی میں زخم دیکھا اور کچھ دیر بعد بولا۔ "گولی شانے کی کھال پھاڑتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی ہے۔ یہ دراصل بے ہوش ہوگئی ہوگی۔"



کچھ دیر بعد انہوں نے اپنی پشت پر آگ کی لپٹیں اٹھتی دیکھیں۔ آگ اتنی بلند تھی کہ دور تک کے علاقے نظر آرہے تھے۔ لیکن انہوں نے کوئی دھماکہ نہیں سنا تھا۔ آگ یقینی طور پر انہیں غاروں سے نکل رہی تھی جن میں کچھ دیر پہلے انہوں نے ایک خطرناک مجرم کے چہرے سے نقاب ہٹائی تھی۔ مگر آخر یہ کیسے ہوا۔ اگر انہوں نے ڈائنا میٹ استعمال کئے ہوتے تو دھماکے بھی یقینی طور پر ہوتے۔ یہ تو ایسا لگ رہا تھا جیسے پتھروں کو آگ لگ گئی ہو۔

حمید نے نیلم کو پشت پر لادا اور وہ لوگ وہاں سے چل پڑے۔ فریدی کے خیال کے مطابق قریب ہی ایک چشمہ بھی تھا۔ اُس کا خیال غلط نہیں نکلا۔ وہ چشمے تک پہنچ گئے۔ فریدی نے نیلم کا زخم صاف کرکے ڈریسنگ کردی۔

نیلم کو ہوش آگیا تھا وہ چشمے تک پہنچ گئے۔ نیلم کو ہوش آگیا تھا۔

جب اُسے ساری سچویشن معلوم ہوئی تو اس نے مسکرا کر کہا۔ "میں اب بھی آپ کی مدد کرسکتی ہوں۔ مجھے وہ جگہ معلوم ہے جہاں اُس کے دونوں ہیلی کوپٹر چھپائے گئے تھے۔"

"بھئی مانتا ہوں.... تم واقعی بہت ذہین لڑکی ہو۔" فریدی نے کہا۔

وہ ہیلی کوپٹر کے ذریعہ ٹیکم گڈھ پہنچے۔ اپنے ساتھ وہ رانا کی لاش بھی لائے تھے۔ فریدی نے لاکھ چاہا کہ ابھی اس حادثہ کی خبر نہ مشہور ہو لیکن خبر تو پہلے ہی جنگل کی آگ کی طرح ٹیکم گڈھ میں پھیل چکی تھی۔ فوجیوں نے اس علاقے پر چھاپہ مارا جہاں یہ حادثات ہوئے تھے، لیکن چٹختے ہوئے پتھروں کے ڈھیروں کے علاوہ انہیں اور کچھ نہ ملا۔ ہر مین تو رانا ہی کی گولی کا شکار ہوگیا تھا اور رانا کے ساتھی غالباً فریدی کے ساتھ ہی نکل بھاگے تھے، جنہیں گرفتار کرلینا اب بھی مشکل نہیں تھا.... لیکن ہر مین کے پچیس ساتھی؟ ان کا کیا بنا؟ کیا وہ نکل گئے ہوں گے یا انہیں غاروں میں دب کر ہلاک ہوگئے تھے جن کی تخلیق خود انہوں نے کی تھی۔

فریدی کا یہ کارنامہ ہر فرد و بشر کی زبان پر تھا لیکن حقائق کا علم کسی کو بھی نہ ہوسکا تھا۔ رانا کی داستان اسی کے قول کے مطابق گویا سچ مچ انہیں غاروں میں دفن ہوگئی تھی۔ لوگ یہی سمجھتے رہے کہ ان کی تباہ کاریوں کا ذمہ دار ہر مین تھا جسے پولیس نے شکست دے دی اور وہ اپنی ہزیمت سمیت اپنے ہی ہاتھوں بربادی کے غار میں جا سویا۔ رانا کی داستان حکومت نے نہ پھیلنے دی۔ مقصد غالباً یہی تھا کہ لوگوں میں رہنماؤں کی طرف سے بددلی نہ پیدا ہونے پائے۔

نیلم ہسپتال میں داخل کردی گئی تھی۔ فریدی کو فرصت ملنے پر حمید نے سوالات شروع کردیئے۔ کئی باتیں اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھیں۔

فریدی نے سب سے اہم سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "اُس ویرانے میں صرف ہم ہی تین آدمی تھے۔ تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ میری بلیک فورس بھی وہاں کام کررہی تھی۔"

"تو پھر آپ نے ٹرانسمیٹر کے ذریعہ حملہ کا حکم کسے دیا تھا۔"

"اوہ....!" فریدی مسکرایا۔ "میں جانتا تھا کہ حملہ آوروں کے پاس ٹرانسمیٹر ضرور ہوں گے اور یہ حقیقت بھی تھی۔ اگر وہ میرے ڈاج میں نہ آجاتے تو نقشہ دوسرا ہوتا۔ انہوں نے چاروں طرف سے گھیرا ڈالا تھا۔ میرے اس ڈاج نے انہیں غلط فہمی میں مبتلا کردیا۔ وہ اندھیرے میں آپس میں ہی لڑ گئے۔ میرا مقصد یہ تھا کہ انہیں اس طرح بھڑا کر چپ چاپ نکل جاؤں اور کہیں چھپ کر دیکھوں کہ وہ اس ہنگامے کے بعد جاتے کہاں ہیں۔ اس طرح میں ان غاروں تک پہنچنے میں کامیاب ہوا تھا۔ لیکن اتفاقاً میں ادھر جا نکلا جدھر ہر مین کے ساتھی قید تھے۔ اُن سے اصل واقعات کا علم ہوا۔ اتنے میں وہیں سے ایک سیاہ رنگ کا صندوق گذرا جس پر ان لوگوں نے حیرت

ظاہر کی۔ پھر انہوں نے مجھے اس کے روکنے کی تدبیر بتائی۔ میں نے اُسے روکا۔ اس میں درجن کی لاش تھی۔ تب انہوں نے بتایا کہ اُسے راکھ میں تبدیل کرنے کے لئے روانہ کیا گیا تھا۔ وہ صندوق دراصل الیکٹرک کی بھٹی پر جاکر رک جاتا اور لاش پندرہ منٹ کے اندر اندر راکھ کے ڈھیر میں تبدیل ہو جاتی۔ ویسے اس بھٹی اور صندوق نما گھالی کا مصرف دوسرا تھا۔ وہ دھاتوں کو پگھلانے کے کام میں لائی جاتی تھیں۔ انہوں نے بتایا کہ اس آدمی کو انہوں نے پہلی بار دیکھا تھا۔ یقینی طور پر کوئی خاص مسئلہ درپیش ہوگا اور وہ سب بُرے آدمی ایک ہی کمرے میں اکٹھا ہوں گے جہاں سے وہ صندوق روانہ کیا گیا تھا اور اب اُسے پھر وہیں واپس جانا ہوگا۔ بس میں نے درجن کی لاش نکال کر ایک طرف ڈال دی اور خود اس صندوق میں لیٹ گیا۔

"مگر میں سوچ رہا ہوں کہ اس کیس کا ہیرو میں ہوں یا آپ ہیں کیونکہ اگر نیلم نہ ہوتی تو اس وقت کہاں ہوتے۔"

"ہیرو....!" فریدی مسکرا کر بولا "ہیرو تو دراصل قاسم ہے۔ اگر اُس نے نیلم کی زندگی کی اطلاع نہ دی ہوتی تو اس وقت تمہارے چہرے پر پھٹکار برس رہی ہوتی۔"

"اوہ.... مگر اب اس بیچاری کا کیا ہوگا۔ اب وہ قطعی بے سہارا ہے۔"

"کیوں؟ کیا تم اس کی ماں نہیں ہو۔ اُس کا بابا نہیں ہو۔ قاسم اس واقعے کا تذکرہ کرتے وقت بُری طرح منہ دبا دبا کر ہنس رہا تھا۔"

"قاسم....!" حمید ہنس پڑا۔ "اُس نے تو کمال ہی کر دیا۔ بالکل اسی طرح رو رہا تھا جیسے کوئی بیوہ اپنی اکلوتی بچی کی لاش پر بین کر رہی ہو۔"

"میں سن رہا ہوں۔" راہداری سے قاسم کی آواز آئی۔ "ابے تم خود بیوہ کی بچی پر بین کر رہے تھے۔ سانپ نچا رہے تھے۔ سپیرے کی اولاد.... سالے نہیں تو...."

حمید کے قہقہوں سے کمرہ جھنجھنا اٹھا۔

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 68

رائفل کا نغمہ

(مکمل ناول)

پُراسرار موت

کیپٹن حمید نے ٹیکسی سے اترتے ہی بہت بُرا سا منہ بنایا کیونکہ نصیر آباد کے سی۔ آئی۔ ڈ آفس کے سامنے رکی تھی۔ اُسے نہیں معلوم تھا کہ نصیر آباد کا سفر کیوں کرنا پڑا ہے۔ اسٹیشن سامان ریجنٹ ہوٹل کے ایجنٹ کے سپرد کر دیا گیا تھا۔ ایجنٹ نے انہیں کمروں کے نمبر نو کرائے تھے اور پھر فریدی ایک ٹیکسی کر کے حمید کو بھی یہاں تک گھسیٹ لایا تھا۔

فریدی تار جام میں تھا۔ وہیں سے اس نے حمید کو بذریعہ تار مطلع کیا تھا کہ وہ فلاں دن فلا ٹرین سے نصیر آباد کے لئے روانہ ہو جائے اور نصیر آباد کے اسٹیشن پر اس ٹرین کا انتظار کرے تار جام سے فلاں وقت روانہ ہوتی ہے۔

حمید جس ٹرین سے آیا تھا اُس کے نصیر آباد پہنچنے کے پندرہ منٹ بعد ہی تار جام والی ٹ آگئی تھی اور فریدی نے اُسے کچھ بتائے بغیر محکمہ سراغ رسانی کے دفتر کی راہ لی تھی۔

"چلئے" حمید نے نیچے اتر کر ٹیکسی کا دروازہ ایک طرف کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے یقین تھ آپ مجھے نصیر آباد کے یتیم خانے میں نہیں داخل کرائیں گے۔"

فریدی نے کوئی جواب دیئے بغیر ٹیکسی کا کرایہ ادا کیا اور برآمدے کی طرف مڑ گیا۔

"ٹھہریئے۔" حمید بولا۔ "آپ مجھے باہر ہی چھوڑ جایئے تو بہتر ہے۔ کیونکہ کسی ایسی جگہ کی ہوئی دعائے خیر مشکل ہی سے قبول ہوتی ہے جہاں سے آسمان نہ دکھائی دیتا ہو۔"

"چلو بکواس نہ کرو۔" فریدی جھنجھلا گیا۔

وہ اندر آئے اور جب شعبہ جرائم کی عمارت کیطرف جانے لگے تو ایک آدمی نے انہیں ٹوکا۔

"تم سپرنٹنڈنٹ فاروقی کے کمرے تک میرے ساتھ چلو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"اگر انہیں کوئی اعتراض ہو تو تم شوق سے ہمیں باہر کا راستہ دکھا دینا۔"

وہ آدمی حقیقتاً سپرنٹنڈنٹ فاروقی کے کمرے تک آیا اور اس وقت تک مطمئن نہیں ہوا جب ب سپرنٹنڈنٹ فاروقی نے خود ہی اپنے کمرے سے نکل کر اُن کا استقبال نہیں کیا۔

سپرنٹنڈنٹ فاروقی ایک معمر آدمی تھا اس کے سر کے سارے بال سفید تھے۔ لیکن صحت ت اچھی تھی اس کے بازو اس عمر میں بھی کافی مضبوط نظر آ رہے تھے۔

وہ انہیں اپنے آفس میں لے آیا اور اسے یہ معلوم کر کے بڑی حیرت ہوئی کہ وہ لوگ اسٹیشن ے سیدھے یہیں آئے ہیں۔

"آپ کی کامیابی کا راز دراصل آپ کی اصول پسندی ہی میں مضمر ہے۔" اس نے کہا۔

پھر کچھ دیر تک رسمی گفتگو ہوتی رہی۔ حمید کافی سے زیادہ بوریت محسوس کر رہا تھا۔ دفعتاً وقی نے گفتگو کا رخ بدل دیا۔

"ہم اسے خودکشی اس لئے نہیں کہہ سکتے۔کہ آخر اسٹیج پر مرنے کی کیا ضرورت تھی۔" اسی ے کہا۔

"جی ہاں۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "خودکشی کے امکانات پر غور کرنا ہی فضول ہے۔"

"اس لئے یہی کہا جا سکتا ہے کہ کسی نے اس کی لاعلمی میں رائفل لوڈ کر دی تھی۔"

"کہا نہیں جا سکتا بلکہ یہی کہنا چاہئے۔"

"لیکن مرنے والا حقیقتاً اسٹیج کا مسخرہ نہیں تھا۔"

"پھر کون تھا۔" فریدی نے حیرت سے کہا۔

حمید نے سوچا کہ وہ اُلو کا پٹھا یقینی طور پر باختر کا شہزادہ رہا ہوگا کیونکہ اب ہم دونوں انتہائی حکہ خیز انداز میں جاسوسی ناولوں کے سراغ رساں بنتے چلے جا رہے ہیں۔

سپرنٹنڈنٹ فاروقی نے آہستہ سے کہا۔ "وہ شعبہ جرائم کا ایک انسپکٹر تھا۔"

"اوہ....!"

"جی ہاں.... اس کا خیال تھا کہ نگار تھیٹر جرائم کا اکھاڑہ ہے۔"

"کس قسم کے جرائم۔" فریدی نے پوچھا۔

"ٹھہریئے.... میں بتاتا ہوں۔" فاروقی نے کہہ کر میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ چپراسی اندر داخل ہوا۔

"انسپکٹر شاہد کو سلام دو۔" فاروقی نے اس سے کہا۔ "اور کہنا کہ نگار کا فائیل چاہیئے۔"

چپراسی چلا گیا۔ فاروقی نے فریدی کو مخاطب کر کے کہا۔ "میں آپ کو تفصیل سے بتاؤں گا۔"

کچھ دیر بعد ایک دراز قد آدمی کمرے میں داخل ہوا۔

"انسپکٹر شاہد۔" فاروقی نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "نگار سے تعلق رکھنے والے کیسوں کی تفصیل چاہیئے۔"

"بہت بہتر جناب۔" انسپکٹر شاہد نے فائیل کے ورق الٹتے ہوئے کہا۔ "۳ر فروری کرنل شیر زاد کی موت پراسرار طور پر واقع ہوئی۔ وہ نگار تھیٹر سے باہر نکل کر اپنی کار کی طرف آرہا تھا کہ چکرا کر گرا اور اسی جگہ ختم ہو گیا، ۱۰ر مارچ.... لیڈی اقبال اپنے مکان کے زینوں پر چڑھتے وقت گریں اور ختم ہو گئیں۔ ان کی واپسی بھی نگار تھیٹر سے ہوئی تھی۔ ۲۳ر مارچ.... ڈاکٹر وی کے چٹرجی نگار سے واپسی پر ایک نائٹ کلب میں مردہ پایا گیا.... کیپٹن کریگ....!"

"کیپٹن کریگ....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بڑبڑایا۔ "وہی تو نہیں جس نے تین سال ہوئے گلہریوں کی پرورش اور پرداخت کے لئے ایک فارم کی بنیاد ڈالی تھی اور پھر اس پر فریب دہی کا مقدمہ قائم ہو گیا تھا لیکن ثبوت ناکافی ہونے کی بناء پر اُسے سزا نہیں دی جا سکی تھی۔"

"وہی.... وہی....!" انسپکٹر شاہد نے فریدی کو گھورتے ہوئے کہا۔ اس کے بعد اس نے تیرہ مزید اموات کی لسٹ پیش کی جن کا تعلق کسی نہ کسی طرح نگار تھیٹر سے ضرور بیان کیا گیا تھا۔

فریدی نے ایک طویل سانس لی اور سوپر فاروق کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"لیکن ان اموات کی وجہ۔" اس نے آہستہ سے پوچھا۔

"یہ سبھی حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے مرے تھے۔" شاہد نے جواب دیا۔

"یعنی ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں تھا جس کی حرکت قلب مرنے کے بعد بھی جاری رہی ہو۔" حمید نے پوچھا اور شاہد رو میں "نہیں" کہہ گیا۔ پھر جب اس نے حمید کے جملے پر غور کیا تو

اروقی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھی تو اسے غصہ آگیا۔

"یہ کیپٹن حمید ہیں.... اور آپ کرنل فریدی۔" فاروقی نے موقع کی نزاکت بھانپ کر فوراً ارف کرادیا۔

"اوہ....!" شاہد کی آنکھوں میں پہلے تحیر نظر آیا اور پھر اس نے جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ ہا۔ "جملہ ہی کہہ رہا ہے کہ وہ کس کی زبان سے ادا ہوا ہے۔"

"ہاں تو.... پوسٹ مارٹم کی رپورٹیں ایک دوسری سے مختلف نہیں ہیں۔" فریدی نے روقی سے پوچھا۔

"قطعی نہیں.... سب کے سب اچانک حرکت قلب بند ہو جانے کی بناء پر مرے تھے۔"

"یہ نکتہ اہم ہے۔"

"بہت اہم ہے جناب۔" شاہد بولا۔

"کیا ابھی تک آپ ہی تفتیش کرتے رہے ہیں۔"

"نہیں۔" فاروقی نے کہا۔ "تفتیش اُسی انسپکٹر نے شروع کی تھی، جو اپنی رائفل کا خود ہی شکار ہوا۔"

"غالباً اس سے یہی خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ انسپکٹر پہچان لیا گیا ہو گا اسی لئے کسی نے اس کی نلکی میں رائفل لوڈ کر دی تھی۔"

"فی الحال یہی خیال ہے۔" فاروقی بولا۔

"لیکن اتنی احتیاط سے کام لینے والے ایسے احمق نہیں ہو سکتے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"یعنی اگر ان وارداتوں میں نگار والوں کا ہاتھ ہوتا تو انسپکٹر کو پہچان لینے کے بعد ہرگز ایسی لت نہ کرتے۔ اس طرح تو ان کے خلاف شبہ یقین میں بدل جاتا ہے۔"

"آپ کا خیال بھی درست ہے۔"

"اگر انہوں نے اسے پہچان ہی لیا تھا تو وہ اُسے ٹھکانے لگانے کے لئے وہی نسخہ استعمال سکتے تھے جو دوسروں کے لئے کیا تھا۔ اس طرح ان کی گردن بھی سلامت رہتی، مگر!"

"ٹھہریئے! ظاہر ہے کہ ابھی تک آپ دوسری اموات کے سلسلے میں نگار والوں پر چارج

نہیں لگا سکے۔ طبی رپورٹیں صرف اتنا ہی بتاتی ہیں کہ وہ اچانک حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے مرتے تھے۔ نگار سے واپس آنے والے اگر بڑی تعداد میں بھی اسی طرح مرتے رہیں تو آپ صرف تفتیش کر سکتے ہیں کسی کو حراست میں نہیں لے سکتے۔ مگر رائفل کا واقعہ تو نگار میں قفل تک ڈلوا سکتا ہے۔"

"جی ہاں.... اور ایسا ہو بھی چکا ہے۔"

"لہٰذا نگار والے اتنے گدھے نہیں ہو سکتے کہ خواہ مخواہ کنویں میں کود پڑیں۔"

فاروقی کچھ نہ بولا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ "بہر حال اب آپ کو یہ کیس دیکھنا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "میں آپ کو صرف ایک تکلیف دوں گا۔"

"ضرور فرمائیے۔"

"کیپٹن کریگ کے متعلق معلومات، گلہریوں کا فارم بند ہونے کے بعد سے وہ اب تک کیا کرتا رہا ہے۔ مطلب یہ کہ اس کا ذریعہ معاش کیا تھا اور ذرا آپ.... اپنی یہ لسٹ مجھے عنایت فرمائیے گا۔"

شاہد نے لسٹ اس کی طرف بڑھا دی۔ فریدی اُسے دیکھتا رہا پھر سر ہلا کر بولا۔

"کیپٹن کریگ والا واقعہ آخری تھا.... کیوں؟"

اس نے شاہد کی طرف دیکھا۔

"جی ہاں.... موت کی نوعیت کے اعتبار سے آخری ہی کہا جائے گا۔"

"شکریہ۔" فریدی نے فائیل بند کر کے اس کی طرف بڑھا دیا اور پھر بولا۔ "اگر مرنے والوں کی لسٹ آپ مجھے دے سکیں تو مشکور ہوں گا۔"

"ضرور، ضرور..... مگر یہ فائیل ہی آپ کے پاس رہے گی۔"

"مجھے فی الحال لسٹ چاہئے اور کریگ کے متعلق مزید معلومات.... ہمارا قیام ریجنٹ اٹھارویں، انیسویں اور بیسویں کمرے میں ہے۔"

"میں حاضر ہوں گا۔" شاہد نے کہا۔

"مگر آپ نے ریجنٹ میں کیوں قیام کیا۔" فاروقی نے کہا۔ "اس سلسلے میں آپ سے

شکایت ہے۔"

"دیکھئے نا.....!" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "اگر میں تفریحاً نصیر آباد آیا ہوتا تو ریجنٹ میں کبھی نہ ٹھہرتا۔ ظاہر ہے کہ آپ کے یہاں مجھے آرام ملتا۔ لیکن آپ جانتے ہی ہیں کہ میں کام کے اوقات میں ہمیشہ آرام سے دور رہنا چاہتا ہوں۔"

"خیر اس کیس کے اختتام پر آپ کو لازمی طور پر میرے ساتھ چند دن قیام کرنا پڑے گا۔"

"ہاں اس وقت مجھے تامل نہ ہوگا۔" فریدی نے کہا۔ پھر شاہد کی طرف دیکھ کر بولا۔

"ابھی تک اس کیس کے سلسلے میں آپ ہی تفتیش کرتے رہے ہیں۔"

"جی ہاں۔"

"تو بس یہ سمجھئے کہ میں صرف آپ کا ہاتھ بٹاؤں گا۔ کیس کلی طور پر میں نے لینے سے انکار کر دیا ہے۔"

"کیوں....؟" فاروقی نے حیرت سے کہا۔

"یہ میرے اصول کے خلاف ہے۔ میں ہمیشہ یہی کوشش کرتا ہوں کہ لوگوں کا ہاتھ بٹاؤں۔"

"مگر میں تو.....!" فاروقی نے تشویش آمیز لہجے میں کچھ کہنا چاہا۔

"نہیں جناب۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میرے پاس تحریر موجود ہے۔ میں صرف اسی شرط پر وہ کیس لیتا ہوں جو دوسری جگہوں سے منتقل ہوتے ہیں۔ ہاں ان کیسوں کے فائیل میں ضرور رکھتا ہوں جو براہِ راست میرے پاس آتے ہیں۔"

"یعنی آپ ان لوگوں کا دل نہیں توڑنا چاہتے جن کے پاس سے کیسوں کی منتقلی ہوتی ہے۔" شاہد نے ہنس کر کہا۔

"یہی سمجھ لیجئے۔"

کچھ دیر تک اس کیس کے متعلق گفتگو ہوتی رہی پھر فریدی نے اٹھنے کے لئے کرسی کھسکائی اور شاہد سے بولا۔ "آج رات کا کھانا ریجنٹ میں میرے ساتھ کھائیے گا۔"

"شکریہ۔"

"اب اجازت دیجئے۔" فریدی نے فاروقی سے کہا۔

واپسی پر حمید اچھی طرح چہکنے لگا تھا۔ پتہ نہیں وہ حقیقتاً اچھے موڈ میں تھا یا فریدی کو چڑھانا

چاہتا تھا۔ فریدی نے خود ہی اس کیس کا تذکرہ چھیڑ دیا جس کے متعلق کچھ دیر پہلے نصیر آباد برانچ کے دو آفیسروں سے گفتگو ہوئی تھی۔

"شاید تم اس کیس کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔" فریدی نے کہا۔

"میرے جاننے نہ جاننے سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

"تم اخبارات میں صرف تفریحی پروگراموں کے اشتہار دیکھنے کے عادی ہو۔"

"اس عادت کی بناء پر معلومات میں بیش بہا اضافہ ہوتا ہے اور پھر میں اس معاملے میں ضرورت سے زیادہ حقیقت پسند واقع ہوا ہوں۔ اخبارات خبروں کے لئے نہیں نکالے جاتے کیونکہ خبروں کی قیمت زیادہ سے زیادہ دو آنے یا ڈھائی آنے ہوتی ہے اور اشتہارات.... خدا کی پناہ بیس روپے فی کالم انچ تک ہوتی ہے، بعض حالات میں اس سے بھی زیادہ لہٰذا میں وہی کیوں نہ پڑھوں جس کے لئے اخبارات کا اجراء عمل میں آتا ہے۔"

"تم نے نگار تھیٹر کے مسخرے کی موت کے متعلق پڑھا تھا یا نہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ مسخروں کو موت بھی نہیں آتی۔"

"تمہارا خیال غلط ہے۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "آدمی اسی وقت مر جاتا ہے جب اس کے قدم خود فریبی کی طرف اٹھتے ہیں۔ مسخرہ پن خود فریبی نہیں تو اور کیا ہے۔"

"یہ ایک طویل بحث ہے جس سے میں بچنا ہی چاہوں گا۔" حمید نے کہا۔ "فی الحال آپ مجھے اُس مسخرے کی موت کے متعلق بتائیے۔"

"وہ اسٹیج کا مسخرہ تھا۔ ہر شو میں اس کا ایک خصوصی پروگرام ہوتا تھا اس پروگرام میں وہ زیادہ تر اپنی رائفل کو مزاح کا موضوع بناتا تھا۔ کبھی اُسے سارنگی کی طرح استعمال کرتا اور کبھی شہنائی کی طرح حادثے والی رات کو وہ رائفل کا دہانہ اپنے ہونٹوں میں دبائے ہوئے اس طرح اچھل کود رہا تھا جیسے سچ مچ آرکسٹرا کی شہنائی کی آواز اس رائفل ہی سے نکل رہی ہو۔ اچانک اسی حالت میں اس کی انگلی ٹریگر پر پڑ گئی اور وہ بے جان ہو کر اسٹیج پر گر گیا۔ رائفل کی نال سے نکلنے والی گولی اس کے حلق کے چیتھڑے اڑاتی ہوئی گدی سے دوسری طرف نکل گئی تھی۔ یہ تو اخبار کی خبر تھی لیکن یہ آج معلوم ہوا کہ مرنے والا کوئی پیشہ ور مسخرہ نہیں بلکہ ہمارے محکمے کا ایک انسپکٹر تھا۔"

"کیس حقیقتاً دلچسپ ہے۔" حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "سترہ مرنے والوں کی فہرست

مگر ٹھہرئیے۔ آپ نے خصوصیت سے کیپٹن کریگ ہی کے متعلق کیوں معلومات حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔"

"کیونکہ ان میں کریگ ہی ایسا ہے جس میں پولیس نے ہمیشہ دلچسپی لی ہے۔ وہ ایک انتہائی چالاک قسم کا قانون شکن تھا۔ اس پر اکثر غیر قانونی حرکات کے سلسلے میں مقدمے چلتے رہتے تھے، لیکن اسے کبھی کسی عدالت سے سزا نہ ہو سکی، کیونکہ وہ ایک ماہر قانون دان تھا۔ عموماً اس کی ذہانت اور منطقی موشگافیاں عدالت کو غلط راستے پر ڈال دیتی تھیں اور سنگین سے سنگین الزام سے بری ہو جاتا تھا۔"

"اور وہ بھی بالآخر موت کے گھاٹ اتر گیا۔"

"یہ بھی غور طلب ہے کہ کریگ کے بعد پھر کوئی ایسی موت نہیں ہوئی جس کا تعلق نگار سے رہا ہو۔ نہیں حمید صاحب! شروعات کے لئے کریگ سے بہتر اور کوئی نہیں ملے گا۔"

قمار خانہ

رات آہستہ آہستہ نڈھال ہوتی جا رہی تھی۔ ویسے رات کے نڈھال ہو جانے کا تذکرہ شاعری ہی میں معلوم ہوتا ہے۔ مگر جہاں راتیں نڈھال سی معلوم ہوتی ہیں وہاں شاعری کا تصور بھی نہیں ہوتا، جیسے جیسے رات گذرتی ہے ہنگامے سرد ہوتے جاتے ہیں۔ پینے والے بلانوشی کی اُن حدود میں ہوتے ہیں جہاں "ذہن بن جاتا ہے دلدل کسی ویرانے کی" لیکن "رات آغاز زمستاں کے پرندے کی طرح" "نہ اپنے "پر تولتی ہے اور نہ چہچہاتی" ہے بلکہ نڈھال ہو جاتی ہے۔ مگر ہیری کے قمار خانے کے باہر تو چاندنی میں لپٹی ہوئی رات کسی چنچل چھوکری کی شرارت انگیز انگڑائی معلوم ہو رہی تھی اور قمار خانے کے اندر لوسی کریگ محسوس کر رہی تھی جیسے رات کا دم اکھڑ رہا ہو۔ وہ آج بہت ہاری تھی۔ تقریباً ساڑھے تین ہزار۔ اس کے بعد وہ اٹھ ہی گئی تھی۔ اس کا مقابل تو یہی چاہتا تھا کہ وہ خود کو بھی داؤ پر لگا دے لیکن لوسی کریگ کوئی دو ٹکے کی لڑکی تو تھی نہیں۔ اس کے باپ کیپٹن سام کریگ نے بے اندازہ دولت چھوڑی تھی اور وہ اس دولت کی بلا شرکت غیرے مالک تھی۔

وہ تفریحاً جوا کھیلتی تھی اور شاذ و نادر ہی جیت میں رہتی تھی۔ مگر ہزاروں روپیوں میں صرف بارہ آنے کی جیت بھی اُسے قارون کا خزانہ معلوم ہوتی تھی، خواہ وہ بارہ آنے اُسی وقت ٹپ ہی میں کیوں نہ نکل جاتے ہوں۔ اُسے بڑی سے بڑی رقم گنوانے کا بھی غم نہیں ہوتا تھا۔ آج ہی وہ ساڑھے تین ہزار ہار گئی تھی لیکن اس وقت کھڑکی کے قریب ہو کر وہ اپنی اس ہار کے متعلق نہیں سوچ رہی تھی بلکہ باہر پھیلی ہوئی نیم بیدار سی چاندنی اُسے ماضی کے خواب یاد دلا رہی تھی کہ آخر یہاں ہی قمار خانے میں ڈھلتی ہوئی رات جانکنی میں کیوں مبتلا معلوم ہونے لگتی ہے۔

اچانک اس نے محسوس کیا کہ کوئی اس کے پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا ہے۔ وہ مڑی اس کا اندازہ غلط نہیں تھا وہ ایک خوشرو نوجوان تھا اور اسی کی طرح یوریشین ہی معلوم ہوتا تھا لیکن ہیری کے قمار خانے میں شاید اُسے پہلی بار نظر آیا تھا کیونکہ ایسے چہرے ایک بار دیکھنے کے بعد بھلائے نہیں جا سکتے۔

لوسی کی آنکھوں میں استعجاب کے ساتھ ہی ساتھ ہلکا سا احتجاج بھی تھا۔

"اوہ.... کیا میں یہاں سے ہٹ جاؤں۔" نوجوان نے آہستہ سے کہا۔

"نہیں.... لیکن میرا خیال ہے کہ آپ میرے لئے اجنبی ہیں۔" لوسی نے کہا۔

"جی ہاں.... آپ کا خیال درست لیکن آج آپ بہت ہاری ہیں۔"

"اوہ....!" لوسی نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔ "میرے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔"

"یعنی آپ ہمیشہ اتنی بڑی بڑی رقمیں ہارتی رہتی ہیں۔"

"ہاں.... کچھ دیر بے فکری سے گذارنے کے لئے یہ بہت زیادہ تو نہیں ہے۔"

"لیکن میں نے محسوس کیا ہے کہ یہاں شارپنگ ہوتی ہے۔ کھیلنے والے سب قمار خانے ہی کے آدمی ہوتے ہیں۔"

"یہ بھی کوئی نئی بات نہیں ہے۔" لوسی مسکرائی۔ "لیکن آپ شائد یہاں بالکل نئے ہیں۔"

"جی ہاں.... میں آج ہی یہاں آیا تھا لیکن رنگ دیکھ کر کھیلنے کا ارادہ ترک کرنا پڑا۔"

"اوہ تو آپ ضرورتاً کھیلنے والوں میں معلوم ہوتے ہیں۔"

"یہی سمجھ لیجئے۔" نوجوان مسکرایا۔

"تب تو آپ کے لئے نہ کھیلنا ہی مفید ہے۔ یہاں لوگ ہمیشہ ہارنے ہی کے لئے آتے ہیں۔ کبھی کبھی جیت میں بھی رہتے ہیں، لیکن یہ جیت بہت بڑی نہیں ہوتی۔ پرسوں میں چار ہزار لے کر بیٹھی تھی اور ساری رات کھیلتے رہنے کے بعد دو روپے بارہ آنے کی جیت میں رہی تھی۔"

"دو روپے بارہ آنے۔" نوجوان ہنس پڑا۔ پھر سنجیدگی سے بولا۔ "مگر اس کے باوجود بھی یہاں کافی بھیڑ نظر آتی ہے۔"

"لوگ اپنا پچھلا حساب برابر کرنا چاہتے ہیں۔" لوسی مسکرائی۔ "کل میں نے سوچا تھا کہ ممکن ہے آج دو روپے بارہ آنے کی بجائے ہزاروں کی جیت میں رہوں لیکن میں کل بھی ہاری اور آج بھی۔"

"کل میں بھی کھیلوں گا۔" نوجوان نے کہا۔

"کیوں کل کیوں؟"

"میں نے دیکھ لیا ہے کہ یہاں کس قسم کے تاش استعمال ہوتے ہیں۔"

لوسی نے قہقہہ لگایا۔ نوجوان خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔

"آپ ویسے تاش اپنے ساتھ لائیں گے جیسے یہاں استعمال ہوتے ہیں۔" لوسی نے پوچھا۔

"یقیناً بے ایمانوں کے ساتھ بے ایمانی کرنی ہی پڑتی ہے۔"

"لیکن۔" لوسی پھر ہنس پڑی۔ "کوئی نہیں جانتا کہ کل یہاں کس برانڈ کے تاش استعمال ہوں گے۔ روزانہ نئی قسم کے تاش استعمال ہوتے ہیں۔"

نوجوان کے چہرے پر بے بسی نظر آنے لگی، مگر پھر بشاشت کے آثار دکھائی دیئے اور اس نے چہک کر کہا۔ "کوئی پرواہ نہیں کل میں ضرور کھیلوں گا۔"

"آپ شاید اس شہر ہی میں اجنبی ہیں ورنہ سب کو معلوم ہے کہ ہیری کے قمار خانے میں چالاکوں کا کیا حشر ہوتا ہے۔"

"ہیری کا قمار خانہ۔" نوجوان نے بُرا سا منہ بنایا۔ "میں دیکھوں گا ہیری کے قمار خانے کو۔"

"بہتر یہ ہوگا کہ پہلے ہیری کو دیکھ لیجئے۔" لوسی کے ہونٹوں پر طنزیہ سی مسکراہٹ تھی۔

"آپ مجھے تاؤ دلا رہی ہیں۔" نوجوان نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "اگر آپ کہئے تو میں اسی وقت آپ کے ہارے ہوئے ساڑھے تین ہزار ہیری سے وصول کرلوں۔"

"کس طرح وصول کریں گے آپ۔"

"بس آپ کہہ دیکھیے میں وصول کرلوں گا۔"

"وصول کر لیجیے۔" لوسی کے ہونٹوں پر پھر وہی پہلے کی سی طنزیہ مسکراہٹ دکھائی دی۔

"اچھا ٹھہریے! اگر آپ.... میں جارہا ہوں۔ آپ مجھے کہاں ملیں گی۔"

"آپ سنجیدہ ہیں۔"

"میں قطعی سنجیدہ ہوں۔ ایک گھنٹے کے اندر ان لوگوں سے ساڑھے تین ہزار وصول کرلوں گا۔"

"اگر نہ کرسکے تو پھر آپ کا پتہ تو معلوم ہی ہو جائے گا۔"

"کیا مطلب....!"

"کل میں آپ کو قبرستان میں تلاش کروں گی۔"

"بس ختم کیجیے۔" نوجوان ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اگر آپ یہاں سے جانا چاہتی ہوں تو چلی جایئے کیونکہ ابھی یہاں ایک زبردست ہنگامہ ہوگا لیکن میں آپ کو روپے کس پتہ پر پہنچاؤں گا۔"

"میرا وقت نہ برباد کیجیے۔ آپ میرا نام پوچھنا چاہتے ہیں اور اپنا نام بتانا چاہتے ہیں۔ میرا نام لوسی کریگ ہے اور آپ کا....!"

"میرے اور آپ کے ناموں میں کاف اور گاف کا فرق ہے۔" نوجوان مسکرایا۔ "آپ کریگ ہیں اور میں کریک۔"

"شکل ہی سے ظاہر ہے۔" لوسی نے سنجیدگی سے کہا۔

"اب اپنا پتہ بھی بتا دیجیے۔"

"کیوں....!"

"ساڑھے تین ہزار کہاں پہنچاؤں گا۔"

"میں گھر پر کسی سے بھی نہیں ملتی۔" لوسی نے کہا۔ "لہٰذا میرے ملازمین ملاقاتیوں سے اچھی طرح پیش نہیں آتے۔"

"فکر نہ کیجیے۔ انہیں بالکل زحمت نہیں دی جائے گی۔"

"کیا مطلب....!"

"یہ روپے بذریعہ ڈاک بھجوا دیئے جائیں گے۔"

"اتنا ہی پتہ کافی ہوگا۔ ڈاٹر آف کیپٹن سام کریگ نصیر آباد۔"

"اچھا.... شکریہ۔" نوجوان نے کہا اور اس کے پاس سے ہٹ گیا۔ لوسی اُسے دروازے سے باہر جاتے دیکھتی رہی۔ وہ جو کوئی بھی تھا خاصی پرکشش پرسنالٹی کا مالک تھا۔ لوسی نے سوچا اور پھر کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی۔ قمار خانے کے ہنگامے سرد ہو چکے تھے مگر کھیلنے والے اب بھی میزوں پر موجود تھے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ قیامت تک نہ اٹھنے کا عہد کر کے بیٹھے ہوں۔

لوسی ایک خالی میز پر جا بیٹھی اور ویٹر کو بلا کر ایک پگ وہسکی طلب کی۔

وہ ابھی گھر نہیں جانا چاہتی تھی۔ ویسے بھی وہ گھر سے دور بھاگتی تھی کیونکہ وہاں اُسے ایماندار نوکروں سے سابقہ پڑتا تھا وہ سب اچھے آدمی تھے۔ لیکن لوسی کو اچھے آدمی ذرا بھی اچھے نہیں لگتے تھے کیونکہ اس کی ساری خامیاں اور کمزوریاں اظہر من الشمس تھیں۔ اُسے خود بھی خواہش نہیں تھی کہ اس کا شہر کے اونچے طبقے سے کوئی تعلق ہو۔

ویٹر نے ٹرے اس کے سامنے رکھ دی۔ لوسی نے گلاس اٹھا کر سائیفن سے سوڈا لیا لیکن گلاس ہونٹوں تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ یک بیک شور اٹھا۔ نہ صرف شور اٹھا بلکہ لوگ بھی کرسیوں سے اٹھ گئے۔ سامنے ہیری کھڑا دہاڑ رہا تھا۔ لوسی نے اس کے چہرے پر کوئی چپچپی سی چیز دیکھی اور اس کا سر بائیں شانے پر جھکا ہوا تھا۔

"دیکھو....!" وہ گرج رہا تھا۔ "یہ کون سور کا بچہ تھا۔ نکل کر جانے نہ پائے.... بھا.... خاک" اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی ناک دبالی اور آگے جھک آیا۔ اس بار لوسی نے بھی اس کی ناک پر انڈا لگتے دیکھا تھا۔

اچھا خاصا ہنگامہ برپا ہو گیا۔ کئی میزیں الٹ گئیں اور پھر وہاں اندھیرا ہو گیا۔ لوسی جلدی سے اٹھی اور دیوار سے جا لگی۔ خدشہ تھا کہ کہیں کوئی اس پر نہ آگرے۔ شور برابر جاری رہا کئی ایک چیخیں بھی سنائی دیں۔ تقریباً دو منٹ تک اندھیرا رہا اور پھر سارے بلب روشن ہو گئے۔ قمار خانہ اتنی دیر میں کباڑ خانہ بن کر رہ گیا تھا اور ہیری کے دو آدمی ادھر اُدھر دوڑتے پھر رہے تھے جو بہت ہی خاص قسم کے واقعہ پر حرکت میں آتے تھے۔

لوسی نے باہر جانا چاہا لیکن معلوم ہوا کہ سارے دروازے بند کرا دیئے گئے ہیں۔ وہ پھر اپنی جگہ پر آبیٹھی۔ اس جیسے بہتیرے باہر نکلنا چاہتے تھے لیکن یہ اس وقت تک مشکل تھا جب تک کہ ہیری کا نہ چاہتا۔

ہیری کسی بپھرے ہوئے درندے کی طرح ہال میں ایک ایک کو گھورتا پھر رہا تھا۔ لوسی کے قریب سے بھی وہ گذر گیا۔ کچھ دیر بعد لوسی نے اُسے اپنے کسی آدمی سے کہتے سنا۔ "یہاں کوئی بھی اجنبی نہیں ہے۔"

"لیکن دو ایک اجنبی بھی آج آئے تھے۔" کسی نے کہا۔

"دروازے کب کھلیں گے۔" کسی گوشے سے آواز آئی۔

"ٹھہرو.....!" ہیری پھر بپھر گیا۔ یہ ایک اچھے تن و توش کا دراز قد آدمی تھا۔ عمر چالیس اور پچاس کے درمیان رہی ہو گی۔ صورت ہی سے خطرناک آدمی معلوم ہوتا تھا۔ پیشانی پر زخموں کے کئی نشانات تھے یک بیک وہ پھر لوسی کی میز کی طرف مڑا اور سیدھا وہیں چلا گیا۔

"تم پھر یہاں دکھائی دیں" اُس نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"کیا میں یہاں بھیک مانگنے آئی تھی۔" لوسی جھلا کر بولی۔

"نہیں میں تمہیں غلط راہوں پر نہیں دیکھنا چاہتا۔ سام میرا دوست تھا۔"

"اور وہ سب تمہارے دشمن تھے جن کے بیٹے یہاں آکر ہر رات ہزاروں گنواتے ہیں۔"

"کل سے تم یہاں داخل نہیں ہونے پاؤ گی۔ سمجھیں۔" ہیری نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

لوسی نے بہت بُرا سا منہ بنایا اور گلاس اٹھا کر وہسکی کی چسکیاں لینے لگی۔ اب وہ اس نوجوان کے متعلق سوچ رہی تھی جس نے ساڑھے تین ہزار کی واپسی کا وعدہ کیا تھا۔

کچھ دیر بعد دروازے کھلوا دیئے گئے۔ لوسی باہر آئی اور اپنی کار میں بیٹھ کر کریگ ولا کی طرف روانہ ہو گئی۔

وہ کچھ ایسی زیادہ نشے میں نہیں تھی کہ کار بھی نہ ڈرائیو کر سکتی۔ لیکن نہ جانے کیوں اب و سو جانا چاہتی تھی۔ وہ پُر اسرار نوجوان بار بار اس کے ذہن کی سطح پر ابھرتا اور کانوں میں اس ک الفاظ گونجنے لگتے۔ وہ اُسے بالکل گدھا سمجھتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اس طرح صرف جا پہچان پیدا کرنا چاہتا ہے۔ مگر اب سوچ رہی تھی کہ وہ کس قسم کا آدمی تھا۔ کیا وہ اپنا وعدہ پورا کرے گا۔ کیا حقیقتاً اُسے ساڑھے تین ہزار بذریعہ ڈاک واپس مل جائیں گے۔ اُسے روپیوں کی واپسی فکر نہیں تھی۔ وہ تو اب اس نوجوان ہی میں دلچسپی لینے لگی تھی۔

"اوہ.....!" وہ آہستہ سے بڑبڑائی۔ "ممکن ہے۔ بستر درست کرنیوالی لائٹ بند کرنا بھول گئی ہو"

مگر خواب گاہ میں قدم رکھتے ہی ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے اُسے ہزاروں فٹ کی بلندی سے نیچے پھینک دیا ہو۔ ہیری کے قمار خانے والا نوجوان سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"تم یہاں کیسے پہنچے۔" لوسی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"پائپ کے ذریعہ چھت پر چڑھ کر" بڑی سادگی سے جواب دیا گیا۔ "تمہارے دونوں کتوں نے بہت پریشان کیا۔ مجبوراً انہیں گوشت کے ایسے ٹکڑے کھلانے پڑے جن پر بیہوشی کی دوا لگائی تھی۔"

"میں کہتی ہوں تم نے ایسا کرنے کی جرأت کیسے کی۔"

"ویسے ہی جیسے ہیری کی ناک پر انڈوں سے نشانہ لگانے کی جرأت کی تھی۔"

"پھر.... پھر کیا ہوا؟" لوسی نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

"پھر فیوز اڑا کر اچھی طرح ہاتھ صاف کیا۔ اس وقت میری جیب میں ساڑھے تین ہزار سے زیادہ ہی ہوں گے۔"

"تم نے اس طرح ڈاکہ ڈالا۔" لوسی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں" اس نے جیب سے نوٹوں کی گڈیاں نکال کر گول میز پر ڈالتے ہوئے کہا۔ "فرق ہی کیا ہے۔ البتہ اس میں جوئے سے زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے اور لٹنے والا بھی مرنے مارنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ مجھے دراصل یہی جوا زیادہ پسند ہے، کیونکہ اس میں جان کی بازی لگانی پڑتی ہے اور گرہ سے کچھ نہیں جاتا۔"

"میں یہ روپے نہیں لوں گی۔ انہیں واپس لے جاؤ۔"

"کیا...!" نوجوان نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "پھر تم نے خواہ مخواہ میرا وقت کیوں برباد کرایا تھا۔"

"میں مذاق سمجھی تھی۔"

"تم کیا سمجھی تھیں۔ اس کی ذمہ داری مجھ پر عائد نہیں ہوتی۔ اپنے ساڑھے تین ہزار گن کر نکال لو۔ میں اب واپس جانا چاہتا ہوں۔"

"تم اس طرح نہیں جا سکتے۔ میں تمہیں پولیس کے حوالے کر دوں گی۔ خطرناک آدمی معلوم ہوتے ہو۔ کل اگر تم نے اسی طرح یہاں داخل ہو کر مجھ پر بھی ہاتھ صاف کر دیا تو کیا ہو گا۔"

"کیا تم مجھے کوئی پیشہ ور ڈاکو سمجھتی ہو" نوجوان نے غصیلے لہجے میں کہا اور کھڑکی کی طرف بڑھا۔

"ٹھہرو! اب تمہاری واپسی اُدھر سے نہیں ہو گی۔"

"مجھے کون روکے گا۔" نوجوان پلٹ کر غرایا۔

"تم غلط سمجھے۔ بیٹھ جاؤ۔ تم پہلے مرد ہو جو لوسی کریگ کی خواب گاہ میں داخل ہوئے ہو۔"

"صورت ہی سے ظاہر ہوتا ہے۔" نوجوان نے اُسے نیچے سے اوپر تک دیکھ کر طنزیہ اندا میں کہا۔

"اے.... تم میری توہین نہیں کر سکتے۔" لوسی غصیلی آواز میں بولی۔

"کیوں؟ تم میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں۔ یہی نا کہ تم کافی دولت مند ہو لیکن دولت کا جو حشر میرے ہاتھوں ہو سکتا ہے تم دیکھ ہی رہی ہو۔"

لوسی اُسے چند لمحے گھورتی رہی پھر بولی۔ "تم نے ابھی کہا تھا کہ تم پیشہ ور لٹیرے نہیں ہو پھر تمہارا ذریعہ معاش کیا ہے۔"

"جوتے گانٹھتا ہوں۔"

"بیٹھ جاؤ.... تم غصے میں معلوم ہوتے ہو۔" لوسی مسکرائی۔ لیکن دفعتاً اس کا چہرہ تاریک ہو گیا۔ نوجوان نے بھی یہ تبدیلی محسوس کر لی اور اس کی نظریں لوسی کی نگاہوں کا تعاقب کرتی ہوئی اس ننھے سے سرخ رنگ کے بلب پر جم گئیں، جو مینٹل پیس کے ایک گوشے پر بار بار روشن ہو کر بجھ رہا تھا۔

بلب اور ہندسے

وہ اُسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔

"کیوں....!" نوجوان نے پوچھا۔ کیا یہ کسی قسم کا اشارہ ہے۔

"بیٹھ جاؤ۔" لوسی مضطربانہ انداز میں بولی۔

نوجوان بیٹھ گیا۔ وہ بھی اسی بلب کو دیکھے جا رہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ تمہارے آدمی آ رہے ہیں۔" اس نے لوسی کی طرف دیکھ کر غصیلی آوا میں کہا۔ "کیا اس بلب کا سلسلہ زینوں سے نہیں ہے۔"

"نہیں! تم غلط سمجھے ہو یہ بلب میرے لئے بھی ایک معمہ ہے۔"

"کیا تمہارے چہرے پر خوف کے آثار نہیں ہیں۔"

"نہیں.... الجھن کے آثار ہوں گے۔" لوسی نے کہا۔ "خوف میرے خمیر میں نہیں پڑا۔"

"یہ بلب تمہارے لئے معمہ کیوں ہے۔ کیا یہ تمہاری خواب گاہ میں نہیں ہے۔"

"یقیناً ہے۔ لیکن یہاں کے عجائبات....!"

"کیا تم نے یہ عمارت حال ہی میں خریدی ہے۔"

"نہیں یہ عمارت ڈیڈی نے بنوائی تھی اور یہ خواب گاہ بھی دراصل انہیں کی ہے لیکن ان کی موت کے بعد سے میں اسے استعمال کرنے لگی ہوں۔ بہت عرصہ سے خواہش تھی کہ اس خواب گاہ کو اندر سے دیکھ سکوں۔"

"کیا تم بہت زیادہ پی گئی ہو۔"

"نہیں! میں نشے میں نہیں ہوں۔ تمہیں یہ بات عجیب لگے گی۔ لیکن اب سوچتی ہوں کہ وہ ڈیڈی کی جھک نہیں تھی۔ بات دراصل یہ ہے کہ ڈیڈی کی خواب گاہ ہمیشہ مقفل رہا کرتی تھی۔ کسی نے بھی اسے اندر سے نہیں دیکھا تھا وہ اپنے بستر کی چادریں اور تکیوں کے خلاف خود ہی بدلا کرتے تھے اور کمرے کی صفائی بھی خود ہی کر ڈالتے تھے۔ بہر حال ان کی موت کے بعد سب سے پہلے میں نے اسی پر دھیان دیا تھا لیکن میں نہیں جانتی کہ اس بلب کا کیا مقصد ہے اور اکثر خود بخود کیوں جلنے بجھنے لگتا ہے۔"

"اگر یہ کہانی درست ہے تو اسے حیرت انگیز ہی کہنا چاہئے۔" نوجوان متحیرانہ انداز میں جلدی جلدی پلکیں جھپکاتا ہوا بولا۔

"یقین کرو....!" جواب ملا۔

"کر لیا....!" نوجوان مسکرایا۔

"یہی نہیں.... آؤ.... میں تمہیں کچھ اور بھی دکھاؤں گی۔" لوسی نے کہا اور اٹھ کر مینٹل پیس کے قریب پہنچ گئی۔ وہ بھی آگے بڑھ گیا۔

لوسی نے ٹھیک بلب کے نیچے مینٹل پیس کے نچلے حصے کی طرف اشارہ کیا۔ یہاں ایک چھوٹا سا خانہ تھا جس پر شیشے کا ڈھکنا تھا اور ہلکی سی روشنی اس کی سطح پر نظر آ رہی تھی اسی روشنی میں وہ

متحرک ہند سے صاف دکھائی دے رہے تھے، جو نیچے سے اٹھ کر شیشے کی چوڑائی طے کرتے اوپر جا کر غائب ہو جاتے۔

"تم اس کے مقصد سے واقف نہیں ہو۔" نوجوان نے کہا۔ "اس کی آنکھوں سے شبہ جھانک رہا تھا۔"

"نہیں....!" لوسی نے طویل سانس لے کر کہا پھر آہستہ سے بولی۔ "آؤ بیٹھو.... اُسے دیکھتے دیکھتے میرا دماغ پک گیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ آخر ہے کیا بلا۔"

نوجوان پھر کرسی پر آ بیٹھا اور لوسی بستر پر بیٹھتی ہوئی بولی۔ "میرے گردوپیش ایسی ہی بہتیری الجھنیں موجود ہیں لیکن میں کسی کی بھی پرواہ نہیں کرتی۔ ڈیڈی کی موت پُر اسرار حالات میں ہوئی تھی۔"

"ہونی ہی چاہیئے۔" نوجوان نے لاپروائی سے کہا۔

"کیوں؟" لوسی اُسے گھورنے لگی۔

"تم کیپٹن سام کریگ ہی کی بیٹی ہو نا۔"

"ہاں....!" اُس کی آنکھوں میں اب بھی سوال تھا۔

"مجھ جیسے آدمی سے کیپٹن سام کریگ یا ایسے ہی دوسرے افراد کے کارنامے کیسے پوشیدہ رہ سکتے ہیں۔"

"کیا اب تم مجھے ذلیل کرنا چاہتے ہو۔" لوسی آنکھیں نکال کر بولی۔

"بور مت کرو۔ میں جا رہا ہوں۔ اگر مجھے پہلے یہ معلوم ہوتا کہ تم سام کریگ کی بیٹی ہو تو میں ہیری سے تمہاری رقم واپس دلوانے کا وعدہ ہرگز نہ کرتا۔ ظاہر ہے کہ سام کریگ کی دولت بھی ایمان داری کا نتیجہ نہیں ہے۔"

لوسی نے تکیئے کے نیچے ہاتھ ڈال کر ایک چھوٹا سا پستول نکالا اور اس کا رخ نوجوان کی طرف کرتی ہوئی بولی۔ "میں تمہیں اپنی توہین کا مزہ بھی چکھا سکتی ہوں۔"

"سام کریگ ہی کی بیٹی ہو۔" نوجوان کا لہجہ سچ مچ غصہ دلانے والا تھا۔

"میں فائر کردوں گی۔"

"ضرور کردو.... لیکن میری موت اتنی پُراسرار نہ ہوگی جتنی سام کریگ کی تھی۔"

لوسی چند لمحے اُسے گھورتی رہی پھر اس نے پستول تکیئے کے نیچے رکھ دیا۔

"اس کا استعمال بہت مشکل ہے۔" نوجوان نے مسکرا کر کہا، جواب میں وہ بھی مسکرائی۔ پھر ایک طویل انگڑائی لے کر تکیئے سے ٹک گئی۔ وہ عجیب نظروں سے نوجوان کی طرف دیکھ رہی تھی، لیکن نوجوان پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

آخر وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "بڑے جیالے ہو۔"

"پھر....؟"

"اگر ڈاکہ زنی تمہارا پیشہ نہیں ہے تو زندگی کیسے بسر ہوتی ہے۔"

"ایک فرم کا ٹریولنگ ایجنٹ ہوں۔"

"کیا آمدنی ہو جاتی ہوگی۔"

"یہی.... ساڑھے تین یا چار سو۔"

"بس....!"

"بس کا کیا مطلب۔" نوجوان نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"تم جیسے آدمی کی یہ قیمت بہت کم ہے۔"

"صرف تم جیسی مالدار لڑکیوں کی نظروں میں۔ ورنہ چار سو میرے خدا.... ایک آدمی کے لئے بہت ہیں اور پھر میں بہت کم ہارتا ہوں۔ ان چار سو روپیوں میں سے صرف سو روپے کھیلنے کے لئے الگ کر لیتا ہوں اور یہ سو روپے بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔"

"پیتے کون سی ہو۔"

"وہ بھی نہیں جو مفت ہاتھ آتی ہے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ تم کھیلتے ہو مگر پیتے نہیں۔"

"تمہیں حیرت نہ ہونی چاہیئے کیونکہ جوئے کے ساتھ شراب صرف ہارنے ہی والے پیا کرتے ہیں۔"

"تب تو تم ایک بااصول جواری ہو۔"

"تم مجھے کیوں روک رہی ہو۔ اب میں جاؤں گا۔" دفعتاً نوجوان نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"میں یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ اگر تمہیں کوئی ایسی ملازمت مل جائے جو موجودہ ملازمت

سے زیادہ منفعت بخش ہو تو تم کیا کرو گے۔"

"کسی کنوئیں میں چھلانگ لگا کر خوشی ظاہر کروں گا۔"

"کم از کم سات سو روپے ماہوار کی ملازمت....!"

"میرا مذاق نہ اڑاؤ۔"

"یقین کرو۔" لوسی مسکرائی۔ "میں ابھی اور اسی وقت تمہیں سات سو روپے ماہوار کی ملازمت دلوا سکتی ہوں۔"

"مجھے منظور ہے۔" نوجوان نے اس انداز میں کہا جیسے وہ اپنا مضحکہ اڑوانے پر تیار ہو گیا ہو۔

"تمہیں سام کریگ کی بیٹی کا پرائیویٹ سیکریٹری بننا پڑے گا۔"

"اگر ایمانداری کے پیسے ملیں تو میں کتے کے پلے کا پرائیویٹ سیکریٹری بننا بھی منظور کر لوں گا۔"

"تم پھر مجھ پر چوٹ کر رہے ہو۔"

"ہو سکتا ہے لیکن ابھی میں نے تمہاری ملازمت اختیار نہیں کی۔"

"کیا مطلب....!"

"ملازمت اختیار کرنے کے بعد تو مجھے تمہارا ادب کرنا ہی پڑے گا۔"

"تم بہت منہ پھٹ ہو۔ یہ اچھی بات نہیں ہے۔"

"ملازم ہو جانے کے بعد تم میرا سلیقہ بھی دیکھ لو گی۔"

چند لمحے خاموشی رہی پھر لوسی نے سگریٹ سلگا کر کہا۔ "لیکن اسے کان کھول کر سن لو کہ تم مجھ سے عشق کرنے کی کوشش نہیں کرو گے۔"

"ہرگز نہیں.... عشق کرنا میری خاندانی روایات کے خلاف ہے۔ میرے والدین مرتے دم تک ایک دوسرے کو گالیاں دیتے رہے تھے۔ دادا صاحب کے متعلق بھی یہی سننے میں آیا ہے کہ وہ جس عورت سے شادی کرتے تھے اسے دوسرے ہی دن قتل کر دیتے تھے۔"

"پھر تمہارے باپ کہاں سے آئے تھے۔" لوسی ہنس پڑی، سگریٹ کا دھواں اس کے منہ میں تھا۔ لہٰذا وہ اس بے ترتیبی سے حلق کی طرف لوٹ گیا کہ اُسے کھانسی آنے لگی۔

"پتہ نہیں کہاں سے آئے تھے۔ میں نے اس کے متعلق کبھی غور نہیں کیا۔"

"ٹھہرو....!" لوسی نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں نے یہ بات مذاقاً نہیں کہی تھی۔ میں نے

چا ممکن ہے تم کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جاؤ۔ مجھے دراصل ان دنوں تم جیسے آدمی کی ضرورت ہے۔"

"ہاں! ہو سکتا ہے۔" نوجوان نے لاپروائی سے کہا۔

"تم یہ بھی جانتے ہو کہ ڈیڈی کس قسم کے آدمی تھے۔ اب ان کی موت کے بعد بعض افراد ے مختلف قسم کی دھمکیاں دے رہے ہیں۔"

"کیسی دھمکیاں!"

"ڈیڈی نے خواہ کسی طرح بھی دولت جمع کی ہو۔ میں تو اس کی ذمہ دار نہیں۔ وہ دولت اثا میری طرف منتقل ہوئی ہے تو کیا میں اس سے دستبردار ہو جاؤں۔"

"ہرگز نہیں۔"

"ادھر کسی نامعلوم آدمی نے دھمکیاں دینی شروع کی ہیں کہ میں اس مکان کو چپ چاپ خالی کے کسی دوسری عمارت میں منتقل ہو جاؤں ورنہ مجھے وراثت میں ملی ہوئی دولت کے بیشتر حصے ے محروم ہو جانا پڑے گا۔"

"واہ.... کمال ہے۔"

"میں جانتی ہوں کہ میرا ساتھ دینے والے یہاں کم ہی نکلیں گے۔"

"کیوں؟ دولت سے تم سب کچھ خرید سکتی ہو۔"

"لیکن اکثر خریدی ہوئی چیزوں پر اعتماد کرنے کو دل نہیں چاہتا۔"

"مگر میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"بہت کچھ کر سکتے ہو۔ وہ آدمی جو ہیری کے قمار خانے میں تنہا لوٹ مار کر سکتا ہو وہ کیا نہیں رسکے گا۔"

"خیر اگر تم مجھ سے کوئی کام ہی لینا چاہتی ہو تو میں تیار ہوں۔ ہاں.... کیا میں خود کو تمہارا لازم سمجھوں۔"

"قطعی.... لیکن یہ رقم۔" اس نے میز پر پڑی ہوئی نوٹوں کی گڈیوں کی طرف اشارہ کیا۔

"سب سے پہلے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں مادام۔" نوجوان نے اٹھ کر قدرے جھکتے ہوئے لہا۔ پھر سیدھا کھڑا ہو کر بولا۔ "یہ رقم قطعی آپ کی ہے مطلب یہ کہ اس میں سے ساڑھے تین ہزار بقیہ ہیری کو کسی نہ کسی طرح واپس کر دیئے جائیں گے۔ اگر وہاں بے ایمانی ہوتے نہ دیکھتا تو

مجھ سے ایسی حرکت ہرگز نہ سرزد ہوتی۔"

"بس اسی بناء پر میں تمہیں پسند کرنے لگی ہوں۔ مطلب یہ کہ تم میرے ساتھ ایماندار سے پیش آؤ گے۔"

"ہاں کسی حد تک۔"

"کیا مطلب....!"

"مطلب یہی ہے کہ اگر آپ مجھ سے کسی قسم کی بے ایمانی کرانا چاہیں گی تو میں ایمانداری سے پیش نہ آؤں گا۔"

"نہیں.... میں صرف اپنی حفاظت کرنے کی قائل ہوں۔"

"بس پھر میں ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں۔"

"تم رہتے کہاں ہو۔"

"ہوٹیل آرمیان میں۔"

"نام ابھی تک نہیں بتایا۔" لوسی مسکرائی۔

"نوبل کریک۔"

"بکواس ہے.... ٹھیک بتاؤ۔"

"لفظ کریک پر شاید آپ کو اعتراض ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ یہ میرا خاندانی نام میرے باپ کا نام ڈمبل کریک تھا اور دادا کا بالکل کریک۔"

"بالکل....!"

"ہاں.... وہ دیسی تھے اس لئے نام بھی دیسی تھا۔"

"تم مسخرے ہو۔ میں یقین نہیں کر سکتی۔ خیر میں تمہیں کریک ہی کہوں گی مگر تم میرے ساتھ قیام نہیں کرو گے۔ وہیں آرمیان میں رہو۔ وہاں کے سارے اخراجات م ذمہ۔ تنخواہ سے کوئی مطلب نہیں۔"

"مجھے حیرت ہے۔"

"کس بات پر۔"

"آخر مجھے کون سا کارنامہ انجام دینا پڑے گا۔"

"اس شخص کا پتہ لگانا ہے جو مجھ سے یہ عمارت خالی کرانا چاہتا ہے کیوں خالی کرانا چاہتا ہے۔ یہ بھی معلوم کرنا ہوگا اور یہ بلب.... اور ہنڈ سے جو مجھے مستقل طور پر الجھن میں ڈالے ہوئے ہیں۔"

"کیا بلب خود بخود روشن ہوتا ہے۔"

"ہاں.... قطعی اور جیسے ہی یہ بلب روشن ہوتا ہے ہنڈ سے بھی متحرک نظر آنے لگتے ہیں۔"

"آپ نے اس مینٹل پیس کو توڑ کیوں نہیں دیا۔"

"نہیں! میں یہ نہیں کرنا چاہتی۔"

"یہاں کی ساری وائرنگ انڈر گراؤنڈ معلوم ہوتی ہے۔" نوجوان نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں.... مسٹر کریک۔" لوسی نے طویل سانس لی۔ "ڈیڈی کو کئی قسم کے خبط تھے۔ اس پوری عمارت میں کہیں بھی تمہیں بجلی کے تار اوپر نہ ملیں گے۔ سب دیواروں کے اندر ہیں۔ لہٰذا میں نے سوچا کہ اگر اس مینٹل پیس کو توڑ بھی ڈالوں تو اس بلب کا سلسلہ معلوم کرنے کے لئے ساری عمارت کھدوانی پڑے گی۔"

"ٹھیک ہے...." نوجوان سر ہلا کر بولا۔ "خیر.... ہاں.... یہ تو بتائیے کہ وہ گمنام آدمی آپ کو دھمکیاں دینے کے لئے کون سا ذریعہ اختیار کرتا ہے۔"

"فون....!"

"مگر یہ مذاق بھی ہو سکتا ہے خیر! میں دیکھوں گا۔ اچھا اب اجازت دیجئے۔"

قتل

کرنل فریدی سگار کو ایش ٹرے میں مسل کر میز پر پھیلے ہوئے کاغذات سمیٹنے لگا۔ انسپکٹر شاہد بھی کمرے میں موجود تھا لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بہت دیر سے خاموش بیٹھا ہو۔

"مسٹر شاہد۔" فریدی نے کاغذات ایک طرف رکھ کر انہیں پیپر ویٹ سے دباتے ہوئے کہا۔ پھر شاہد کی طرف دیکھ کر بولا "ان کاغذات سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ وہ انسپکٹر محض ان پراسرار اموات کے سلسلے میں نگار تھیٹر کی طرف متوجہ ہوا تھا۔"

"لیکن اُس نے محکمے کو یہی رپورٹ دی تھی۔" شاہد نے کہا۔

"پھر ان کاغذات میں اس کا تذکرہ کیوں نہیں ہے۔ یہ اسی کے ہاتھوں کے مرتب کیے ہوئے ہیں"

"جی ہاں.... ہیں تو اور یہ اس کی موت کے بعد اس کے سوٹ کیس سے برآمد ہوئے تھے"

"ان اموات کے متعلق کس نے چھان بین کی تھی۔"

"میں نے۔" شاہد نے جواب دیا۔

"یعنی سب سے پہلے آپ ہی کی توجہ اس طرف مبذول ہوئی تھی۔"

"جی ہاں۔"

"لیکن آپ صرف فائیلوں ہی تک محدود رہے۔" فریدی مسکرایا۔

"میں نہیں سمجھا۔"

"مطلب یہ کہ تفتیش اس انسپکٹر نے شروع کی تھی جو پُراسرار طور پر نگار میں کام آیا۔"

"جی ہاں! تفتیش اسی کے سپرد کی گئی تھی۔"

"آپ نے اپنی تفتیش مکمل کر کے مرنے والوں کی لسٹ کب پیش کی تھی۔"

"گیارہ اگست کو۔"

"اور اس کے بعد ہی اس انسپکٹر نے تفتیش شروع کی تھی؟"

"جی ہاں ظاہر ہے۔"

"مگر مسٹر شاہد.... ان کاغذات پر.... مگر ٹھہریئے۔ کیا آپ انہیں دیکھ چکے ہیں۔"

"جی نہیں.... یہ تو آپ کو براہِ راست سپرنٹنڈنٹ صاحب سے ملے ہیں۔"

"اوہ.... شاید اسی لئے مجھے یہاں طلب کیا گیا ہے۔"

"میں نہیں سمجھا جناب۔"

"یہ کاغذات روزنامچے کی شکل میں ہیں اور ان پر گیارہ اگست سے پہلے کی تاریخیں ہیں۔"

"نہیں....!" شاہد کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں.... بہت پہلے کی تاریخیں یعنی پہلی موت سے پہلے کی تاریخیں۔"

"میرے خدا.... شاہد کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔"

"جی ہاں.... گیارہ اگست تو آخری موت سے بہت بعد کی تاریخ ہے۔"

"لیکن.... میں اس سلسلے میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔"

"اس کا مطلب یہی ہوا کہ وہ انسپکٹر پہلے ہی سے نگار تھیٹر میں دلچسپی لے رہا تھا لیکن اس نے محکمے کو اس کی اطلاع نہیں دی تھی۔ پھر اُن اموات کی تفتیش باقاعدہ طور پر اُسی کے سپرد کر دی گئی۔"

"لیکن اُس نے محکمے کو مطلع کیے بغیر تفتیش کیوں شروع کر دی تھی۔"

"اکثر ایسا بھی ہوتا ہے۔" فریدی مسکرایا۔ "خود میں نے بھی بعض اوقات یہی کیا ہے۔"

"مگر کم از کم اُس وقت تو اُسے محکمے کو مطلع ہی کرنا چاہیئے تھا جب کیس باقاعدہ طور پر اُس کے سپرد کیا گیا تھا۔"

"ہاں.... آں.... خیر میں دیکھوں گا اچھا.... وہ کیپٹن کریگ کا معاملہ رہ ہی گیا۔"

"وہ کئی ملوں اور انشورنس کمپنیوں کا حصہ دار تھا۔ گلہریوں کی فارم والے مقدمے کے بعد سے اس نے خود اپنی ذمہ داری پر کوئی بزنس نہیں کیا تھا۔ اب اس کی وارث ایک لڑکی ہے۔ لوسی کریگ وہ بڑی بے دردی سے کریگ کی دولت صرف کر رہی ہے اور اُسے کبھی بھلے آدمیوں کے ساتھ نہیں دیکھا گیا۔"

"یہ ساری معلومات میرے لئے بیکار ہیں۔"

"پھر آپ کیا چاہتے ہیں۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔" فریدی اس طرح سر ہلا کر مسکرایا جیسے خود سے مخاطب ہو۔ لیکن پھر اُس نے شاہد کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں نے کہا تھا کہ میں آپ کے مددگار کی حیثیت سے کام کروں گا لیکن الٹے آپ ہی کو تکلیف دے رہا ہوں۔"

"ارے.... نہیں جناب۔ میں تو آپ کا خادم ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ آپ ہی کے طفیل آگے بڑھ سکوں۔"

"ذرا ٹھہریئے۔" فریدی اٹھ کر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اموات کے متعلق تفتیش کے دوران آپ نے اس کا خیال تو رکھا ہی ہوگا کہ مرنے والوں کا آپس میں تعلق دریافت کر سکیں۔"

"جی ہاں.... لیکن مجھے اس سلسلے میں مایوسی ہی ہوئی تھی۔"

"یعنی....!"

"وہ سبھی ایک دوسرے سے بے تعلق ثابت ہوئے تھے۔"

"آپ کو یقین ہے۔"

"جی ہاں.... اپنی تفتیش کی روشنی میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں۔"

"چلئے ٹھیک ہے۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "اب ہم کیس کے متعلق گفتگو یہیں ختم کر۔ ہیں۔ کچھ دوسری باتیں کیجئے۔"

"دوسری باتیں۔"

"ہاں! ہم تھوڑی دیر کے لئے یہ بھول جائیں کہ ہمارا تعلق محکمہ سراغ رسانی سے ہے یا دونوں ایک، دوسرے سے بے تکلف نہیں ہیں۔"

"میں نہیں سمجھا جناب" شاہد یک بیک بوکھلایا ہوا سا نظر آنے لگا۔

"اوہ.... کچھ نہیں۔ کبھی کبھی معمولات سے دل اکتا جاتا ہے۔"

شاہد نے کیپٹن حمید کی طرف دیکھا جو آرام کرسی میں پڑا ہوا منہ پر اخبار رکھے غالباً سو رہا ہ

"کیا حمید صاحب کچھ علیل ہیں۔" اُس نے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔" فریدی نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ پھر خود اسی نے ادھر اُدھر کی باتیں ؛ دیں اور ذرا ہی سی دیر میں شاہد کھل گیا۔ اب وہ نصیر آباد کے نائٹ کلبوں کا تذکرہ لے بیٹھا تھا۔

"آدمی کے لئے کتنی الجھنیں اور جھنجھٹ ہیں۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "میں تو کہتا ہوں اگر نصیر میں نائٹ کلب نہ ہوتے تو میں بے موت مر گیا ہوتا۔"

"لیکن میں کہتا ہوں۔" حمید اخبار پھینک کر سیدھا بیٹھ گیا اور تھوڑے توقف کے ر بولا۔ "اگر میں نہ ہوتا تو ساری دنیا کے نائٹ کلب ویران ہو جاتے۔"

"اس میں کیا شک ہے۔" شاہد مسکرا کر بولا۔

"مگر نصیر آباد کے نائٹ کلب۔" حمید مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "دو کوڑی کے نہیں ہیں۔"

"آپ دارالحکومت سے آئے ہیں۔ ظاہر ہے وہاں کے معیار اور یہاں کے معیار میں ز آسمان کا فرق ہوگا۔"

"حالانکہ زمین و آسمان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ صدہا سال بعد گلیلیو نے ثابت کیا زمین گول ہے ہو سکتا ہے مزید صدہا سال گذرنے پر آسمان بھی گول ہو جائے۔"

"ہم نصیر آباد کے نائٹ کلبوں کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔" فریدی نے شاہد کو ٹوکا اور یدکو اس طرح گھورنے لگا جیسے کچا ہی چبا جائے گا۔

حمید نے پھر اخبار سے چہرہ ڈھانک لیا۔ فریدی اور شاہد کے درمیان نائٹ کلبوں کے فوائد اور ضانات پر گرما گرم بحثیں ہوتی رہیں۔

پھر کچھ دیر بعد شاہد اٹھ کر چلا گیا۔

اور حمید نے چہرے پر سے اخبار ہٹا کر ایک طویل انگڑائی لی۔ چند لمحے فریدی کو گھورتا رہا پھر لا۔ "آج میں نے پہلے پہل آپ کو وقت برباد کرتے دیکھا ہے۔"

"نہیں تو....!" فریدی مسکرایا۔ "میں نے وقت نہیں برباد کیا۔"

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ کیس کے متعلق گفتگو کرتے کرتے ادھر اُدھر کی باتوں پر اُتر آنا قسم کی عقل مندی ہے۔"

فریدی پھر مسکرایا اور آہستہ سے بولا۔ "تم بھی ادھر اُدھر کی باتیں کرو۔ میں اس کیس کا نام ننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"آ.... ہم.... تو میں اِدھر اُدھر کی باتیں کروں۔ اچھا سنئے تو ادھر کی باتیں یہ ہیں کہ ہم گی بھر کھیاں مارتے رہ جائیں گے اور اُدھر کی باتوں کا کیا پوچھنا۔

سینے اُبلتے میکدے اور ہونٹ پیمانوں کے لب
ٹخنوں پر بجتی جھانجھیں ہنستا ہسانا ہے بے سبب
لہنگوں کی لہروں کے تلے مکھن سے پاؤں رقص میں
پگڈنڈیوں کے اسطرف گاگر کی چھاؤں رقص میں

اور بہت سی باتیں.... بقول قاسم الاقسم حمید بھائی! اگر نرس حسین نہ ہوتی تو میں پیدا ہونے انکار کر دیتا۔"

"شاباش....!" فریدی مسکرایا۔ "اب اُسے سمجھنے کی کوشش کرو۔ ادھر اُدھر کی باتوں میں ی ہمیشہ ننگا ہو جاتا ہے۔ یعنی تمہاری روح اور فرشتے ادھر اُدھر کی باتوں میں لازمی طور پر ظاہر جائیں گے.... تم.... ادھر اُدھر کی باتوں میں غیر شعوری طور پر اپنے کردار کی جھلکیاں ماتے چلے جاؤ گے۔ میں دراصل اس وقت یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ شاہد کس قسم کا آدمی ہے۔"

"اوہ.... مگر کیوں؟" حمید یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔

"میں اسے قابل اعتماد نہیں سمجھتا۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی اور فریدی نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو.... کرنل۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"کون صاحب۔"

"فاروقی۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ "کیا آپ نے کاغذات دیکھ لئے۔"

"جی ہاں۔"

"کیا خیال ہے۔"

"فی الحال کوئی خیال نہیں ہے۔ ویسے میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ شاہد پر اعتماد کر ہیں یا نہیں۔"

"کیوں....!"

"کیونکہ وہ مجھے فراڈ معلوم ہوتا ہے۔"

"اوہ....!"

"اور مجھے یقین ہے کہ نگار کے مسخرے نے آپ کے علم میں لائے بغیر کام نہ شروع کیا ہوگا۔"

"کمال ہے.... آخر آپ اتنی جلدی اس نتیجے پر کیسے پہنچ گئے۔"

"کوئی خاص بات نہیں ہے اگر ایسا نہ ہوا ہوتا تو آپ اس کے مرنے کے بعد اس کیس تفتیش شاہد کے سپرد نہ کرتے۔ حالانکہ آپ کو ان اموات کے متعلق شاہد کو تفتیش جاری ر دینا چاہئے تھا۔ مگر آپ نے ان کی تفتیش بھی مرنے والے کے سپرد کی تھی۔"

"وہ تو پہلے ہی سے اس فکر میں تھا اسی لئے....!"

"نہیں جناب۔" فریدی بولا۔ "وہ ان اموات کی فکر میں نہیں تھا۔"

"پھر....!"

"یہ آپ مجھ سے بہتر جانتے ہوں گے۔"

"کرنل....!" فاروقی کی آواز کپکپا رہی تھی۔ "آپ واقعی حیرت انگیز صلاحیتوں کے ہیں، مگر آپ نے یہ نتیجہ کیسے اخذ کیا کہ وہ اُن اموات کی فکر میں نہیں تھا۔"

"ان کاغذات سے جو آپ نے مجھے دیئے تھے۔"

"مگر اُن میں تو کچھ بھی نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ وہ اُن میں اپنی روزانہ کی مشغولیات ے متعلق لکھتا رہا ہے۔"

"کیا حقیقتاً آپ کو ان میں کچھ نہیں نظر آیا۔"

"نہیں اُن میں تو کچھ بھی نہیں نظر آیا۔ یقین کیجئے۔ میری دانست میں وہ کسی رومان پرست می کی ڈائری کے اوراق ہیں، جو تھیٹر کی رومان پرور فضا سے متاثر ہو کر لکھے گئے ہیں، لیکن وہ پکٹر ایسا آدمی نہیں تھا۔"

"لیکن آپ کو احساس تھا کہ شاہد نے وہ رپورٹ نیک نیتی سے نہیں پیش کی۔"

"ہاں مجھے اُس رپورٹ کے متعلق شبہ تھا۔"

"کیوں؟"

"میں شاہد کی طرف سے کبھی مطمئن نہیں رہا۔"

"کیا کبھی اُس کے خلاف تحقیقات بھی کرائی تھی۔"

"نہیں اس کے خلاف کبھی ثبوت نہیں مل سکے لیکن یہ ضرور دیکھا گیا ہے کہ وہ خود سے اگر ی مسئلے میں ہاتھ لگاتا ہے تو سو فیصدی اپنے ہی فائدے کو مد نظر رکھ کر.... ورنہ عام حالات میں کی آنکھوں کے سامنے جرائم ہوتے رہتے ہیں لیکن وہ اس وقت تک کسی معاملے میں دخل ں دیتا جب تک کہ محکمے کی طرف سے ہدایت نہ ملے۔"

"خیر.... ہم رات کو آٹھ بجے مل رہے ہیں۔ فون پر گفتگو کو طول نہیں دیا جاسکتا۔" فریدی نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

دوسری طرف ویٹر آج کی ڈاک رکھ گیا اور حمید اُسے دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً وہ پاگلوں کے سے از میں آواز میں اُتار چڑھاؤ پیدا کئے بغیر ایک جگہ پڑھنے لگا۔

"ڈیئر بابا.... ڈیئر انکل.... میں یہاں تنہا نہیں رہ سکتی۔ بہت شدت سے بور ہو رہی ہوں۔ ذا میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اتوار کو نصیر آباد پہنچ جاؤں نیلم۔"

فریدی سگار کا گوشہ توڑ رہا تھا اس نے حمید کی طرف دھیان نہیں دیا۔

"میں کہتا ہوں آخر اُسے ساتھ رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔" حمید میز پر ہاتھ مار کر بولا۔

"اتنی چھوٹی بھی نہیں تھی کہ کسی یتیم خانے کے سپرد کر دی جاتی۔" فریدی نے جواب دیا۔

"آپ جانتے ہیں کہ آپ کے اس رویہ کے خلاف کیا چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔"

"مجھے اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ چہ میگوئیاں پر غور کر سکوں۔"

"آپ بدنام ہو رہے ہیں۔"

"لیکن میرا وزن ایک اونس بھی کم نہیں ہوا۔"

"ارے تو کیا وہ یہاں آکر بھی بور کرے گی۔" حمید جھلا کر بولا۔

"مجبوری ہے کیونکہ وہ مجھے انکل کہتی ہے اور تمہیں بابا۔" فریدی مسکرایا۔

"میرے خدا....!" حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "یعنی یہ آپ کا آخری فیصلہ ہے کہ وہ ہمیشہ ہمارے ہی ساتھ رہے گی۔"

"کم از کم اس وقت تو یقینی طور پر رہے گی جب تک کہ اس کیلئے کوئی اچھا شوہر نہ مل جائے۔"

"تب تو کوئی بات نہیں ہے۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "میں ایک ماہ کی چھٹی لے کر اُس کے لئے کوئی اچھا سا شوہر تلاش کروں گا۔"

اچانک ایک ویٹر بوکھلایا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔

"صاحب۔" وہ بُری طرح ہانپتا ہوا بولا۔ "انہیں.... کسی نے قتل کر دیا جو.... ابھی آپ کے پاس آئے تھے۔"

"کیا.... کون۔"

"وہ جو ابھی یہاں سے گئے تھے۔"

"شاہد....!" فریدی کی آواز میں تحیر تھا۔

شاہد کا راز

حمید نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ بارہ بج چکے تھے۔ لیکن فریدی ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ وہ اسی وقت سے غائب تھا جب شاہد کی لاش ریجنٹ کے ایک پیشاب خانے سے اٹھوائی گئی تھی۔ حمید نے بھی لاش دیکھی تھی اور اُسے یقین نہیں آیا تھا کہ یہ وہی شاہد ہے جو کچھ دیر پہلے ان کے

ے سے اٹھ کر گیا تھا۔

کسی نے اس پر خنجر سے حملہ کیا تھا اور ہاتھ اتنا جچا تلا تھا کہ کسی نے شاہد کی آخری چیخ بھی ں سنی تھی یا پھر قاتل کو اطمینان تھا کہ کوئی دخل انداز نہ ہو سکے گا۔ دونوں ہی صورتیں حیرت بز تھیں۔ لاش اتفاقاً دریافت ہوئی تھی اگر وہ پیشاب خانہ استعمال نہ کیا جاتا تو لاش وہیں پڑی تی اور کسی کو علم بھی نہ ہوتا کہ ریجنٹ جیسے بھرے پرے ہوٹل میں بھی دن دہاڑے قتل کی دات ہو سکتی ہے۔

ڈیڑھ بجے حمید جھلا کر اٹھا اور باہر جانے کے لئے کپڑے پہننے لگا۔ لیکن ٹھیک اُسی وقت یدی کمرے میں داخل ہوا۔

"کیوں! تم کہاں چلے۔"

"ایک رپورٹ درج کرانے جا رہا تھا۔" حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "ایک آنریری کرنل ج رات کا کھانا بھول گیا ہے، لہٰذا جہاں کہیں بھی ملے، اُسے رات کا کھانا ضرور کھلایا جائے کیونکہ ب آنریری کیپٹن دوپہر سے بھوکا ہے۔"

"تم نے کیوں نہیں کھایا کھانا۔"

"کھانے کی بات نہیں ہے یہ بکواس تو اس حقیقت کی طرف اشارہ تھی کہ میرا دماغ ماؤف گیا ہے۔"

"کیوں....؟"

"میں کرنل فریدی کے اسسٹنٹ کے بجائے کسی شریف آدمی کی بیوہ معلوم ہوتا ہوں، جو زت آبرو لئے گھر میں بیٹھی رہ جاتی ہے۔"

"بیکار باتیں نہ کرو۔" فریدی نے کوٹ اتارتے ہوئے کہا۔ "تم اس وقت کہیں نہ جا سکو گے۔"

"کیوں؟ میں کمروں میں بند ہو کر بیٹھنے نہیں آیا۔ آخر آپ مجھے یہیں ٹھہرنے کو کیوں کہہ لئے تھے۔"

"کیا تمہیں بے کار بیٹھنا پڑا تھا۔"

"نہیں.... مکھیاں مارنا کام بھی ہے اور شغل بھی۔"

"فاروقی کی طرف سے تمہیں کوئی پیغام نہیں ملا۔"

"نہیں....!" حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا اور بیٹھ گیا۔

فریدی نے کوٹ ہینگر پر ڈالتے ہوئے ایک طویل سانس لی اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ اُ
کے چہرے پر تشویش کے آثار صاف پڑھے جاسکتے تھے۔ حمید اُسے بغور دیکھتا رہا پھر بولا۔ "آ
نے تو خود ہی فاروقی سے ملنے کا وعدہ کیا تھا پھر پیغام کیسا۔"

"تمہیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ وہ فاروقی نہیں تھا جس سے فون پر گفتگو ہوئی تھی۔"

"نہیں....!"

"ہاں.... فاروقی نے اس سے لاعلمی ظاہر کی ہے۔"

"مگر پھر اس نامعلوم آدمی کو اس کا علم کیسے ہوا کہ آپ کو کچھ کاغذات فاروقی سے ملے ہیں"

"شاہد کے قتل کے بعد یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے قتل میں جس کا
ہاتھ ہے اُسے شاہد ہی سے کاغذات کے بارے میں معلوم ہوا ہوگا اور شاہد کا قتل بھی اسی لئے
میں آیا کہ میں نے اس پر شبہ ظاہر کیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ فون دراصل اس لئے کیا گیا تھا کہ
کاغذات کے متعلق میری رائے معلوم کی جاسکے، لیکن میں شاہد پر شبہ ظاہر کر بیٹھا لہٰذا ظاہر ہے

"تو یہ شاہد مجرموں سے ملا ہوا تھا۔"

"یقینی طور پر.... ورنہ قتل کیوں کیا جاتا۔ خیر بہر حال اب اسے ثابت کرنے کے لئے ذ
جمناسٹک نہیں کرنی پڑے گی کہ شاہد کس قسم کا فراڈ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔"

"ذرا ٹھہریئے.... یہ بھی ممکن ہے کہ شاہد کو کسی غیر متعلق آدمی نے قتل کیا ہو۔ فو
گفتگو کرنے والے کو صرف کاغذات کے متعلق آپ کا نظریہ معلوم کرنے کی فکر رہی ہو۔"

"تمہارا خیال درست بھی ہو سکتا ہے لیکن یہاں تو صرف اس سے بحث ہے کہ اُن امو
کے بارے میں شاہد کی رپورٹ صحیح تھی یا غلط۔ اگر صحیح تھی تو خیر کوئی بات نہیں، لیکن اگر غلط
تو اس کا مقصد کیا تھا۔"

"لیکن یہ کہاں سے ثابت ہو گیا کہ رپورٹ غلط ہی تھی۔"

"قتل کے بعد کی تفتیش کا ماحصل یہی ہے۔ میں نے اُن گواہوں سے پوچھ گچھ کی تھی ج
تذکرہ شاہد کی رپورٹ میں تھا۔"

"کیسے گواہ۔"

"وہ گواہ جن کے بیان کے مطابق مرنے والوں کا تعلق نگار تھیٹر سے ثابت ہوتا ہے۔ میں
ے ان گواہوں پر یہ ظاہر کر دیا تھا کہ شاہد قتل کر دیا گیا ہے کیونکہ وہ ان اموات کے سلسلے میں
تیش کر رہا تھا۔ یقین کرو کہ ان سبھوں نے چھوٹتے ہی یہی کہا تھا کہ چلو جان بچی۔"

"کیا مطلب....!"

"وہ بنائے ہوئے گواہ تھے۔ انہیں مجبور کیا گیا تھا کہ وہ اس فرضی شہادت پر قائم رہیں کہ
ں آدمی کو فلاں وقت نگار تھیٹر سے نکلتے دیکھا گیا تھا۔"

"مگر اس لمبی چوڑی فہرست میں ایک نام ایسا بھی ہے جو نگار تھیٹر سے واپسی ہی پر مرا تھا۔"

"کون....!"

"کیپٹن سام کریگ نگار سے واپسی پر وہ سیدھا مون لٹ نائٹ کلب گیا تھا۔ وہاں اس نے
ب ویٹر کو شراب کا آرڈر دیا اور جب ویٹر شراب لایا تو اس نے دیکھا کہ کیپٹن سام کریگ مر چکا
ہ۔ ہاں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ مرنے والوں کی لسٹ میں صرف سام کریگ ہی کا پوسٹ
ٹم ہو سکا تھا کیونکہ شاہد کی تفتیش کی گاڑی اسی کی موت کے بعد سے چلی تھی۔"

"تو پھر جس نے فون کیا تھا۔"

"اُسے فی الحال اس معاملے سے الگ ہی رکھو۔" فریدی نے کہا۔ "میں صرف یہ دیکھنا چاہتا
ں کہ شاہد نے یہ کیس کیوں بنایا تھا۔"

"مگر کیا آپ فاروقی کی آواز فون پر نہیں پہچان سکے تھے۔"

"کیا تم نے کل یہ نہیں محسوس کیا تھا کہ فاروقی کی آواز زکام کی وجہ سے بھاری ہو رہی تھی۔
ن کرنے والے نے اسی سے فائدہ اٹھایا اور خالص قسم کی زکامی آواز میں مجھ سے گفتگو کرتا رہا۔
یسے بھی بعض اوقات فون پر مختلف قسم کی آوازوں میں تمیز نہیں کی جاسکتی۔"

"مگر سنئے تو.... وہ انسپکٹر جو مسخرے کے روپ میں نگار تھیٹر سے متعلق تھا اس کے روزنامچے
کے کاغذات میں تو کچھ بھی نہیں ہے۔"

فریدی نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا لیکن پھر چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولا۔ "اس
کے باوجود بھی کسی نے اُن کاغذات کے متعلق میری رائے معلوم کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"ممکن ہے کاغذات اس کی نظروں سے گذرے ہی نہ ہوں۔"

"اگر یہ بات تھی تو اُسے کاغذات کا علم کیسے ہوا۔"

"فرض کر لیجئے شاہد ہی اس کی معلومات کا ذریعہ ہو۔"

"ایسی صورت میں اُسے یہ کام شاہد ہی پر چھوڑ دینا چاہیے تھا۔ یعنی وہ شاہد ہی کے ذریعہ بھی معلوم کرنے کی کوشش کرتا کہ ان کاغذات میں کیا تھا۔ نہیں حمید صاحب! اگر شاہد نے سے ان کاغذات کا تذکرہ کیا ہوتا..... ٹھہرو! شاید کوئی آرہا ہے۔"

وہ دونوں خاموش ہوگئے۔ قدموں کی آہٹ دروازے کے پاس رک گئی تھی۔ دوسرے لمحے میں کسی نے دستک دی۔

"آجاؤ....!" فریدی نے کہا۔ دروازہ کھلا اور نصیر آباد برانچ کا سپرنٹنڈنٹ فاروقی کمرے میں داخل ہوا۔

"اوہ.... آپ....!" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

"تشریف رکھئے.... تشریف رکھئے۔" فاروقی مضطربانہ انداز میں ہاتھ ہلا کر بولا اور خود کے گوشے پر ٹک گیا۔

"یہ آپ نے اس وقت فون پر گفتگو کے متعلق کیا پوچھا تھا۔" اس نے فریدی کو گھور ہوئے کہا۔

"کسی نے آپ کے زکام سے ناجائز فائدہ اٹھایا تھا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"دیکھئے اس وقت میں بہت پریشان ہوں، مجھ سے خوش مزاجی کی توقع نہ رکھئے۔"

"میں خود بھی حقیقت عرض کر رہا ہوں۔ خوش مزاجی ظاہر کرنے کا وقت ہی نہیں ملتا مجھے کسی نے بھرائی ہوئی سی آواز میں آپ کے نام سے گفتگو کی تھی لہٰذا میں دھوکا کھا گیا۔ اس نے کاغذات کے بارے میں میری رائے معلوم کرنی چاہی تھی۔"

"اوہ....!"

"کیا شاہد کی موت کے اسباب آسانی سے معلوم ہو سکیں گے۔" فریدی نے موضوع بدل د

"خدا جانے مجھے بھی حیرت ہے۔"

"کیا آپ شاہد پر اعتماد کرتے تھے۔"

"کیا مطلب....!" فاروقی چونک پڑا۔

فریدی نے پھر یہی جملہ دہرایا۔

"میں نہیں سمجھ سکا۔" فاروقی نے بے بسی سے کہا۔

"نگار سے متعلق اموات کی رپورٹ شاہد ہی نے پیش کی تھی۔"

"جی ہاں۔"

"پھر آپ نے اس کی تفتیش اسی کے سپرد کیوں نہیں کی تھی۔"

"اس نے خود ہی باقاعدہ طور پر یہ کیس لینے سے انکار کر دیا تھا۔"

"کیوں؟"

"صحت کی خرابی کا بہانہ کیا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ میڈیکل گراؤنڈ پر دو ماہ کی چھٹی لے گا اور ہاں ٹھہرئیے.... یہ حقیقت ہے کہ وہ انسپکٹر پہلے ہی سے نگار میں کام کر رہا تھا اور اس کی اطلاع بھی شاہد ہی نے دی تھی۔ ویسے وہ انسپکٹر رخصت پر تھا اور آفس کو اس کی اطلاع نہیں تھی کہ وہ کیا کر رہا ہے، بہر حال میں نے اُسے طلب کیا۔ پہلے تو اُس نے کہا کہ اس کی رخصت کا مقصد یہی تھا کہ وہ اسٹیج کا تجربہ حاصل کرے، لیکن جب شاہد کی رپورٹ اس کے علم میں لائی گئی تو اُس نے ہنس کر کہا کہ وہ بھی اسی چکر میں تھا۔ کیوں نہ یہ کیس باضابطہ طور پر اس کے سپرد کر دیا جائے لہٰذا یہی کیا گیا۔"

"ہوں....!" فریدی کچھ سوچنے لگا۔

"لیکن.... آخر.... شاہد کو کس نے قتل کر دیا.... کیوں قتل کر دیا۔" فاروقی بڑبڑایا۔

"قتل سے کچھ دیر پہلے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں نے فون پر اس نامعلوم آدمی سے کہا تھا کہ شاہد ناقابلِ اعتماد اور پکا فراڈ ہے۔"

"یہ آپ نے کیوں کہا تھا۔" فاروقی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میں نے اس لئے کہا تھا کہ یہی حقیقت تھی۔" فریدی نے کہا اور فاروقی کو بتانے لگا کہ کس طرح فرضی گواہوں کی مدد سے شاہد نے رپورٹ تیار کی تھی۔

"میرے خدا....!" فاروقی اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ "میں کبھی یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔"

"اور میری نظروں میں وہ انسپکٹر صاحب بھی مشتبہ ہیں، جو نگار میں ایک مسخرے کی حیثیت

سے کام کر رہے ہیں۔"

"اس کے خلاف کیا چارج ہے۔"

"فی الحال میں اس کی وضاحت نہ کر سکوں گا۔ اس وقت کا انتظار کیجئے جب میرا شبہ یقین سے بدل جائے۔"

"نصیر آباد برانچ کی تاریخ میں یہ پہلے واقعات ہیں۔" فاروقی نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"اس انسپکٹر کی ڈائری کے اوراق کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔"

"کچھ بھی نہیں۔" فاروقی بولا۔ "میری دانست میں وہ بالکل لغو اور محکمے کے لئے لایعنی ہیں۔"

"کیا شاہد کو اُن کاغذات کا علم تھا۔"

"نہیں۔ میں نے اُسی وقت تہیہ کر لیا تھا کہ مرکز کو آپ کے لئے لکھا جائے۔ لہٰذا میں نے کیس شاہد کے سپرد کر دیا تھا، لیکن اُس انسپکٹر سے متعلق جتنی بھی چیزیں تھیں وہ خصوصیت سے آپ کے لئے رکھ لی گئی تھیں اور اُن کا تذکرہ کسی سے بھی نہیں کیا گیا تھا۔"

فریدی کچھ سوچ رہا تھا.... اور حمید کبھی کا کمرے سے جا چکا تھا۔

مینٹل پیس

صبح خوشگوار تھی۔ لوسی نے بستر سے اٹھتے وقت یہی محسوس کیا تھا۔ حالانکہ پچھلی رات اس نے کثرت سے شراب پی تھی، لیکن اس کے باوجود بھی اُسے صبح خوشگوار معلوم ہو رہی تھی۔ اس نے اٹھ کر عقبی کھڑکی کھول دی۔ ٹھنڈی ہوا کا جھونکا آنکھوں کی سطح سے ٹکرایا اور اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ ٹھنڈک اس کی روح میں اترتی چلی گئی ہو۔

پچھلی رات کے تجربات اُس کے ذہن پر اپنے دھندلے سے نقوش چھوڑ گئے تھے اور وہ اس وقت اُس پُر اسرار اجنبی کی شکل یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی جس نے کافی رات گئے تک اُسے اپنی انوکھی باتوں میں الجھائے رکھا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ وہ یقیناً کوئی فلرٹ تھا اور اُس سے اس طرح تعارف حاصل کر کے غالباً قریب ہونا چاہتا تھا۔

اس نے میز کی طرف ہاتھ بڑھا کر سگریٹ کے ڈبے سے ایک سگریٹ نکالا اور اُسے

ہونٹوں میں دبا کر شاید سلگانا بھول گئی۔ وہ مسلسل اُسی نوجوان کے متعلق سوچے جا رہی تھی۔ اس نے ہر ہر طرح خود کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ وہ کوئی فراڈ تھا اور اس طرح اُسے اپنے جال میں پھانس کر اُس کی دولت پر ہاتھ صاف کرنا چاہتا ہے لیکن اس کی نظر گول میز کی طرف بھی اٹھ جاتی جس پر اب بھی نوٹوں کی گڈیاں پڑی ہوئی تھیں۔

سگریٹ کو ہونٹوں سے نکال کر اُس نے میز پر ڈال دیا اور الماری کھول کر شیری کی بوتل نکالی کیونکہ اُسے اپنے حلق میں پھندا سا محسوس ہو رہا تھا۔ چوتھائی گلاس شیری حلق میں انڈیلنے کے بعد اس نے سگریٹ سلگایا۔

باہر لان پر سورج کی پہلی کرن گلابی رنگ کی پچکاری مار رہی تھی اور رکھوالی کے السیشین اس انداز میں زبانیں نکالے ہانپ رہے تھے جیسے انہیں کی محنت نے سورج کو طلوع ہونے میں مدد دی ہو۔

سگریٹ کے دو تین کش لینے کے بعد اس نے اُسے باہر اچھال دیا اور صبح کی چائے کے لئے گھنٹی بجائی۔ چائے کا انتظار وہ کھڑکی ہی پر کھڑی ہو کر کرنا چاہتی تھی۔

دفعتاً اس کی نظر پھاٹک کی طرف اٹھ گئی۔ ایک آدمی باہر سے پھاٹک کھولنے کی کوشش کر رہا تھا اور یہ اس کے لئے بالکل اجنبی تھا۔ نہ وہ دودھ والا معلوم ہوتا تھا اور نہ انڈے روٹی والا۔ وہ یہ بھی نہیں سوچ سکتی تھی کہ وہ نوکروں میں سے کسی کا ملاقاتی ہو کیونکہ اس کے جسم پر بہترین تراش کا سوٹ موجود تھا اور گلے میں ٹائی بھی تھی۔ مونچھیں گھنی اور سیاہ تھیں۔

چوکیدار نے پھاٹک کھول دیا۔ لوسی اُسے چوکیدار سے گفتگو کرتے دیکھتی رہی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ چوکیدار کو کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہا ہو۔

پھر لوسی نے اُسے روش پر چل کر پورچ کی طرف آتے دیکھا۔ وہ سمجھ گئی کہ وہ اسی سے ملنا چاہتا ہے.... مگر اتنے سویرے.... لوسی کے ہونٹ سکڑ گئے۔ وہ ابھی اس وقت کسی سے نہیں ملنا چاہتی تھی۔

ملازمہ چائے کی کشتی لائی اور میز پر رکھ کر چلی گئی۔

چائے انڈیل کر لوسی دوسرا سگریٹ سلگانے لگی، لیکن ٹھیک اُسی وقت باہر سے بھاری قدموں کی آواز آئی۔ پھر دروازے کا پردہ ہٹا اور بڑی مونچھوں والا اجنبی اس کے سامنے تھا۔

لوسی سگریٹ پھینک کر کھڑی ہو گئی اور اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

"کس گدھے نے تمہیں یہاں آنے دیا ہے۔" وہ حلق کے بل چیخی۔

"گدھا کوئی نہیں ملا، ورنہ میں اسی پر بیٹھ کر آیا ہوتا کیونکہ آپ کا چوکیدار اونچا سنتا ہے۔ اس کے کانوں تک منہ لے جانے کے سلسلے میں ایک گدھے کی اونچائی کافی ہوتی۔"

"گٹ آؤٹ.... یو ریلیکل...." لوسی دانت پیس کر چیخی۔ "ورنہ دھکے دے کر نکال دیئے جاؤ گے۔"

"یہ میرا اپنا مقدر ہے، اس کے لئے بھی آپ کو تشویش نہ ہونی چاہئے۔"

لوسی نے گھنٹی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"ٹھہریئے...." اجنبی نے بھاری آواز میں کہا۔ "نوکروں کو بلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ نے پچھلی رات مجھے بحیثیت پرائیویٹ سیکریٹری ملازم رکھا تھا۔ اس لئے میں نے اس کی جسارت کی، ورنہ بھلا کوئی شریف آدمی کہیں اس طرح جاتا ہے۔"

"اوہ....!" لوسی بے سدھ ہو کر کرسی میں گر گئی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے آنے والے کو دیکھ رہی تھی۔

"تم.... تم....!" وہ مسکرائی۔ "مگر تم.... کیا یہ میک اپ....!"

"یس مادام....!" اجنبی نے قدرے جھک کر کہا۔

"تم سچ مچ کریک ہو مسٹر کریک۔ آخر اس کی کیا ضرورت تھی۔"

"قطعی ضرورت تھی مادام.... اس طرح میں نہایت اطمینان سے کام کر سکوں گا۔"

"شو.... کیا تم نے جاسوسی ناول بکثرت پڑھے ہیں۔" لوسی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"ہاں.... مادام.... آپ کا خیال درست ہے لیکن آپ حالات کی نوعیت پر غور کئے بغیر میرا مذاق نہیں اڑا سکتیں۔ میں جو کچھ بھی کر رہا ہوں ہر لحاظ سے بہتر کر رہا ہوں۔ آپ اس سے لاعلم ہیں کہ آپ کن خطرات میں گھری ہوئی ہیں۔ کیا آپ بھول گئیں کہ کیپٹن سام کریگ کی موت پُر اسرار حالات میں ہوئی تھی۔"

"مگر پولیس کے لئے تو وہ صرف ہارٹ فیلیور کا کیس تھا۔ میں اُسے پُر اسرار ہی سمجھتی ہوں کیونکہ ڈیڈی کبھی اتنی زیادہ نہیں پیتے تھے کہ پینے کی وجہ سے ان کے قلب کی حرکت بند ہو جاتی۔"

"آپ سمجھتی ہیں نا.... بس یہی کافی ہے۔ ویسے اب مجھے بھی علم ہے کہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں کثرت شراب نوشی ہی حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ ثابت کی گئی تھی۔"

"تو تم نے پچھلی رات ہی سے کام شروع کر دیا ہے۔"

"ہاں مادام....!"

"تم سچ مچ عجیب ہو۔ عجیب ترین۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ مجھے پریشان کرنے والا ہی ڈیڈی کی موت کے ذمہ دار ہیں۔"

"کیا یہ ممکن نہیں ہے۔"

"ممکن ہے۔"

"پھر ایسی صورت میں جب کہ مجھے کام کرنا ہے میں ان لوگوں پر اپنی اصلی شکل کیوں ظاہر کروں۔"

"ٹھیک ہے مگر میں تمہیں آواز سے بھی نہیں پہچان سکی تھی اور اب تمہاری آواز اس آواز سے مختلف ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہی آواز تمہاری اصلی آواز ہے کیونکہ پچھلی رات یہی آواز تھی۔"

"آپ آوازوں کے چکر میں نہ پڑیئے۔ ضرورت پڑنے پر میں گدھے کتے کی آواز میں بھی گفتگو کر سکتا ہوں۔ خیر دیکھئے.... یہ مینٹل پیس والا بلب اور ہندسے مجھے بالکل ناپسند ہیں۔ انہیں کسی طرح چھپانے کی کوشش کیجئے۔"

"کیوں....!"

"بس یونہی.... اب تو خواب گاہ عموماً کھلی ہی رہتی ہو گی۔"

"نہیں.... میں یہاں سے جاتے وقت اسے مقفل کرنا نہیں بھولتی۔"

"لیکن ملازم تو اندر آتے ہی ہوں گے۔"

"ہاں.... وہ تو آتے ہی ہیں۔"

"اگر اُن کی موجودگی میں کبھی بلب جل اٹھا اور ڈائیل پر ہندسے متحرک نظر آنے لگے تو یہ داستان تمام پھیل جائے گی۔"

"پھیل جائے۔" لوسی نے لاپروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دی۔

"نہیں اسے اتنا غیر اہم نہ سمجھئے۔ ہو سکتا ہے کیپٹن سام کریگ اس کمرے کو اسی لئے مقفل

رکھتے رہے ہوں کہ ان چیزوں پر کسی کی نظر نہ پڑنے پائے۔"

"ہو سکتا ہے کوئی اور وجہ رہی ہو۔"

"کوئی اور وجہ نظر آئی تھی آپ کو۔" سیکریٹری نے پوچھا۔

"نن.... نہیں۔" وہ غور سے سیکریٹری کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"سام کریگ اس کمرے کو مقفل کر گئے تھے اور پھر ان کی موت ایک نائٹ کلب میں واقع ہوئی تھی۔ اگر یہاں کوئی اور چیز بھی ایسی ہوتی جسے چھپانے کے لئے وہ اس کمرے کو بند رکھتے رہے ہوں تو وہ چیز آپ کو ضرور ملنی چاہئے تھی کیونکہ انہیں اس چیز کو یہاں سے ہٹانے کی مہلت نہ ملی ہوگی۔"

"یہ بھی ممکن ہے۔"

"آپ مجھے بور کر رہی ہیں مادام....!" سیکریٹری آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

"کیوں؟"

"آپ ایک بحث کا آغاز کر کے میرے پھیپھڑوں کا دم نکال لیتی ہیں اور پھر اتنی معصومیت سے اس کے امکان کا اعتراف کر لیتی ہیں جیسے.... جیسے.... یعنی کہ.... جیسے.... ہائیں اس وقت کوئی اچھی سی تشبیہہ نہیں سوجھ رہی ہے خیر ٹالئے۔ ہاں تو میں اس وقت یہ عرض کرنے آیا تھا کہ مجھے کیپٹن کریگ کے قریبی دوستوں کی فہرست چاہئے۔"

"اس سے کیا ہوگا۔"

"اس سے یہ ہوگا محترمہ!" سیکریٹری اپنی پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔ "یہ ہوگا.... آ.... کہ میری جان پہچان والوں میں چند نئے آدمیوں کا اضافہ ہو جائے گا۔"

"مسٹر کریک تم کھل کر مجھ سے گفتگو نہیں کر رہے ہو۔"

"آپ کھل کر سن ہی نہیں رہی۔ دیکھئے آپ کی چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔"

"کیا تم ناشتہ کر چکے ہو۔"

"نہیں میں ناشتہ جیسی غیر ضروری چیزوں کا عادی نہیں ہوں۔"

"کیا مطلب....!"

"مطلب یہ کہ میں چوبیس گھنٹے میں صرف ایک بار اپنے معدے کو تکلیف دیتا ہوں۔"

"اگر مجھے تمہاری ضرورت نہ ہوتی تو میں تمہیں چڑیا گھر کے کسی کٹہرے میں رکھوا دیتی۔"

"میرے لئے یہ بھی ممکن ہے۔ کیا آپ یہ سمجھتی ہیں کہ میں کسی چڑیا گھر کے کٹہرے میں نہیں رہا۔"

"ایسا ہو چکا ہے محترمہ۔ ایک زمانہ تھا کہ پولیس میری تلاش میں تھی۔ ہاں شاید میں آپ کو یہ بتانا بھول گیا ہوں کہ میں بھی کسی زمانہ میں قانون شکنی کیا کرتا تھا، مضبوط سے مضبوط تجوریاں توڑ ڈالنا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ میں نے کئی بنکوں میں چوریاں کی تھیں اور پولیس میرے پیچھے تھی۔ ایک دن مجھے معلوم ہوا کہ پولیس نے میرے مکان کے گرد گھیرا ڈال دیا ہے۔ اس اطلاع سے میرے ہاتھ پیر ڈھیلے ہو گئے۔ لیکن پھر فوراً ہی ایک تدبیر سوجھ گئی۔ مجھے یاد آیا کہ پچھلے دن ایک گوریلا چڑیا گھر سے فرار ہو گیا تھا جس کی تلاش اس وقت تک جاری تھی۔ میں نے جھٹ پٹ اپنے کپڑے اتار ڈالے اور گوریلے کی کھال اپنے جسم پر منڈھ لی۔"

"غپ.... جھوٹ.... بکواس۔" لوسی بڑبڑائی۔

"یقین کیجئے۔"

"تمہیں گوریلے کی کھال کہاں سے ملی تھی۔"

"اوہ.... گوریلے کی کھال.... وہ تو میرے پاس پہلے ہی سے تھی۔ اب میں کیا عرض کروں آپ سے کہ میں اُس زمانے میں کیسا آدمی تھا اور گوریلے کی کھال پہن کر میں نے کس قسم کے کارنامے انجام دیئے تھے۔ کسی وقت اطمینان سے بتاؤں گا۔ خیر قصہ مختصر یہ کہ میں کھال پہن کر پڑوس کی چھت پر جا چڑھا۔ بس پھر کیا تھا لوگ مجھے پکڑنے کے لئے دوڑ پڑے۔ بڑی مشکل سے ہاتھ آیا۔ آہا کاش آپ مجھے اس وقت دیکھتیں۔ میں سو فیصدی بن مانس معلوم ہو رہا تھا۔ اُسی کی طرح غرانا اور سیٹیاں بجانا اور ٹانگیں خمیدہ کر کے چلنا۔"

دفعتاً سیکریٹری نے بن مانس کے غرانے اور سیٹیاں بجانے کی نقل شروع کر دی۔

"ارے.... بس.. ارے بس" لوسی آنکھیں بند کر کے کانوں میں انگلیاں ٹھونستی ہوئی بولی۔

"آہا.... تو پھر مجھے لے جا کر کٹہرے میں بند کر دیا گیا۔"

"کتنے دنوں تک بند رہے تھے.... مگر نکلے کیسے ہو گے۔"

"محافظ کے پاس سے قفل کی کنجی پار کر دی تھی۔ رات کو نہایت اطمینان سے قفل کھولا اور

باہر نکل آیا۔"

"اس میں کتنی سچائی ہے، مسٹر کریک۔"

"آپ کے یقین نہ کرنے سے میرا کیا بگڑے گا۔" سیکریٹری نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"نہیں مجھے یقین دلاؤ ورنہ میں تمہاری مونچھیں اکھاڑ دوں گی۔"

سیکریٹری بُرا سامنہ بنائے دوسری طرف دیکھتا رہا۔ اتنے میں وہی ملازمہ پھر آئی جو چائے کی ٹرے رکھ گئی تھی۔ اس نے کسی کا ملاقاتی کارڈ پیش کیا۔

"کرنل اے کے.... فریدی" لوسی نے بلند آواز سے پڑھ کر پیشانی پر شکنیں ڈال لیں اور پھر بڑبڑائی۔ "مگر میں اس آدمی کو نہیں جانتی۔"

"کرنل اے کے فریدی... اُم" سیکریٹری جھک کر کارڈ پڑھتا ہوا بولا۔ "ارے باپ رے... کیا آپ اُسے نہیں جانتیں۔ میرے خدا یہاں کیسے ٹپک پڑا۔"

"کیوں یہ کون ہے!"

"وہ سرکاری سراغ رساں جو شیطان سے زیادہ مشہور ہے۔"

"ارے.... یہ.... وہ فریدی ہے۔" لوسی نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ "مگر یہاں کیسے۔"

"ممکن ہے کیپٹن کی موت کے سلسلے میں تفتیش کر رہا ہو۔"

"تب تو میں اُس سے ضرور ملوں گی۔ چلو تم بھی چلو۔"

"میں.... نن.... نہیں۔ اگر اس نے پہچان لیا تو میرا مستقبل برباد ہو جائے گا۔"

"کیوں....؟"

"مین ایک روپوش مجرم ہوں محترمہ اور جرائم سے توبہ کر چکا ہوں، لیکن مجھے علم ہے کہ ابھی تک میرا فائیل بند نہیں ہوا۔"

"کیا میں اس سے بتا دوں کہ کوئی نامعلوم آدمی مجھے دھمکیاں دے رہا ہے۔"

"ہرگز نہیں.... یہ تو آپ کی زبان سے نکلنے ہی نہ پائے ورنہ آپ بڑی مشکلات میں پڑ جائیں گی۔"

"کیوں؟"

"خدا کے لئے اس وقت مجھ سے بحث نہ کیجئے۔ جائیے.... اُسے جلد از جلد ٹالنے کی کوشش

کیجئے گا۔ ہاں ایک بات اور.... اگر وہ کیپٹن کے کاغذات وغیرہ دیکھنا چاہے تو دکھا دیجئے گا۔ مگر اس کا گذر اس خواب گاہ میں نہ ہونے پائے جہاں پر بلب اور ہندسوں کا ڈائیل موجود ہے۔"

شاید لوسی نے پھر "کیوں" کہنے کے لئے ہونٹ کھولے تھے، لیکن اس نے اس بار سوال نہیں کیا بلکہ چپ چاپ اٹھ کر ڈریسنگ گاؤن پہنا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

پھر بیس منٹ بعد وہ واپس آ گئی۔ سیکریٹری اُسے گھورے جا رہا تھا۔

"اوہ مسٹر کریک.... وہ تو عجیب ترین تھا۔ تم سے بھی عجیب۔ میں سمجھی تھی کہ وہ کوئی ڈراؤنا آدمی ہوگا اور میں اس کے سامنے ہونٹ بھی نہ ہلا سکوں گی مگر وہ تو انتہائی رحم دل اور معصوم آدمی معلوم ہوتا ہے۔ گفتگو کا انداز کتنا شریفانہ تھا۔"

"کاش تم اُسے اس وقت بھی دیکھتیں، جب وہ کسی درندے کی طرح سرکش مجرموں کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔"

"یقین نہیں آتا...." لوسی سر ہلا کر بولی۔ "ارے وہ تو فرشتہ ہے، فرشتہ....!"

"اگر وہ فرشتہ ہے تو موت یا عذاب ہی کا فرشتہ ہو سکتا ہے۔ خیر ہٹائیے.... ہاں تو وہ کیوں آیا تھا۔"

"تمہارا خیال صحیح نکلا۔ اس کا خیال ہے کہ ڈیڈی کی موت معمولی حالات میں نہیں ہوئی مگر اس نے پوچھا تھا کہ ڈیڈی کے ہیری سے کیسے تعلقات تھے۔ کیا کبھی اُن دونوں نے کوئی بزنس بھی کیا تھا؟ کیا کبھی اُن دونوں میں جھگڑا ہوا تھا۔"

"اس کے علاوہ۔"

"اور کچھ بھی نہیں.... نہ تو اُس نے کاغذات دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تھی اور نہ ڈیڈی کا سامان دیکھنا چاہا تھا۔ وہ اس بات پر افسوس ظاہر کر رہا تھا کہ میں دنیا میں تنہا رہ گئی ہوں۔"

"مادام! میرے ایک سوال کا جواب دیجئے۔"

"کیا....؟"

"آپ کی جائیداد کا کچھ حصہ خطرے میں بھی پڑ سکتا ہے۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص اس بات کی کوشش کرے کہ جائیداد کا کچھ حصہ اُسے قانونی

طور پر مل جائے تو کیا وہ کامیاب ہو سکے گا۔"

"ہر گز نہیں.... میں ڈیڈی کی وارث ہوں۔ ایسا کوئی آدمی نہیں ہے، جو اس قسم کا دعویٰ کر سکے۔ تم اس جھگڑے میں نہ پڑو۔ اس آدمی کا پتہ لگاؤ، جو مجھے دھمکیاں دے رہا ہے۔"

"جب آپ جائیداد کی طرف سے مطمئن ہیں تو پھر آپ نے اس کی رپورٹ پولیس کو کیوں نہیں دی۔"

"میں خواہ مخواہ کسی قسم کی جھنجھٹ میں نہیں پڑنا چاہتی۔ پولیس اس کا پتہ نہیں لگا سکے گی آئے دن مجھے ہی پریشان کرتی رہے گی۔"

"مگر آپ نے پچھلی رات یہ خدشہ ظاہر کیا تھا کہ آپ کے ڈیڈی کی ناجائز طور پر پیدا کی ہوئی دولت کا کچھ حصہ آپ کے ہاتھ سے نکل بھی سکتا ہے۔"

"پچھلی رات میں نشے میں تھی۔ اگر میں نے کہا بھی تھا تو غلط کہا تھا۔"

"خیر....!" سیکریٹری نے ایک طویل سانس لی۔ وہ خاموش ہو کر اس مینٹل پیس کی طرف دیکھ رہا تھا، جس پر سرخ رنگ کا بلب نصب تھا۔ اچانک مینٹل پیس سے عجیب طرح کی آواز نکلی۔ وہ اُس مینٹل پیس کے لئے تو عجیب ہی تھی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا تھا جیسے کوئی ٹائپ رائٹر ٹائپ کر رہا ہو۔ سیکریٹری آگے بڑھا۔ آواز اب تک آ رہی تھی۔ لوسی کے چہرے پر بھی حیرت کے آثار نظر آ رہے تھے۔

سیکریٹری تھوڑی دیر تک مینٹل پیس کا جائزہ لیتا رہا پھر اُس پر رکھی ہوئی چیزیں اُتار اُتار کر نیچے رکھنے لگا۔ اب آواز آنی بند ہو گئی تھی۔ دفعتاً لوسی نے مینٹل پیس کو دو حصوں میں تقسیم ہوتے دیکھا، درمیان میں تقریباً ایک فٹ چوڑی خلاء پیدا ہو گئی تھی۔ سیکریٹری اس پر جھکا ہوا تھا۔

"اوہ.... ٹیلی پرنٹر....!" وہ مضطربانہ انداز میں بڑبڑایا اور دوسرے ہی لمحے میں اُس نے خلا کے اندر ہاتھ ڈال کر کاغذ کی ایک لمبی سی پٹی نکالی جس پر ٹائپ کے حروف میں تحریر تھا۔

"تشویش غلط تھی۔ سر مو فرق نہیں ہے۔ تین ہزار دو سو ستر عدد نکالے گئے ہیں۔"

لوسی اور سیکریٹری کبھی اس تحریر کو دیکھتے تھے اور کبھی ایک دوسرے کو دیکھنے لگتے تھے۔

ہیرے کی انگوٹھیاں

شام کو آخر کار نیلم پہنچ ہی گئی۔ حمید سمجھا تھا، شاید اُس نے اُسے چڑھانے کے لئے نصیر آباد پہنچنے کی دھمکی دی تھی۔ مگر جب وہ پہنچ ہی گئی تو مجبوراً اُسے خندہ پیشانی سے اُسے برداشت کرنا پڑا۔ وہ دراصل اٹھتے بیٹھتے ناک میں دم کئے رہتی تھی، بور کرنے کے لئے فریدی ہی کیا کم تھا۔ مگر اب دوسرے کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ اُسے اس مسئلہ پر بہت زچ کرتی تھی کہ وہ روزانہ نئی نئی لڑکیوں کی تلاش میں رہتا ہے۔

یہاں پہنچتے ہی سب سے پہلے اس نے یہی پوچھا تھا۔

"کیوں بابا.... بہت اداس نظر آ رہے ہو۔ کیا کوئی گدھی نہیں ملی۔"

"جان بابا....!" حمید دونوں آنکھیں بھینچ کر اور ٹھنڈی سانس لے کر بولا تھا۔ "تم بابا کا پیچھا چھوڑ دو، ورنہ اس بابا سے بھی محروم ہو جاؤ گی۔ یہ بابا اُلو کا پٹھا اب تک کئی بار خودکشی کا ارادہ کر کے ملتوی کر چکا ہے مگر اب یہ آخری ارادہ ہو گا۔"

"میں تمہیں آدمی بنانا چاہتی ہوں۔"

"بس بابا ہی رہنے دو۔ آدمی بننے کی تاب نہ لا سکوں گا۔" حمید نے پہلے تو ٹھنڈے دل سے کہا پھر تاؤ آ گیا اور جھلا کر بولا۔ "ارے تم ٹھیکیدار ہو سارے زمانے کی۔ مجھ سے اس مسئلے پر گفتگو نہ کیا کرو۔ اب تو میں خود کو دنیا کی ہر جوان لڑکی کا بابا تصور کرنے لگا ہوں۔ خدا تمہیں غارت کرے۔"

"میں تمہیں انکل کی طرح کا آدمی دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"اگر انکل آدمی ہے تو میں آدمیت کے مستقبل سے مایوس ہوں۔"

"تم جانتے ہی نہیں کہ آدمیت کس چڑیا کا نام ہے۔"

"میں چڑی مار نہیں ہوں۔" حمید نے بیزاری سے کہا۔

"انکل کہاں ہیں۔"

"میں تمہارے انکل کی دم میں نہیں بندھا رہتا۔"

"بابا.... موڈ اتنا خراب کیوں ہے۔"

”بیٹھ جاؤ....“ حمید نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ ”میں تمہیں بتاؤں گا کہ کس طرح میری مٹی پلید ہو رہی ہے۔“

”ہوا کیا....!“

”بتاتا ہوں۔ مگر بتانے سے پہلے تمہیں آگاہ کر دوں کہ تمہاری مٹی بھی اسی طرح پلید ہو گی۔ اسے لکھ لو۔ میں کبھی کوئی غلط بات نہیں کہتا۔ اگر تم یہ چاہتی ہو کہ شریف عورتوں کی طرح زندگی بسر کرو تو اس فن سے دور رہو، جو تمہیں تمہارا انکل اور میرا فادر سکھا رہا ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ تم کس قسم کی لڑکی ہو۔ تمہیں اپنے مستقبل کا ذرہ برابر بھی خیال نہیں ہے۔“

”یہ مستقبل ہی کے لئے تو سب کچھ کر رہی ہوں۔ تم جانتے ہو کہ میری پرورش کس ماحول میں ہوئی ہے۔ میں کسی شریف آدمی کی بیوی بن کر زندگی نہیں گذار سکتی کیونکہ شریف سے شریف آدمی بھی بیوی پر اپنی برتری ضرور جتاتا ہے اور میں کسی کی بھی برتری کی قائل نہیں۔ جرائم سے مجھے ہمیشہ نفرت رہی ہے اس لئے میں یہی بہتر سمجھتی ہوں کہ اپنے پیروں پر کھڑی ہونے کی کوشش کروں۔“

”ارے تو اپنے پیروں پر کھڑی ہو کر بھینسیں بھی چرا سکتی ہو۔ سراغ رسانی کا مشورہ کس گدھے نے دیا ہے تمہیں۔“

”نہیں.... یہ پیشہ مجھے بے حد پسند ہے۔ انکل کہہ رہے تھے کہ میں اس کے لئے بہت موزوں ہوں۔“

”انکل نے تو پچھلے سال ایک قوال سے بھی یہی کہا تھا اور دوسرے ہی دن وہ قوال اس حال میں دیکھا گیا کہ اس کا سر نیچے تھا اور ٹانگیں اوپر.... اے وا.... نیلم خدا کے لئے ہوش میں آؤ۔ مجھے دیکھو.... کیا میں تمہیں پاگل معلوم ہوتا ہوں۔“

”صرف اُسی وقت جب اس قسم کی باتیں کرنے لگتے ہو۔“

”ہام.... اچھا.... اور انکل کے متعلق کیا خیال ہے۔“

”انکل سپرمین ہیں۔“

”ہاں.... چلو.... یہ دیکھو.... کیا لکھا ہے۔“

حمید نے کاغذ کا ایک ٹکڑا نیلم کی طرف بڑھا دیا جس پر پنسل سے تحریر تھا۔

”آج قومی تہوار کا دن تھا۔ ہم سب خوش تھے اور مرجانہ ہمارے درمیان رقص کر رہی تھی۔ بس یہی دل چاہتا تھا کہ نشے میں ڈوبتے چلے جاؤ۔“

نیلم نے بلند آواز سے اُسے پڑھا اور جواب طلب نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے لگی۔

”کیا سمجھیں؟“ حمید نے مسکرا کر پوچھا۔

”کچھ نہیں سمجھی.... یہ کیا بکواس ہے۔“

”تمہارے سپرمین انکل کی ہدایت ہے کہ میں اُن کی واپسی تک اسی کمرے میں بیٹھ کر اس عبارت پر غور کرتا رہوں۔“

”ہاں بے بی۔ میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں، خدا نے بڑا فضل کیا کہ تم بھی آ گئیں۔ اب ہم دونوں مل کر اس عبارت پر غور کریں گے بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ تم مرجانہ کی طرح رقص شروع کر دو اور میں رم کا ایک پیپہ منگوا کر اُس میں چھلانگ لگا دوں۔“

”کیا یہ حقیقت ہے۔“

”بے بی ہوش میں آؤ ورنہ بابا اب تھپڑ رسید کر دے گا۔“

”تب تو مجھے یقین ہے کہ اس عبارت میں کوئی نہ کوئی خاص بات ضرور ہو گی۔“

”بے بی۔“ حمید غرایا۔ ”اگر تم نے آدھے گھنٹے کے اندر اندر اس میں کوئی خاص بات نہ تلاش کی تو.... میں تو میں.... صبر کروں گا۔“

آخر میں اس کی آواز مردہ ہو گئی اور نڈھال سا ہو کر آرام کرسی میں گر گیا۔

”آخر معاملہ کیا ہے۔ کیس کیا ہے۔ تم کچھ بتاتے ہی نہیں، خواہ مخواہ اتنی دیر سے بور کر رہے ہو۔“

”یہ کاغذ کا ٹکڑا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ درجنوں صفحات ہیں جن پر ایسی ہی تحریریں مجھ جیسے آدمی کو دن رات خودکشی پر مجبور کرتی رہتی ہیں۔ تمہارا انکل گڈ لارڈ خود بھی انہیں سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور مجھے بھی بور کرتا ہے۔“

”تب تو میرا یقین اور پختہ ہو گیا ہے کہ اس میں کوئی خاص بات ہے۔“

”اچھا تو سنو.... کیا خاص بات ہے۔ آج صبح ہی سے مطلع ابر آلود رہا ہے۔ للّی نے شوخ رنگ کی لپ اسٹک استعمال کی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کچے چوہے چبا کر آئی ہو۔ میں کہتا ہوں للّی تمہاری آنکھیں بہت حسین ہیں۔ وہ کہتی ہے.... اوں ہوں تم مجھے بے وقوف بنا رہے

ہو۔ میں کہتا ہوں، للی مجھ پر رحم کرو اور وہ مجھے اپنا سینڈل سونگھانے لگتی ہے، کاش وہ مجھے سمجھ سکتی۔ کاش وہ مجھے سمجھ سکتی۔ کاش وہ مجھے سٹیج کا مسخرہ سمجھ کر مجھ سے بے اعتنائی نہ کرتی وغیرہ وغیرہ بے بی۔ تمہارا انکل یہی سب کچھ پڑھتا ہے، کبھی اُس کی آنکھیں چمکنے لگتی ہیں اور کبھی وہ بھیڑیئے کی طرح غراتا ہے..... بچالو..... بے بی..... خدا کے لئے مجھے بچالو۔"

حمید نے آنکھیں بند کر کے اس طرح دونوں ہاتھ آگے پھیلا دیئے تھے جیسے سچ مچ کسی حملہ کرتے ہوئے بھیڑیئے سے رحم کی بھیک مانگ رہا ہو۔

اتنے میں فریدی کمرے میں داخل ہوا۔

"آہا..... نیلم تم آگئیں؟" اس نے کہا۔

"جی ہاں۔"

"بھئی..... میں شدت سے تمہاری ضرورت محسوس کر رہا تھا۔"

"اوہ..... شکریہ..... انکل..... ڈیئر۔"

فریدی نے فلٹ ہیٹ میز پر ڈال دی اور کوٹ اتارنے لگا۔ نیلم نے بڑھ کر کوٹ اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا۔ "بابا بے چارہ پاگل ہو گیا ہے۔"

"کب نہیں تھا۔" فریدی نے کہا۔

نیلم کوٹ ہنگر پر لٹکا کر حمید کو دیکھنے لگی، جو دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھا تھا۔

"کیوں؟" فریدی نے حمید سے غصیلی آواز میں پوچھا۔ "اُس تحریر سے کیا مطلب اخذ کیا۔"

"مطلب.....!" حمید سر اٹھا کر ٹھنڈی سانس لیتا ہوا بولا۔ "آپ مرجانہ کو بلوا دیجئے۔ وہ یہاں ناچنا شروع کر دے اور مجھے دس بارہ بوتلیں وہسکی کی منگوا دیجئے۔ اگر مطلب نہ اخذ کر لوں تو گولی مار دیجئے گا۔"

"یہ سب کیا ہے انکل.....!" نیلم نے حیرت ظاہر کی۔

"یہ کچھ نہیں..... تم بھی کوشش کرو۔"

"باس.....!" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اب تم کوشش کرو اور میں دوڑ کر آدھ سیر سنکھیا لے آؤں۔"

"نہیں تم باہر نہیں جا سکتے۔ ہرگز نہیں۔" فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔

"کیوں؟"

"کیوں کا میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔"

"تو میں اب اپنی مرضی سے مر بھی نہیں سکتا۔"

"نہیں..... تم میری گود میں مرو گے اور میں اس لڑکی کو بُرا بھلا کہہ رہا ہوں گا جس کی ولت تمہیں موت نصیب ہوئی ہوگی۔"

"بعض لڑکیوں کے ابا میاں بڑے خطرناک ہوتے ہیں۔" نیلم دیدے پھاڑ کر بولی۔ "کیوں ل.....؟"

حمید بُرا سا منہ بنائے ہوئے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ فریدی نے فون کا ریسیور اٹھا کر ویٹر طلب کیا۔

"دیکھئے تو انکل میں جب سے آئی ہوں اسی طرح بیٹھی ہوئی ہوں۔ نہ بابا نے لباس تبدیل نے کو کہا اور نہ چائے منگوائی۔"

"میں نے اسی لئے ویٹر کو کال کیا ہے۔" فریدی نے کہا۔

حمید نے پائپ نہیں سلگایا بلکہ اُسے ایک طرف پھینک کر کھڑا ہو گیا۔ تیور بڑے خراب تھے، ہامعلوم ہو رہا تھا جیسے فریدی پر حملہ کر بیٹھے گا۔ مگر اس کے بجائے اس نے اپنا سر دیوار سے ٹکرا دیا۔

"ارے..... ہائیں..... بابا.....!" نیلم اس کی طرف جھپٹی۔

"ہٹ جاؤ بے بی۔ آج میں تصفیہ کرنا چاہتا ہوں۔" حمید نے کہا اور دوبارہ دیوار پر سر مارنے ہی رہا تھا کہ نیلم نے اس کی گردن دونوں ہاتھوں سے پکڑ لی۔

ٹھیک اُسی وقت کسی نے باہر دروازے پر دستک دی۔

نیلم نے حمید کی گردن چھوڑ دی اور حمید بُرا سا منہ بنائے ہوئے میز کے گوشے سے ٹک گیا۔

"آجاؤ.....!" فریدی نے دروازے کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

ویٹر کافی کی ٹرے اٹھائے ہوئے اندر داخل ہوا۔ یہ ایک تنومند آدمی تھا اور اس کے بازوؤں کی مچھلیاں آستینوں پر بھی اُبھری ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ مونچھیں گھنی اور اوپر چڑھی ہوئی تھیں۔ فریدی اُسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ جب وہ کافی کی ٹرے چھوٹی میز پر رکھ کر مڑا تو فریدی نے کہا۔ "ذرا سگار کا ڈبہ مجھے اٹھا دینا۔"

ویٹر نے بڑی میز سے سگار کا ڈبہ اٹھا کر بڑے ادب سے پیش کیا۔ فریدی کی نظر اُس کے

ہاتھوں پر تھی۔

"شکریہ....!" فریدی نے آہستہ سے کہا اور ڈبہ ایک طرف رکھتا ہوا بولا۔ "تم یہاں کے سب سے زیادہ مالدار ویٹر ہو.... کیوں؟"

اس کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ سی مسکراہٹ تھی۔

"اوہ.... کیوں جناب۔" ویٹر سیدھا کھڑا ہوتا ہوا بولا۔

"تمہارے بائیں ہاتھ کی دونوں انگوٹھیوں کے نگینے اصلی ہیں۔"

"اُرر.... اُو....!" ویٹر نے غیر ارادی طور پر اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا۔ پھر فوراً ہی سنبھالا لیا اور اکڑ کر بولا۔ "جی ہاں.... کیا ہیرے کی انگوٹھیاں صرف مالداروں ہی کا حصہ ہیں۔"

اس کا لہجہ غصہ دلانے والا تھا۔

"او گدھے کے بچے! میں تمہاری مونچھیں اکھاڑ لوں گا۔" حمید بگڑ گیا۔

"میں تمہیں اس کا مشورہ ضرور دوں گا۔" فریدی کا لہجہ حد درجہ سرد تھا۔

حمید نے ایک جھرجھری سی لی اور پھر اس نے فریدی کو بڑی پھرتی سے ریوالور نکالتے دیکھا۔

"نہیں تم اپنا ہاتھ جیب کی طرف نہیں لے جاؤ گے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

ویٹر نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

حمید نے نیلم کی آنکھوں میں عجیب سی چمک دیکھی اور اُسے اس بلی کی چمک یاد آ گئی جس نے تازہ شکار کیا ہو۔

"حمید اس کی مصنوعی مونچھیں کھینچ لو۔"

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے جناب۔" ویٹر تھوک نگل کر بولا۔

حمید نے آگے بڑھ کر اس کے چہرے پر ہاتھ صاف کر دیا۔ مونچھیں مصنوعی ہی تھیں۔ اُس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "لاحول ولا قوۃ.... کاش یہ مونچھیں اصلی ہوتیں تب میں بتاتا کہ حجام کا احسان نہ لینے کا کیا طریقہ ہے۔"

"کیا جیب میں ریوالور رکھنا بھی ریجنٹ کے ویٹروں کے لئے ضروری ہے۔"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ حمید آگے بڑھ کر اس کی جیبیں ٹٹول رہا تھا۔ یہ حقیقت تھی کہ اس کی جیب میں ریوالور موجود تھا۔

"کیا تم اس کا لائسنس پیش کر سکو گے۔"

ویٹر اب بھی خاموش رہا۔

"میں تمہیں اس جرم میں گرفتار کرتا ہوں۔"

دفعتاً ویٹر حمید سے لپٹ پڑا۔ حمید کے لئے یہ غیر متوقع تھا۔ اس لئے اُسے سنبھلنے کا موقع نہ مل سکا۔ اس کے ہاتھ سے ویٹر کا ریوالور گر چکا تھا۔

"اب شوق سے گولی مار دو۔" ویٹر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ فریدی کے ریوالور کا رخ حمید کے سینے کی طرف تھا۔ نیلم ابھی تک ویٹر کے پیچھے خاموش کھڑی تھی اور ویٹر بھی اس کی طرف سے غافل تھا۔ اچانک نیلم نے اپنی انگلیاں اس کی گردن میں پیوست کر دیں۔ ویٹر جس نے حمید کی گردن پر قینچی لگا رکھی تھی بوکھلا گیا۔ اس کے ہاتھ ڈھیلے ہوئے ہی تھے کہ حمید اس کی گرفت سے نکل گیا اور پھر تو اس کی شامت ہی آ گئی۔ حمید نے اُسے گھونسوں پر رکھ لیا تھا۔ ذرا ہی سی دیر میں وہ بے دم ہو کر گر پڑا۔

حمید کھڑا اپنے ہاتھ جھاڑ رہا تھا اور نیلم نے اتنا بُرا سا منہ بنا رکھا تھا جیسے اس کے اتنی جلدی بے ہوش ہو جانے پر اُسے بے حد مایوسی ہوئی ہو۔

کچھ دیر تک کمرے پر سکوت مسلط رہا پھر حمید جیب سے رومال نکال کر اپنے چہرے کو صاف کرتا ہوا فریدی سے بولا۔

"آج میں آپ کو ایک نئی راہ پر دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے کبھی ایسا نہیں کیا؟"

"کیا مطلب....!"

"ظاہر ہے کہ یہ آدمی ہم لوگوں کی نگرانی کر رہا تھا۔ آپ نے آج تک کسی ایسے آدمی پر ہاتھ نہیں اٹھایا بلکہ ہمیشہ ایسے آدمیوں کو پہچان لینے کے بعد ان کی غفلت سے فائدہ اٹھاتے رہے ہیں۔"

"ہاں.... اور پھر ان کے ذریعے سے اصل مجرم تک پہنچنے میں آسانی ہوتی تھی، لیکن حمید صاحب یہ معاملہ مختلف ہے۔ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یہ آدمی اصل مجرم تک میری رہنمائی نہ کر سکے گا۔"

"یہ آپ کس بناء پر کہہ رہے ہیں۔"

"وہ کاغذات جنہیں تم فضول سمجھتے ہو، اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔"

"کس طرح۔"

"وہ کاغذات تھیٹر کے آرٹسٹوں میں بڑی دلچسپی کے ساتھ پڑھے جاتے تھے۔"

"اسی لئے ان کی آپ کی نظروں میں اتنی اہمیت ہے، وہ کاغذات جو دلچسپی کے لئے مر والے کے حلقہ احباب میں علانیہ پڑھے جاتے تھے کسی بہت بڑے راز کے حامل تھے۔" حمید کا لہ طنزیہ تھا۔

"ہاں انہیں درجنوں آدمی پڑھتے اور سنتے تھے کیونکہ تحریر میں بلا کی ادبی چاشنی موجود ہے انداز طربیہ اور رومانی ہے، کہیں کہیں تو ظالم نے نثر میں شاعری کر کے رکھ دی ہے مگرا کاغذات میں ایسے پیغامات موجود ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ لکھنے والا اُس شخص سے واقف نہیں تھا جس کے لئے اُس نے وہ پیغامات ترتیب دیئے تھے، اسی لئے وہ کاغذات علانیہ پڑ جاتے تھے اور ایسی جگہ رکھے رہتے تھے جہاں سے ہر ایک انہیں اٹھا کر پڑھ سکتا تھا اگر لکھنے والا شخص سے واقف ہوتا تو یہ طریقہ اختیار کرنے کی کیا ضرورت تھی اور یہ آدمی۔" فریدی ہوش ویٹر کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔ "میں پچھلی رات سے اس کے پیچھے ہوں اور یہ غالباً ان کاغذات کے لئے ہماری نگرانی کرتا رہا ہے، جو ہمارے پاس پہنچ چکے ہیں۔ رات میں نے ا کوٹھری کی تلاشی لی تھی جس میں اس کا سامان رکھا ہوا ہے۔ مجھے ناکامی نہیں ہوئی۔ وہاں سے نے دو تین ایسے ہی اوراق اور بھی برآمد کئے ہیں۔ یہ بھی پنسل ہی سے لکھے گئے ہیں اور طرز تح میں اُن کاغذات سے مختلف نہیں ہیں، جو ہمارے پاس موجود ہیں۔ ہاں تو حمید صاحب! میرا خ ہے کہ جس گروہ کے لوگ پیغام رسانی کے لئے ایسے طریقے اختیار کرتے ہوں انہیں اس کے متعلق کیا معلوم ہوگا، جو ان پر حکومت کرتا ہے، لہٰذا یہ آدمی اس تک ہماری رہنمائی نہ کر گا۔ پھر کیوں نہ میں اسے اپنے کام میں لاؤں۔"

"کیا مطلب....!"

"مطلب ابھی نہ پوچھو۔ فی الحال اس پر کسی بوڑھے آدمی کا میک اپ کر دو۔ یہ ابھی ہوش ہے۔"

"مگر اس کے سر کے بال سیاہ ہیں۔"

"آنکھیں کھول کر دیکھو۔ یہ بال قطعی مصنوعی ہیں۔ یہ بھی نگار تھیٹر کے آرٹسٹوں میں

ہے۔ سر کے بال میک اپ ہی کے لئے عموماً صاف ہی رکھتا ہے۔"

"مگر انکل آپ یہ کیوں کر رہے ہیں۔" نیلم نے پوچھا۔ لیکن فریدی خاموش ہی رہا۔

اسے مارو

لوسی ہیری کے قمار خانے میں خاموش بیٹھی تھی۔ آج اس نے جوا نہیں کھیلا تھا۔ بس تفریحاً ادھر آنکلی تھی۔ وہ شاید ادھر کا رخ بھی نہ کرتی مگر اس کے پُر اسرار سیکریٹری نے گفتگو کے دوران میں کہیں یہ کہہ دیا تھا کہ وہ آج رات کا کچھ حصہ ہیری کے قمار خانے میں بھی گزار دے گا۔ لہٰذا لوسی کے ادھر آنکلنے کی محرک دراصل یہی چیز ہوئی تھی۔ وہ اس کے متعلق سوچتی اور دریائے حیرت میں غوطے کھاتی رہ جاتی۔ اُسے اپنی خواب گاہ کا مینٹل پیس یاد آرہا تھا جسے وہ عرصہ سے دیکھتی آئی تھی، مگر اس حیرت انگیز بلب کی موجودگی میں بھی وہ اس کے متعلق کچھ بھی نہیں معلوم کر سکی تھی، لیکن اس پُر اسرار نوجوان نے کتنی آسانی سے اس کا ایک نیا راز بھی دریافت کر لیا تھا۔ مگر وہ ٹیلی پرنٹر اور وہ پیغام! مگر وہ پیغام کس کے لئے تھا۔ کیا ڈیڈی کے لئے مگر ڈیڈی تو.... دنیا جانتی ہے کہ وہ کتنے دن پہلے مر چکے ہیں۔ پھر وہ پیغام کیسا۔ وہ سوچتی اور الجھتی رہی۔ پھر اس الجھن سے پیچھا چھڑانے کے لئے ہیری پر تاؤ کھانا شروع کر دیا جو کچھ ہی دیر پہلے اُسے بُرا بھلا کہہ گیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ اگر وہ یہاں جوا کھیلے گی تو وہ اسے اٹھوا کر سڑک پر پھینکوا دے گا۔ وہاں بیٹھنے اور پینے پلانے پر اُسے کوئی اعتراض نہیں تھا۔ لوسی نے اس کے سامنے شراب منگوائی تھی لیکن اس نے اس کے لئے کچھ نہیں کہا تھا۔

لوسی غصے میں تپتی ہی چلی گئی اور اُسے سچ مچ اچھا خاصہ نشہ ہو گیا اور پھر جب سیکریٹری سے ملاقات ہوئی تو وہ نشے ہی میں تھی۔ اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُسے دیکھا اور پلکیں جھکا کر مسکرائی۔ سیکریٹری اس وقت بھی اسی میک اپ میں تھا جس میں آج صبح اس سے ملاقات ہوئی تھی۔

"تم آگئے خان بہادر۔" وہ جھومتی ہوئی بولی۔

"مادام پلیز.... بھلا میں ان مونچھوں میں خان بہادر کیسے معلوم ہوتا ہوں۔"

"معلوم ہوتے ہو.... بیٹھ جاؤ اور میری بات سنو۔ اگر تم نے اس پر عمل نہ کیا تو میں تمہیں

ڈس.... مس کردوں گی.... بالکل ڈس مس....!"

"کچھ کہہ کر بھی تو دیکھئے مادام.... مگر معاف کیجئے گا آپ اس وقت نشے میں ہیں۔"

"میں ہر وقت نشے میں رہتی ہوں، اس لئے معاف نہیں کروں گی۔ مارو آج ہیری کو، ما وہ اُلو کا پٹھا میری توہین کرتا ہے۔"

"آپ اُسے کسی لفافے میں بند کر کے میرے حوالے کر دیجئے۔ میں گھر لے جا کر اس گھونٹ دوں گا۔"

"بزدل.... بکری کے بچے.... تم.... ڈس مس.... گٹ آؤٹ۔"

"اچھا سنئے.... میں ایک پھٹا پرانا جوتا ڈھونڈ لاؤں اور اسی طرح چھپ کر کہیں سے ا پھینک ماروں جیسے انڈے۔"

"انڈے کی ایسی کی تیسی.... جوتے کی ایسی کی تیسی۔ تم سب کے سامنے اسے للکار کر مارو

سیکریٹری نے ایک طویل سانس لی اور پھر بولا۔ "اچھا.... ٹھہریئے.... میں ایک مرتبا انتظام کرلوں۔"

"کیوں مرتبان کیا کرو گے۔"

"جب اس کے آدمی میری چٹنی بنا دیں تو آپ نہایت احتیاط سے اسے مرتبان میں رکھ گا۔ آئندہ کبھی کام آئے۔"

"اُو.... بزدل....!" لوسی دانت پیس کر بولی۔

"ٹھہریئے.... دیکھئے.... اُسے کیا ہو گیا ہے۔"

"کسے....!"

"ہیری کو....!"

ہیری اپنے آفس سے نکل کر ہال میں آیا تھا اور آفس کے دروازے کے قریب ہی چاروں طرف گھورتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ویسے اس کے چہرے پر پریشانی کے صاف پڑھے جا سکتے تھے۔

"جاؤ....!" لوسی دانت پیس کر آہستہ سے بولی۔ "مارو اُسے.... مارو.... ورنہ میں مار بیٹھوں گی۔ یہیں سب کے سامنے اسے ذلیل کرو۔"

"ٹھہریئے.... دیکھئے.... وہ اسی طرف آ رہا ہے۔" سیکریٹری نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

ہیری اُن کی میز کے قریب پہنچ کر رک گیا تھا۔ لوسی نے بھی اُسے محسوس کر لیا۔ وہ سیکریٹری کو گھور رہا تھا۔

"یہ کون ہے بے بی۔" اُس نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"یہ....!" لوسی دانت پیس کر بولی۔ "میرا سیکریٹری ہے۔ میں اس سے کہہ رہی تھی....!"

"جی ہاں جناب.... میں نے عرض کیا۔" سیکریٹری جلدی سے بول پڑا۔ "تشریف رکھئے نا....!"

"او بد تمیز....!" لوسی غرائی۔ "تم خاموش رہو۔ مجھے گفتگو کرنے دو۔"

"یہ بہت زیادہ نشے میں ہیں جناب۔" سیکریٹری پھر بولا۔

"اُلو کے پٹھے.... تم خاموش نہیں رہو گے۔ مارو.... میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو۔ مارو۔"

"بے بی! اس طرح شور مت مچاؤ ورنہ مجبوراً مجھے تم کو گھر بھجوانا پڑے گا۔"

"ارے تمہاری حقیقت کیا ہے۔" لوسی تن کر کھڑی ہو گئی۔ "میں تمہیں اپنے سیکریٹری سے پٹواؤں گی۔ وہ آج تم پر انڈے کی بجائے پھٹا پرانا۔"

"مادام.... مادام.... خدا کے لئے خاموش رہئے۔ آپ اتنے بڑے آدمی کی توہین کر رہی ہیں۔" سیکریٹری تقریباً رو کر بولا۔

"مادام کے بچے مارو اسے۔"

"لے جاؤ! اسے فوراً یہاں سے لے جاؤ۔" ہیری نے سیکریٹری کو جھنجھوڑ کر کہا۔

"میرے سیکریٹری کو کیوں جھنجھوڑتا ہے اُلو کے پٹھے۔" لوسی چیخی۔

دفعتاً ہیری نے الٹا ہاتھ اسکے منہ پر رسید کر دیا اور وہ کرسی سمیت دوسری طرف الٹ گئی۔

"یہ آپ نے کیا کیا۔" سیکریٹری لوسی کی طرف جھپٹتا ہوا بولا۔ اب اُسے بھی غصہ آ گیا تھا۔

لوسی خود ہی اٹھ کر کھڑی ہوئی تھی اور اس کا نشہ ہرن ہو گیا تھا۔

"تم اندھے ہو۔" سیکریٹری غرایا۔ "کیا تمہیں دکھائی نہیں دیتا کہ مادام نشے میں ہیں۔"

"نشے کے بچے اب تم دونوں چپ چاپ کھسک جاؤ، ورنہ یہاں سے زندہ نہ جا سکو گے۔"

"ہیری.... اب میں تمہیں ضرور ماروں گا۔"

"کیا....!" ہیری حلق پھاڑ کر دہاڑا۔

"میں تمہیں ماروں گا.... تم نے مادام کی توہین کی ہے۔"

ہیری اس پر جھپٹ پڑا، لیکن سیکریٹری نے بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹ کر چھلتی لگا د ہیری اچھل کر منہ کے بل دور جا پڑا۔ پھر سیکریٹری نے اسے اٹھنے کا موقع نہیں دیا۔ دوسرے لمحے میں وہ اس کی پشت پر کھڑا تھا۔ دو تین بار وہ اس پر اچھلا اور پھر دروازے کی طرف چھلا لگائی۔ ساتھ ہی اس کے ریوالور سے ایک شعلہ بھی نکلا۔ گولی ہال کے ایک بلب پر پڑی اور تاریک ہو گیا۔

شور و غل کا کیا پوچھنا۔ بالکل ایسا معلوم ہوا جیسے یا تو زمین پھٹ گئی ہو یا آسمان ٹوٹ پڑا اندھیرے میں لوگ ایک دوسرے سے ٹکرا کر چیخ رہے تھے۔

ان غیر متوقع قسم کے ذہنی جھٹکوں کی بناء پر لوسی کا نشہ بالکل ہی زائل ہو چکا تھا۔ اس سوچا اگر ہیری کے آدمیوں نے دروازے بند کر دیئے تو شامت ہی آجائے گی۔ وہ جانتی تھ اس موقع پر ہیری کو کیپٹن کریگ سے اپنی دوستی ہرگز نہ یاد آئے گی۔ وہ اس قسم کا آدمی تھ جھلاہٹ میں اپنے باپ کو بھی قتل کر سکتا تھا۔

"اے.... وہ کتیا لوسی یہیں ہے۔" اس نے اندھیرے میں ہیری کی غراہٹ سنی اور ٹھنڈا پسینہ اس کے جسم سے پھوٹ نکلا۔ لیکن اس موقع پر بھی اُس نے حاضر دماغی ہی کا ث دیا۔ اُسے یاد آیا کہ بائیں جانب سرے پر دیوار سے لگا ہوا عمارت کا عقبی پھاٹک ہے، جسے لو سلاخوں کے جال سے مسدود کر دیا گیا ہے لیکن جال زمین سے تقریباً نو یا دس انچ اونچا ہے۔

وہ بہت تیزی سے دیوار تک پہنچی اور اسی کے سہارے آگے بڑھتی رہی۔ اس بھگدڑ میں تک کہیں ٹارچ کی روشنی بھی نہیں نظر آئی تھی۔

وہ سلاخوں والے پھاٹک تک پہنچ گئی اور پھر اُسے زمین پر لیٹ کر اس کے نیچے سے نکلنے کوئی دشواری نہیں پیش آئی۔

گلی بھی تاریک پڑی تھی لیکن اس نے سڑک کا رخ کرنے کی بجائے گلیوں ہی مناسب سمجھا۔ اُسے خود پر غصہ آرہا تھا۔ آخر اس نے وہاں اتنی زیادہ پی کیوں تھی۔ اگر پی ذہن کو قابو میں رکھتی۔

اس کے لئے یہ پہلا موقع تھا جب وہ اس طرح بہک گئی تھی۔ اُسے ہیری کا تھپڑ یاد آیا اور وہ آگ ہو گئی۔

کچھ دیر بعد اُس نے محسوس کیا کہ وہ گلیوں کے جال میں الجھتی ہی جا رہی ہے جس گلی میں بھی اس توقع پر مڑتی کہ وہ اسے سڑک تک لے جائیگی اس کا اختتام کسی دوسری گلی پر ہوتا، اسے پھر دائیں یا بائیں مڑنا پڑتا۔ اُسے کبھی شہر کی گلیوں میں بھٹکنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ وہ خائف بھی تھی اور الجھن میں بھی مبتلا ہو گئی تھی۔

مگر اُسے بچ کر نکل آنے پر اتنا اطمینان تھا کہ اس نے اپنے پیچھے قدموں کی آواز بھی نہیں سنی تھی حالانکہ کوئی اس کا تعاقب اُسی وقت سے کر تا رہا تھا جب وہ سلاخوں کے جال کے نیچے سے نکل کر گلی میں آئی تھی۔

اچانک ایک بار اس کا ذہن ان آوازوں کی طرف متوجہ ہو گیا اور پھر اُسے خیال آیا کہ وہ تو قدموں کی آوازیں شاید بہت دیر سے سن رہی ہے۔

غیر ارادی طور پر اس نے مڑ کر دیکھا اور ٹھٹک گئی۔ وہ اتنی بھی دلیر نہیں تھی کہ اس آدمی کو دیکھ کر وہ چونک نہ پڑتی۔ کیونکہ وہ ان گلیوں اور شکستہ مکانات کا باشندہ نہیں معلوم ہوتا تھا اور میونسپلٹی کی لالٹین کی دھندلی روشنی میں بھی اُس کا سیاہ سوٹ صاف نظر آرہا تھا۔

لوسی ٹھٹکی ہی تھی کہ آنے والے کی رفتار کچھ اور تیز ہو گئی اور پھر وہ اس کے قریب آکر رک ہی گیا۔ اُسی نے پیشانی پر جھکا ہوا فلٹ اوپر اٹھایا اور لوسی ایک تحیر زدہ سی آواز کے ساتھ دو چار قدم پیچھے ہٹ گئی۔

یہ کرنل فریدی تھا اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی لیکن آنکھیں چونکہ پھر فلٹ ہیٹ کے گوشے کی چھاؤں میں آگئی تھیں اس لئے لوسی اندازہ نہ کر پائی کہ اس مسکراہٹ کا مقصد کیا تھا۔ وہ مسکراہٹ اس کی بے بسی پر مسرت کا اظہار تھی یا اس مسکراہٹ میں طنز تھا۔ بہر حال کچھ بھی ہو زیادہ دیر تک اس مسئلے پر غور نہیں کیا جا سکتا تھا۔

"چلتی رہئے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ آپ ان گلیوں سے ناواقف ہیں۔"

"جی.... جج.... جی ہاں....!" لوسی ہکلائی۔

"میرے لئے بھی یہ گلیاں نئی ہیں، مگر میرا خیال ہے کہ اگر ہم بائیں جانب والی گلی میں چلتے

رہیں تو شاید سڑک تک پہنچ جائیں۔"

"میں اتفاقاً ادھر سے گذرا تھا۔ آپ کو اس طرح باہر آتے دیکھا تو خواہ مخواہ حقیقت معلو کرنے کو دل چاہا۔"

"میری ذات سے وہاں فساد ہو گیا تھا۔ میں نشے میں تھی۔ میں نے ہیری کو بُرا بھلا کہا، بھی زیادتی پر آمادہ ہو گیا۔ اس لئے میرے سیکریٹری نے اس کی پٹائی کردی۔ وہ تنہا تھا اس لئے اس کے بعد وہاں نہیں رکا۔"

لوسی نے کرنل کو بتایا کہ کس طرح وہ نکل جانے میں کامیاب ہو گیا ہو گا اور کس طرح خو اس نے اپنی جان بچائی تھی۔

"مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔" فریدی نے کہا۔ لیکن لوسی نے اس کے لہجے کے طنزیہ اندا کو سمجھنے میں دیر نہیں لگائی۔

وہ کچھ دور تک خاموشی سے چلتے رہے پھر لوسی بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "آپ میر ڈیڈی کی موت کے متعلق تفتیش کر رہے ہیں۔"

"جی ہاں....!"

"مگر ان کا ہارٹ فیلیور ہوا تھا۔"

"ٹھیک ہے ہارٹ فیلیور کی بہتیری وجوہات ہو سکتی ہیں۔ بہتیرے زہر ایسے ہیں جن ک شناخت ناممکن ہے اور اُن کا ردعمل بھی ہارٹ فیلیور ہی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔"

"ہاں جناب۔ میں جانتی ہوں۔ ڈیڈی کبھی اتنی زیادہ نہیں پیتے تھے کہ شراب کی مقدار دل بُرا اثر ڈال سکے۔"

"میں سام کریگ سے بہت اچھی طرح واقف ہوں۔"

"آپ کیوں نہ جانیں گے۔" لوسی ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

"کیا کریگ نے حال میں کوئی شرکت کا بزنس کیا تھا۔ میں آپ سے یہ سوال دوسری با کر رہا ہوں۔"

"میں ہر بار یہی عرض کروں گی کہ مجھے اس کا علم نہیں ہے۔ وہ مجھ سے کبھی اپنے کاروبار ک متعلق گفتگو نہیں کرتے تھے۔"

"ہوں کیپٹن کریگ ایک اچھا انجینئر بھی تھا.... کیوں؟"

"افسوس کہ وہ بہت کچھ تھے، لیکن انہوں نے مجھے کچھ بھی نہ دیا۔"

"کیوں.... اُس کی وارث تو آپ ہی ہیں۔"

"جی ہاں، مجھے خجالت اور شرمندگی ورثے میں ملی ہے۔"

"خیر چھوڑیئے.... ہاں تو.... ہیری سے بگاڑ پیدا کرنے کا نتیجہ تو جانتی ہی ہوں گی۔"

"میں جانتی ہوں کہ آج کی رات میرے لئے خطرہ سے خالی نہیں ہے۔"

"ایسا بھی کیا۔" فریدی نرم لہجے میں بولا۔ "اب آپ کو تنہا چھوڑنا موت کے منہ میں وڑنے کے مترادف ہوگا۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"مطلب یہ ہے کہ آپ کی حفاظت کا انتظام کیا جائے گا۔ آپ مجھے ایک رپورٹ ہیری کے ف لکھ کر دے دیجئے۔ پھر میں سب کچھ سمجھ لوں گا۔"

لوسی کچھ نہ بولی پھر تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ "میری کار وہیں رہ گئی ہے۔"

"اس کی فکر بھی مت کیجئے۔ وہ بھی آپ تک پہنچ جائے گی۔"

"میں ایک بُرے آدمی کی لڑکی ہوں۔ آخر آپ اتنی مہربانی سے کیوں پیش آرہے ہیں۔"

"بُرے آدمی کی لڑکی ہونا بُرا نہیں ہے، لیکن اگر بُرے آدمی کی لڑکی بھی بُری بننے کی شش کرے تو وہ اس بُرے آدمی سے بھی زیادہ بُری سمجھی جائے گی۔"

"اور میں حقیقتاً بُری بننے کی کوشش کر رہی ہوں۔"

"یہ آپ جانیئے.... مجھے کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ میں اس مسئلہ پر آپ کو کوئی رائے ے سکوں۔"

سب کچھ غائب

لوسی کچھ نہیں بولی۔ اب وہ پھر شراب کی ضرورت محسوس کر رہی تھی، نہ جانے کیوں یڈی سے گفتگو کرتے وقت اُس کی زبان لڑکھڑانے لگتی تھی اور وہ سوچ رہی تھی کہ وہسکی کا ایک

بڑا اگیک اس کمزوری پر قابو پانے میں مدد دے سکتا ہے۔

"ظاہر ہے کہ رپورٹ کے لئے مجھے آپ کے گھر تک چلنا پڑے گا۔"

"جج.... جی ہاں.... مگر آپ اتنی تکلیف کریں گے۔"

"ہاں.... یہ میرے فرائض میں داخل ہے۔"

لوسی پھر خاموش ہو گئی۔ پہلے تو اُسے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے فریدی بات بات پر اس پر طنز کر رہا ہو لیکن پھر اسے اپنی غلط فہمی پر افسوس ہوا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے ذہن میں بیٹھے ہوئے چور ہی نے اُسے یہ سوچنے پر مجبور کیا ہو۔

کچھ دیر بعد وہ ایک سڑک پر پہنچ گئے اور لوسی کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہ اپنی کوٹھی سے زیادہ دور نہیں ہے۔

"ہاں.... آپ نے اپنے کسی سیکریٹری کا تذکرہ کیا تھا۔" فریدی بولا۔ "وہ کہاں ہے۔"

"پتہ نہیں.... میں نہیں کہہ سکتی کہ وہ نکل گیا یا وہیں پھنس گیا۔"

"یقیناً بڑے دل گردے کا آدمی ہوگا۔" فریدی نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ ہیری کے قمار خانے میں کسی قسم کا ہنگامہ برپا کرنا آسان کام نہیں ہے۔"

"وہ ایک پُر اسرار آدمی ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"وہ عجیب و غریب حالات میں مجھ سے ملا تھا۔" لوسی نے کہا اور سیکریٹری کی داستان چھیڑ دی۔ وہ کس طرح اُس سے ہیری کے قمار خانے ہی میں ملا تھا اور کس طرح اس نے وہاں ہنگامہ برپا کر کے ایک بڑی رقم اڑا لی تھی۔

جب وہ خاموش ہوئی تو فریدی نے کہا۔ "مجھے حیرت ہے کہ آپ نے اُس پر کیسے اعتماد کر لیا۔"

"وہ سارے روپے اب بھی میرے ہی پاس موجود ہیں اور وہ برابر تقاضہ کرتا رہتا ہے کہ بقیہ روپے ہیری کو واپس بھجوا دیئے جائیں۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ اکثر فراڈ قسم کے لوگ اس سے بھی زیادہ بڑی قربانیاں پیش کرتے ہیں۔"

"اب جو کچھ بھی ہو۔ پتہ نہیں کیوں میرے دل نے کہا تھا کہ اس پر اعتماد کر لو۔" وہ کوٹھی

اخل ہوئے۔ نشست کے کمرے میں فریدی کو بٹھا کر لوسی اپنی خواب گاہ میں آئی۔ یہاں ری موجود تھا۔

"اوہ.... تم.... پہنچ گئے.... مگر تمہاری مونچھیں۔"

"وہ وہیں رہ گئیں۔" سیکریٹری نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"مگر یہ کیا گدھا پن ہے۔ تم میری خواب گاہ میں کیوں چلے آتے ہو۔"

"خواب گاہ میں اس لئے آتا ہوں مادام کہ ممکن ہے کوئی نئی چیز ہاتھ آئے، اب دیکھئے نا آپ وہ بلب اور ہندسوں کی پلیٹ ہی دیکھا کرتی تھیں اور میں نے ایک ٹیلی پرنٹر بھی دریافت ہو سکتا ہے کہ اسی طرح میں وہاں بھی جا پہنچوں جہاں سے یہ بلب روشن ہوتا ہے۔"

"مگر کرنل فریدی کا خیال ہے کہ تم فراڈ ہو۔"

"کیا مطلب....!" سیکریٹری یک بیک چونک پڑا۔ "وہ میرے متعلق کیا جانے۔"

"میں نے بتایا تھا۔"

"یہ آپ نے اچھا نہیں کیا مادام۔ خیر اب آپ مجھے فوراً ڈس مس کر دیجئے تاکہ میں آپ اتھ کسی قسم کا فراڈ نہ کر سکوں۔"

"مگر میں نے تو نہیں کہا کہ تم فراڈ ہو۔" لوسی مسکرائی۔

"آپ بھی کہنے لگیں گی۔"

وسی کچھ نہ بولی۔ اُس نے میز پر سے رائٹنگ پیڈ اور فاؤنٹین پن اٹھائے۔

"کرنل فریدی اسٹڈی میں موجود ہے۔" اُس نے کہا۔ "میں اُسے ہیری کے خلاف ایک ط دینے جا رہی ہوں۔"

"یہ اس وقت کہاں سے ٹپک پڑا۔" سیکریٹری بوکھلا کر بولا۔

وسی نے اُسے اس کے متعلق بتاتے ہوئے کہا۔ "میں سوچتی ہوں کیوں نہ اُسے اس بلب اور ٹر کے متعلق بتا دوں۔"

"آپ مجھ سے زیادہ عقلمند ہیں۔" سیکریٹری نے اپنے شانوں کو جنبش دے کر لاپروائی سے جیسا آپ کا دل چاہے۔"

"تم بھی چلو.... میں تمہیں اس سے ملاؤں گی۔ اتنا شریف آدمی آج تک میری نظروں

سے نہیں نہیں گذرا۔"

"میں قطعی نہیں ملنا چاہتا۔ روز ایسے سینکڑوں شریف آدمی میری نظروں سے گذرتے رہتے ہیں۔"

"تب تو میں یہی سمجھوں گی کہ تم سچ مچ فراڈ ہو۔"

"مجھے فوراً ڈس مس کیجئے.... میں جا رہا ہوں۔"

"ڈس مس کے بغیر بھی تم جا سکتے ہو۔" لوسی نے غصیلے لہجے میں کہا اور پیر پٹختی ہوئی خواب گاہ سے نکل آئی۔

خواب گاہ میں جاتے وقت وہ ایک ملازم سے کہتی گئی تھی کہ اسٹڈی میں وہسکی اور سوڈا پہنچا دیئے جائیں۔ اسٹڈی میں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ بوتل اور گلاس جوں کے توں رکھے ہوئے ہیں۔

"ارے آپ یونہی بیٹھے ہوئے ہیں، جناب!" لوسی نے حیرت سے کہا۔ "یہ خانہ بے تکلف ہے۔"

"مگر میں شراب نہیں پیتا۔"

"نہیں....!" اس بار لوسی کے لہجے میں حقیقتاً حیرت تھی۔

"جی ہاں.... میں نہیں پیتا۔"

"ارے تفریحاً تو کبھی کبھی پیتے ہی ہوں گے۔"

"کبھی نہیں.... اگر آپ رپورٹ لکھنے میں جلدی کریں تو بہتر ہے۔"

"اوہ.... اچھا.... مگر مجھے معاف کیجئے گا میں شراب کے بغیر ایک سطر بھی نہ لکھ سکوں گی۔"

"آپ پی سکتی ہیں۔"

"شکریہ۔"

لوسی نے گلاس میں وہسکی انڈیلی، سائفن سے سوڈا لیا اور دو تین چسکیاں لینے کے بعد قلم سنبھالتی ہوئی بولی۔

"کیا لکھ دوں۔"

"جو آپ کا دل چاہے اگر میں کہیں ضرورت سمجھوں گا تو آپ کو رائے دے دوں گا۔"

لوسی لکھنے بیٹھ گئی۔ فریدی غور سے اس کے چہرے کا اتار چڑھاؤ دیکھ رہا تھا اور لوسی لکھنے لگا

اس کا قلم تیزی سے کاغذ پر چل رہا تھا کبھی کبھی وہ ایک چسکی کے لئے رک بھی جاتی تھی۔

ادیر بعد اس نے رائٹنگ پیڈ فریدی کی طرف بڑھا دیا۔

ریدی اُسے پڑھتا رہا۔ اس کے بعد اس نے رائٹنگ پیڈ اپنے زانوؤں پر رکھتے ہوئے ایک سانس لی اور پھر بولا۔ "کیا یہ حقیقت ہے کہ کوئی گمنام آدمی آپ کو فون پر کوٹھی چھوڑ دینے ہ دیتا رہا ہے۔"

"جی.... جج.... دیکھئے۔" لوسی پھر ہکلائی، لیکن اس بار اس نے پورا گلاس حلق میں انڈیل ے کے طور پر اُسے بُرے بُرے منہ ضرور بنانے پڑے، لیکن تھوڑی دیر بعد وہ محسوس لگی اور کہ اب وہ بے جھجکھو کر فریدی سے گفتگو کر سکے گی۔

"کیا کوئی گمنام آدمی حقیقتاً آپ کو دھمکیاں دیتا رہا ہے۔"

"جی ہاں....!"

"لیکن آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا تھا۔"

"میں بھول گئی تھی۔"

"کیا آپ کو شبہ ہے کہ وہ گمنام آدمی ہیری ہی ہوگا۔"

"قطعی نہیں.... ہیری کو کیا پڑی ہے۔ یہ تو میں نے اپنی رپورٹ میں زور پیدا کرنے کے ے دیا ہے۔"

"ہیری سے کریگ کے کیسے تعلقات تھے۔"

"میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتی۔ ویسے ہیری کہتا ہے کہ ڈیڈی اس کے دوست تھے۔"

"اسی لئے وہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ آپ اس کے قمار خانے میں جائیں۔"

"جی ہاں۔"

"کبھی ان دونوں نے شرکت میں کوئی بزنس کیا تھا۔"

"میں پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ ڈیڈی مجھ سے اپنے بزنس کی باتیں نہیں کرتے تھے۔"

"اچھی بات ہے، میں دیکھوں گا لیکن.... آخر کوئی آپ سے عمارت کیوں خالی کرانا چاہتا ہے۔"

"م.... میں.... نہیں سمجھ سکتی۔" وہ پھر ہکلانے لگی اور اس نے دوسرا گلاس لبریز کیا۔

فریدی غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"آپ کچھ چھپانے کی کوشش کر رہی ہیں۔" اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ لوسی دوسرا گلاس خالی کر چکی تھی۔

"نہیں تو..... میں کچھ بھی نہیں چھپا رہی ہوں۔"

"اچھا کیا.... آپ مجھے اس عمارت کو دیکھنے کی اجازت دیں گی۔"

"کیوں؟"

"بس یونہی..... ممکن ہے کہ اس سے پہلے ہی آپ کے والدین کی موت پر کچھ پڑ سکے۔"

"میں آپ کو اس کی اجازت نہیں دے سکتی۔" لوسی نے کہا۔ "اُسے یاد آگیا تھا کہ سیکر شروع ہی سے اس کی مخالفت کرتا رہا ہے۔ اگر سیکریٹری کا خیال نہ ہوتا تو وہ فریدی کو اجازت دے دیتی۔"

"دیکھئے اس کی ایک دوسری صورت بھی ہے کہ میں عدالت سے تلاشی کا وارنٹ ہ کرلوں۔"

"آپ یہ کریں گے۔"

"مجبوراً.... ورنہ میں خواہ مخواہ دوسروں کو پریشان کرنے کا عادی نہیں ہوں۔"

"میں نے آپ سے کب کہا تھا کہ میری مدد کیجئے۔"

"میں افراد کی نہیں بلکہ قانون کی مدد کرنے کے لئے اس عہدے پر فائز کیا گیا ہوں۔"

"قانون کو میری کوٹھی سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔"

"وہی جو کسی نامعلوم آدمی کو ہو سکتی ہے۔"

"کسی نے بھی مجھے دھمکی نہیں دی تھی۔ میں اس وقت نشے میں ہوں۔"

"آپ نشے میں ہرگز نہیں ہیں۔ آپ کو نشے کے معاملے میں خود پر قابو حاصل ہے۔"

"کچھ بھی ہو.... میں آپ کو کوٹھی کی تلاشی ہرگز نہیں لینے دوں گی۔"

"خیر ٹالئے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور قدرے توقف کے ساتھ بولا۔ "چلئے فون کر کے یہاں کے لئے کم از کم تین مسلح کانسٹیبل کو بلوا ہی لوں۔"

"شکریہ۔"

فون وہیں اسٹڈی میں تھا۔ فریدی نے کوتوالی کے نمبر ڈائیل کئے اور فوری طور پر تین مسلح ٹیبل طلب کر لئے۔ پھر وہ اس وقت تک وہیں بیٹھا رہا۔ جب تک کہ تین مسلح کانسٹیبل وہاں ں پہنچ گئے۔ اس کے بعد وہ بڑے شریفانہ انداز میں رخصت ہو گیا۔

لوسی اپنی خوابگاہ میں واپس آئی ہی تھی کہ اس کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکلی۔ نکہ سامنے والی دیوار سے مینٹل پیس غائب تھا اور دیوار بالکل سپاٹ پڑی تھی وہ بوکھلا کر چاروں ف دیکھنے لگی۔ شاید اسے شبہ ہوا تھا کہ وہ کسی دوسرے کمرے میں آگئی ہے مگر وہ سو فیصدی وہی ہ تھا جس کے مینٹل پیس کے ایک گوشے پر سرخ رنگ کا بلب نظر آیا کرتا تھا۔ مگر مینٹل پیس؟ ا کہاں؟ اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ وہ کانپتے ہوئے قدموں سے آگے بڑھی اور دیوار ہائزہ لینے لگی۔ کہیں ہلکا سا نشان بھی نہیں دکھائی دیا جیسے اس دیوار پر کبھی مینٹل پیس رہا ہی نہ ۔ وہ کچھ ایسے خوفزدہ انداز میں کمرے سے نکل کر بھاگی جیسے سچ مچ وہاں کوئی بھوت نظر آگیا ہو۔

حیرت

وہ اسی طرح دوڑتی ہوئی زینوں تک آئی مگر پھر رک گئی۔ اس کا چہرہ پسینے کی ننھی ننھی بوندوں ، ڈھکا ہوا تھا اور سانس نتھنوں سے اس طرح خارج ہو رہی تھی، جیسے نتھنے معمول سے کچھ ٹے ہو گئے ہوں۔ دل کی دھڑکن سر میں ٹھوکریں مار رہی تھی۔ اس نے اپنے خشک ہوئے حلق ، نیچے تھوک اتارنا چاہا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔

پھر آہستہ آہستہ وہ خود پر قابو پاتی گئی۔ رومال سے چہرے کا پسینہ خشک کیا۔ بلاؤز سے سگریٹ یکٹ نکال کر ایک سگریٹ سلگایا اور جہاں تھی وہیں کھڑی رہی۔

اُسے فریدی کا جملہ یاد آیا۔ اس نے کہا تھا کہ سام کریگ ایک اچھا انجینئر بھی تھا تو کیا یہ ممکن کتا ہے کہ ڈیڈی نے اس عمارت پر اپنی مہارت صرف کی ہو۔ مگر کیوں؟ مقصد؟ لیکن آج سے پہلے اُسے اس بات کا علم نہیں تھا کہ ڈیڈی انجینئر بھی تھے، آخر اس عمارت سے کون سا راز وابستہ ہے۔ ڈیڈی اس دنیا میں نہیں ہیں، لیکن خوابگاہ کی دیوار میں پوشیدہ ٹیلی پرنٹر پر اب بھی پیغامات صول ہوتے ہیں۔ یہ بھی ناممکن ہے کہ وہ پیغامات ڈیڈی کے لئے نہ ہوں، مگر کیا پیغام بھیجنے

والے کو ان کی موت کا علم نہیں ہے، مگر یہ کیسے ممکن ہے۔ ڈیڈی تو بہت مشہور آدمی تھے۔ ان کی موت کی خبر سارے ملک کے اخبارات میں شائع ہوئی تھی.... لہٰذا وہ پیغام یا تو کسی دوسرے ملک سے موصول ہوا تھا.... یا پھر.... لیکن اس کے علاوہ اور کوئی خاص بات نہیں ہو سکتی۔ یقیناً پیغام کسی دوسرے ملک سے آیا تھا مگر اس کا مطلب کیا تھا۔ پیغام یہی تو تھا کہ تشویش غلط تھی؟ کس چیز میں سر مو فرق نہیں ہے۔ تین ہزار دو سو عدد کون سی بلائیں ہیں، جو نکالی گئی ہیں۔

لوسی سوچتی رہی اور سگریٹ کے کش پر کش لیتی رہی۔ وہ خیالات میں اس طرح کھوئی ہوئی تھی کہ اسی جگہ جم کر رہ گئی۔ دفعتاً اس نے خواب گاہ کے دروازے پر سے ہلکے دھوئیں کے مرغولے سے نکلتے دیکھے۔ ایک بار پھر اس کا دل بہت زور سے دھڑکا مگر پھر اس طرح ساکت ہو گیا جیسے ڈوبتے کو کنارہ مل گیا ہو کیونکہ خواب گاہ سے سیکریٹری برآمد ہوا تھا اور اس کے ہونٹوں میں سگریٹ دبا ہوا تھا۔

لوسی اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر اُسے گھورنے لگی۔

"اوہ.... مادام....!" وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔

"تم کہاں تھے!" لوسی نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"پچھلی کھڑکی سے نیچے گیا تھا۔"

"مجھے آمد و رفت کا یہ طریقہ بالکل پسند نہیں ہے۔"

آپ دیکھ رہی ہیں محترمہ کہ میں اپنی مونچھیں ہیری کے قمار خانے میں چھوڑ آیا ہوں، لہٰذا مجھے نوکروں سے چھپ کر یہاں آنا پڑا تھا۔ میں اپنی اصلی شکل میں اب آپ کے علاوہ اور کسی کے سامنے نہیں آنا چاہتا۔

لوسی چند لمحے اُسے گھورتی رہی پھر بولی "چلو.... کمرے میں.... واپس چلو۔"

"چلئے مادام....!" وہ مؤدبانہ انداز میں ایک طرف ہٹ کر اُسے راستہ دیتا ہوا بولا۔

لوسی آگے بڑھی اور وہ اس کے پیچھے کمرے میں داخل ہوا۔

لوسی تیر کی طرح مینٹل پیس کی طرف گئی۔ مینٹل پیس دیوار ہی پر موجود تھا۔ وہ سیکریٹری کی طرف مڑی۔

"تم جھوٹے ہو۔" اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"میں اپنے لئے یہ جملہ پہلی بار سن رہا ہوں۔"

"اگر تم نے ذرہ برابر بھی جھوٹ بولا تو بُری طرح خبر لوں گی۔ بتاؤ تم کہاں تھے۔"

"میں نیچے تھا محترمہ....!"

"جب تم نیچے گئے تھے تو یہ مینٹل پیس کہاں تھا۔"

"کیا....؟" سیکریٹری آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "مینٹل پیس کہاں تھا۔" وہ اُسے اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے لوسی کا دماغ چل گیا ہو۔

"ہاں مینٹل پیس، میں ابھی کچھ دیر پہلے یہاں آئی تھی تو یہ موجود نہیں تھا۔"

"آپ کو یقین ہے کہ آپ نے اچھی طرح دیکھا تھا۔"

"مجھے یقین ہے۔"

"تب تو محترمہ مجھے فوراً ڈس مس کر دیجئے۔ میں اب اس عمارت میں قدم نہیں رکھوں گا۔ وہ کس جنجال میں پھنس گیا۔ نہیں مجھ سے آپ کی ملازمت نہیں ہو سکے گی۔"

"تم فراڈ ہو۔"

"یہ آپ پہلے بھی کہہ چکی ہیں۔"

"تم وہی آدمی ہو جو مجھے اکثر فون پر کوٹھی خالی کر دینے کا مشورہ دیتا رہا ہے۔"

"یہ دوسری ہوئی.... میں تو بے موت مر گیا محترمہ۔"

"بتاؤ.... تم کون ہو۔"

"میں آپ کا پرائیویٹ سیکریٹری ہوں محترمہ۔"

"میں تمہیں ابھی پولیس کے سپرد کئے دیتی ہوں۔"

"لیکن اس سے پہلے آپ کو مجھے ڈس مس کرنا پڑے گا اور جب میں آپ کا ملازم نہ رہوں گا تو پھر مجھے آپ کا گلا گھونٹ دینے سے کون روک سکے گا۔"

"میرا وقت برباد نہ کرو۔" لوسی نے خشک لہجے میں کہا۔ "میں تمہیں صرف پانچ منٹ دیتی ہوں، نیچے تین مسلح کانسٹیبل موجود ہیں جنہیں کرنل فریدی میری حفاظت کے لئے چھوڑ کر گیا ہے۔"

"میں یقین نہیں کر سکتا۔"

"ٹھہرو.... میں انہیں یہیں بلوائے لیتی ہوں۔" لوسی نے گھنٹی کے بٹن کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"میری بھی تو سنیئے۔" سیکریٹری اس کے اور میز کے درمیان آتا ہوا بولا۔ "آپ نے اچھا نہیں کیا، جو کانسٹیبلوں کو یہاں بلوایا ہے.... آپ پچھتائیں گی۔"

"تمہاری بلا سے۔ ہٹو ایک طرف۔" لوسی نے جھلا کر کہا لیکن سیکریٹری جہاں تھا وہیں رہا۔ اس طرح اس نے اُسے گھنٹی کا بٹن دبانے سے روک دیا۔

"آپ کا موڈ بہت زیادہ خراب معلوم ہوتا ہے کیا میں آپ کے لئے وہسکی انڈیلوں۔"

"نہیں.... بس تم سامنے سے ہٹ جاؤ۔ میں کانسٹیبل کو یہاں بلانا چاہتی ہوں۔"

"ضرور بلایئے۔" سیکریٹری نے لاپروائی سے کہا اور ایک طرف ہٹ گیا۔ مگر لوسی کا ہاتھ اس کے باوجود بھی گھنٹی کے بٹن تک نہ پہنچ سکا۔

"چلئے! دبایئے نا بٹن۔ میں اب آپ سے رحم کی بھیک نہ مانگوں گا۔"

لوسی نے ہاتھ کھینچ لیا۔

"ہاں.... بولئے.... پھر آپ کیا کہتی ہیں۔ مجھے ڈس مس کریں گی یا نہیں۔"

"نہیں...!" لوسی کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ "جہنم میں جاؤ۔"

"حقیقتاً وہ جہنم ہی تھا.... کتنی گرمی تھی۔ میرے خدا۔"

"کہاں....!"

"جہنم میں.... اور جہنم اسی کمرے کے نیچے ہے میں نیچے گیا تھا محترمہ.... یقین کیجئے۔"

سیکریٹری مسکرا رہا تھا۔

"کیا مطلب....!"

"اس کمرے کے نیچے.... کیا آپ میرے ساتھ چلیں گی۔"

"بکواس مت کرو.... ٹھیک ٹھیک بتاؤ کیا کر رہے ہو۔"

"آپ اُدھر منہ کر کے کھڑی ہو جایئے۔" سیکریٹری نے سنجیدگی سے کہا۔

"یہ مینٹل پیس ابھی پل بھر میں غائب ہو جائے گا۔"

لوسی غیر ارادی طور پر دوسری طرف مڑ گئی، ساتھ ہی اس نے ایک ہلکا سا کھٹاکا سنا۔

"دیکھئے.... ادھر دیکھئے....!" سیکریٹری نے کہا۔

لوسی مضطربانہ انداز میں مڑی۔ مینٹل پیس سچ مچ غائب تھا۔

"اور اب اپنی مسہری کے نیچے جھانکئے۔"

مسہری کے نیچے تقریباً چار فٹ لمبی اور تین فٹ چوڑی خلاء فرش پر نظر آنے لگی تھی۔ یہ تاریک نہیں تھی بلکہ اس میں ہلکی سی روشنی بھی موجود تھی۔

"اب دیکھئے میں نیچے جا رہا ہوں۔ آپ کا دل چاہے تو آپ بھی آیئے۔ بڑی صاف ستھری جگہ ہے۔ مگر گرمی خدا کی پناہ...." سیکریٹری نے کہا اور مسہری کے نیچے رینگ گیا۔ لوسی دروازے کی طرف جھپٹی۔ دروازہ بند کرنے کے بعد اس نے عقبی کھڑکی بھی بند کی اور مسہری کے نیچے رینگ گئی۔

خلاء اب اچھی طرح روشن ہو گئی تھی اور لوسی کو زینے صاف نظر آ رہے تھے، جو نہ معلوم کتنی گہرائی میں چلے گئے تھے۔

"سیکریٹری....!" اس نے آواز دی۔

"آ جایئے.... آ جایئے۔" نیچے سے ایسی ہی آواز آئی جیسے کوئی کنوئیں میں بول رہا ہو۔

لوسی زینوں پر اُتر گئی۔ پھر بائیس سیڑھیاں طے کرنے کے بعد اس کے پیر فرش سے لگے۔ یہ ایک کافی کشادہ تہہ خانے میں تھی اور سیکریٹری اُس کے قریب ہی کھڑا کہہ رہا تھا۔

"کیا میں نے جھوٹ کہا تھا مادام....!"

"مگر تم نے یہ راستہ کیسے بنایا۔"

"یہ اس وقت بتاؤں گا جب آپ مجھے پہلی تنخواہ دیں گی۔"

لوسی کچھ نہ بولی۔ وہ تحیر آمیز نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس تہہ خانے کی دیواریں ہارڈ بورڈ سے بنائی گئی ہوں۔

فرش صاف ستھرا تھا۔ دیواروں پر مکڑیوں کے جالے نہیں تھے اور نہ یہاں ایسی بدبو ہی محسوس ہو رہی تھی جیسے عموماً تہہ خانوں میں گونجا کرتی ہے۔

وسط میں ایک میز پڑی ہوئی تھی اور دو کرسیاں تھیں۔ میز خالی تھی۔

دفعتاً سیکریٹری کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی اور پھر وہ بولا۔ "یہی تو میں کہہ رہا تھا کہ

جہاں برقی لیمپ موجود ہو، وہاں پنکھے کی غیر موجودگی کیا معنی رکھتی ہے۔"

"کیا مطلب.....!"

"یہاں پنکھا بھی موجود ہے۔ وہ دیکھئے دیوار میں ایک گول سا سوراخ نظر آرہا ہے۔ اس اندر پنکھا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس میز پر بڑی اچھی ہوا رہتی ہوگی۔"

سوراخ کا قطر ڈیڑھ فٹ سے کسی طرح کم نہ رہا ہوگا۔ سیکریٹری نے اس کے قریب پہنچ آخر کار اس کا سوئچ تلاش کر ہی لیا۔

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے پنکھا تیزی سے گردش کرتا ہوا سوراخ سے تقریباً ایک بالشت آگے آگیا۔ حقیقتاً میز پر بہت تیز ہوا تھی۔ لوسی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"بیٹھو.....!" وہ دوسری کرسی کی طرف اشارہ کرکے مسکرائی۔

"شکریہ۔" سیکریٹری بھی بیٹھ گیا۔

"اب بتاؤ کہ میں تمہیں کیا سزا دوں۔"

"کہیں میری شادی کرادیجئے۔" سیکریٹری نے مضمحل آواز میں کہا۔ "اس سے زیادہ بھیانک سزا میرے لئے اور کوئی نہیں ہوسکتی۔"

لوسی ہنسنے لگی۔ وہ اب بھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھے جارہی تھی۔

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ یہ سب کچھ کیا ہے۔" اس نے کہا۔

"میرے خیال سے یہاں تک تو کچھ بھی نہیں ہے۔ مینٹل پیس کے سرخ بلب اور متحرک ہندسوں کا معمہ ابھی تک حل نہیں ہوسکا۔"

"تم مجھے یہی بتاؤ کہ اس دن ٹیلی پرنٹر پر جو پیغام آیا تھا..... اس کا کیا مطلب تھا۔"

"مطلب سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔" سیکریٹری کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "لیکن وہ پیغام تھا کس کے لئے۔ کیا پیغام بھیجنے والے کو کیپٹن کریگ کی اطلاع نہ ملی ہوگی۔"

"میں بھی اسی الجھن میں ہوں۔" لوسی نے کہا۔

"ابھی کچھ دیر پہلے جب آپ اسٹڈی میں گئی تھیں ایک پیغام اور موصول ہوا ہے۔" سیکریٹری نے کہا اور جیب سے ایک چٹ نکال کر اس کی طرف بڑھادی، جس پر تحریر تھا۔ "راستہ صاف ہے، بائیس پونڈ۔"

"میرے خدا یہ سب کیا کرتے رہے ہیں ڈیڈی۔"

"کاش میں اُن سے ملا ہوتا۔" سیکریٹری نے ٹھنڈی سانس لی۔

"مل کر کیا کرتے۔"

"ان کی شادی کرتا۔"

"یعنی تم بھی بُرے آدمی ہوجاتے۔"

"تو میں اچھا کب ہوں۔"

"میں تمہیں بُرا نہیں سمجھتی۔" لوسی نے مسکرا کر کہا اور اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"ارے باپ رے۔" سیکریٹری نے اس طرح اپنا ہاتھ کھینچا جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

"گدھے.....!"

"جی ہاں..... جی ہاں.....!"

"تم پہلے مرد ہو جسے میں پسند کرنے لگی ہوں۔" لوسی آہستہ سے بولی۔

"مجھے شرم آتی ہے۔" سیکریٹری نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "فوراً ڈس مس کیجئے مجھے..... فوراً۔"

"میں تمہیں مار ڈالوں گی۔ میرا مضحکہ نہ اڑاؤ۔" لوسی کو غصہ آگیا۔

"مجھے مار ڈالئے۔ لیکن خدارا پسند نہ کیجئے۔ میرے باپ کو جوانی میں ایک لڑکی نے پسند کیا تھا، لہٰذا وہ زندگی بھر جونک کی طرح اس سے چمٹی رہی۔ باپ نے کنوئیں میں چلانگ لگائی، وہ بھی اسی کے ساتھ کود گئی۔ دونوں نکالے گئے وہ زندہ تھے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج آپ مجھے پسند کررہی ہیں۔ اب پہلی ہی تنخواہ پر مجھے ایک کنواں کھدوانا پڑے گا۔"

"شٹ اپ.....!"

روانگی

"او نیلم کی بچی۔" آخر کار حمید دانت پیس کر دہاڑا۔

"غلط..... بابا کی بچی۔" نیلم نے سر اٹھائے بغیر جواب دیا۔ وہ ان کاغذات میں الجھی ہوئی

ھی، جو اُسے فریدی سے ملے تھے۔ یہ وہی پنسل سے لکھے ہوئے کاغذات تھے جو نگار تھیٹر کے مسخرے کے سامان سے برآمد ہوئے تھے۔ اب نیلم ان پر اپنی ذہنی قوت صرف کر رہی تھی اور حمید کا خیال تھا کہ وہ پاگل ہو جائے گی۔

”او نیلم، تیری شامت آئی ہے کیا۔“

”اب تک ہر قسم کے بابا شامت ہی بن کر نازل ہوئے ہیں مجھ پر.... لہٰذا اس کی کوئی فکر نہیں ہے۔“

”اس ویٹر کا کیا بنا تھا جس کا میک اپ کرنے کے بعد میں نے فوراً ہی یہاں سے اپنا منہ کالا کیا تھا۔“

”اُوہ.... بابا.... ڈیئرسٹ.... میں کیا بتاؤں کہ وہ ہوش میں آنے پر کتنا متحیر ہوا تھا۔ انکل نے اُسے اٹھا کر آئینے کے سامنے کھڑا کر دیا اور وہ اپنی شکل دیکھ کر بھونچکا رہ گیا۔ میں سچ کہتی ہوں ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ گونگا ہو گیا ہو۔ پھر انکل اس کے پہلو میں کھڑے ہو کر بولے، میری داہنی جیب میں پستول ہے اور اس کی نال تمہاری بائیں پسلی سے چبھ رہی ہے۔ تمہیں اسی طرح میرے ساتھ چلنا پڑے گا اگر تم نے ذرہ برابر بھی ادھر اُدھر ہٹنے کی کوشش کی تو میں بے دریغ ٹریگر دبا دوں گا۔ اگر میں تمہیں شارع عام پر بھی گولی مار دوں تو مجھے کوئی ٹوکنے والا نہیں ہو گا۔ ویسے میں نے تم پر یہ احسان کیا ہے کہ تمہارے ہتھکڑیاں لگا کر یہاں سے نہیں لے جا رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ ہتھکڑی لگا کر لے جانا تمہاری موت ہی کا پیغام ثابت ہو گا۔ بس بابا.... وہ چپ چاپ انکل کے ساتھ چلنے لگا تھا۔ مگر انکل نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ وہ اُسے کہاں اور کیوں لے گئے تھے۔“

”میں سمجھ گیا۔“ حمید سر ہلا کر بولا۔

”کیا سمجھ گئے۔“

”دورہ پڑا ہے۔“

”کیسا دورہ۔“

”سال میں کم از کم ایک بار ضرور پڑتا ہے۔“

”بابا.... بتاؤ گے ڈھنگ سے یا میں کوئی اور طریقہ اختیار کروں۔“

”پچھلے سال۔“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”وہ اسی طرح ایک مزدور کو پکڑ لائے تھے۔ پہلے تو مار مار کر اس کا بھرکس نکال دیا۔ پھر زبردستی اُسے غسل دلوا کر ایک بہترین سا سوٹ پہنوایا اور کسی بوڑھے آدمی کا میک اپ کرنے لگے۔ مزدور بیچارہ حیرت کی زیادتی کی وجہ سے پاگل ہوا جا رہا تھا۔ جب اسے ایک بوڑھے کی شکل میں تبدیل کر چکے تو بڑے پیار سے بولے۔ ”بھائی جان“ اور وہ بے چارہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ آپ نے پھر فرمایا خاموش رہو۔ تم میرے بڑے بھائی ہو۔ یاد کرو تم ہمالیہ کی ترائی میں ریچھوں کا شکار کیا کرتے تھے۔ وہ بے چارہ سر پیٹ کر بولا سرکار میرا نام جمن ہے۔ میرے باپ نے بھی کبھی ریچھ کا شکار نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا بکواس بند کرو۔ تم میرے بڑے بھائی ہو اور تمہارا نام انور جمال فریدی ہے۔ وہ پچھاڑیں کھانے لگا اور اپنے مقدر کو کوسنے لگا اور کہنے لگا کہ آج صبح ہی منگل کی ماں کا منہ دیکھا تھا۔ وہ حرافہ ایسی ہی منحوس ہے۔ اس پر آپ نے دو چار چانٹے جھاڑ کر فرمایا گستاخ ہماری بھاوج محترمہ کی توہین کرتا ہے۔ اس پر تو وہ بے چارہ پاگل ہی ہو گیا۔ پہلے تو کچھ دیر تک حلق پھاڑ پھاڑ کر دھاڑتا رہا پھر بے ہوش ہو کر گر پڑا۔“

”تم جھوٹے ہو بابا۔“ نیلم ہنسنے لگی۔ ”انکل کے منہ پر ایسی ہی باتیں کرو تو بتاؤں۔“

”اوہ! تم جھوٹ سمجھتی ہو؟“

”پہلے اپنی خیر مناؤ بابا۔ تم ادھر اُدھر بھاگتے پھر رہے ہو۔ انکل کا خیال ہے کہ وہ اب تمہیں اپنی ماتحتی میں نہیں رکھیں گے، وہ کہہ رہے تھے کہ مجھے محکمے میں جگہ دلوائیں گے۔“

”اچھی بات ہے۔ میں جوانی میں بوڑھی بیٹی کا داغ بھی سہہ لوں گا۔“ حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر اداس لہجے میں کہا۔

”انکل کا خیال ہے کہ تم کام چور، بزدل اور نکمے ہوتے جا رہے ہو۔“

”انکل دی گریٹ کا خیال بالکل درست ہے، اب میں فارورڈنگ اور کلیرنگ کا کاروبار کروں گا۔ تم بھی دیکھو۔ مجھے اس ملازمت سے کیا فائدہ ہوا ہے۔ میرے پاس میری نجی گاڑی بھی نہیں ہے۔“

”مگر انکل تمہیں کس بات سے روکتے ہیں بابا۔ میرا خیال ہے کہ ان کی ساری چیزیں تمہاری ہیں۔“

”ٹھیک ہے لیکن مجھے بور کیوں کرتے ہیں۔“

”وہ کیا بور کرتے ہیں۔“

”کیا یہ بوریت نہیں ہے۔ حمید نے ان کاغذات کی طرف اشارہ کیا جو نیلم کے سامنے میز پر

بکھرے ہوئے تھے۔"

"ان میں کوئی نہ کوئی خاص بات ضرور ہے بابا۔ میرا دل کہتا ہے۔"

"اگر مجھ سے کہے تمہارا دل تو میں اس کے تھپڑ رسید کردوں۔ یہی غنیمت ہے کہ وہ صرف تم سے کہتا ہے۔"

نیلم مسکرا کر پھر کاغذات کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"اچھا سناؤ کیا پڑھ رہی ہو۔" حمید نے کہا۔

"سنو.... میں بہت اداس ہوں۔ بہت اداس ہوں۔ صبح سے ہوا میں بھاری پن سا محسوس ہو رہا ہے۔ یہ اداسی میرے رگ و پے میں سرایت کرتی جا رہی ہے۔ پتہ نہیں یہ موسم کا اثر ہے یا رات والے واقعات کی پرچھائیاں۔ میری روح پر پڑ رہی ہیں۔ رات اس نے میرا دل توڑ دیا۔ کتنی بڑی بات تھی۔ اس کا کیا بگڑتا اگر میری اتنی سی بات مان لیتی۔"

"بس بس! بند کرو۔" حمید غصیلی آواز میں بولا۔ "اسی لئے تم ان کاغذات میں کھوئی رہتی ہو۔ لعنت ہے تم پر۔ ارے اس بکواس میں کیا رکھا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ عشقیہ تحریریں انسان کے کس جذبے کی تسکین کرتی ہیں۔ مجھے تو ہمیشہ ان پر غصہ آتا ہے۔"

وہ ابھی کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا لیکن ٹھیک اُسی وقت فریدی کمرے میں داخل ہوا۔ اُس کے جسم پر شب خوابی کا لباس تھا مگر اس کی آنکھوں سے یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ سو کر اٹھا ہے۔

"نیلم! رپورٹ....؟" اس نے نیلم کی طرف دیکھ کر کہا۔ حمید کی جانب توجہ تک نہ دی۔

"یس انکل پلیز، پچھلی رات میں نے ان کا تعاقب سام کریگ کے مکان تک کیا تھا، مکان کی پشت پر مغرب کی جانب ایک چھوٹی سی عمارت اور بھی ہے لیکن اس کے گرد کافی اونچی گھنی جھاڑیاں ہیں اور بادی النظر میں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ کوئی عمارت ہوگی کیونکہ اس کی چھت ان جھاڑیوں سے بھی نیچی ہے، لیکن وہ ایک چھوٹی سی عمارت ہے جس کا رقبہ کم از کم اسی مربع گز ضرور ہوگا۔ بہر حال وہ لوگ اسی عمارت میں گئے تھے۔ میرا دل تو چاہ رہا تھا کہ میں اندر جا کر دیکھوں، لیکن آپ کی ہدایات کے مطابق مجھے خود کو قابو میں رکھنا پڑا۔"

"ان کی تعداد کیا تھی۔"

"آٹھ تھے، جب کار میں بیٹھے تھے تو ان کے چہرے پر نقابیں نہیں تھیں لیکن جب وہ اُس

عمارت میں داخل ہونے لگے تھے تو ان کے چہروں پر نقابیں نظر آئی تھیں۔"

"اندھیرے میں تم نے نقابیں کیسے دیکھ لی تھیں۔"

"اس عمارت کی کھڑکیوں سے روشنی باہر آ رہی تھی۔"

"عمارت میں روشنی پہلے ہی سے تھی؟" فریدی نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ پہلے ہی سے تھی اور وہاں کوئی موجود تھا۔"

"ہیری تھا اُن میں۔"

"جی ہاں۔"

"تم کب تک وہاں ٹھہری تھیں۔"

"ان کے واپس آتے ہی میں نے پھر تعاقب شروع کر دیا تھا اور قمار خانے تک آئی تھی۔"

"وہ کتنی دیر اندر رہے تھے۔"

"ڈیڑھ گھنٹے تک۔"

"واپسی پر اُن کی تعداد کیا تھی۔"

"وہی آٹھ۔"

"ان میں سے کوئی رہائشی عمارت کی طرف بھی گیا تھا۔"

"جی نہیں.... کوئی بھی نہیں۔"

"تمہیں یقین ہے۔"

"جی ہاں، مجھے یقین ہے۔ میں ایسی جگہ پر کھڑی تھی، جہاں سے ایک بلی پر بھی نظر رکھ سکتی تھی۔"

"گڈ.... نیلم تم بہت اچھی جا رہی ہو۔ مگر اس عمارت کے متعلق تم نے اور کیا معلوم کیا۔"

"اور تو کچھ بھی نہیں۔"

"وہ عمارت سام کریگ نے کرائے پر دے رکھی تھی۔ تم نے دراصل اس عمارت کے پچھلے حصے کو دیکھا ہے۔ وہ یقیناً اونچی جھاڑیوں میں چھپا ہوا ہے۔ لیکن یہ مت سمجھنا کہ وہ جھاڑیاں اس عمارت کو چھپانے ہی کے لئے لگائی گئی ہوں گی۔"

"پھر....؟"

"سنو.... تمہیں چاہئے تھا کہ آج جا کر اس عمارت کے متعلق معلومات حاصل کرتیں۔ کیا

اس چیز نے بھی تمہارے جذبہ تجسس کو نہیں ابھارا کہ ان لوگوں نے عمارت میں داخل ہونے سے پہلے اپنے چہرے نقابوں میں چھپالئے تھے۔"

"مجھے اس عمارت کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی فکر تھی مگر چونکہ آپ نے اس کے متعلق کوئی ہدایت نہیں دی تھی اس لئے....!"

"اوہ.... اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ بہر حال آئندہ خیال رکھنا تم میں خود مختاری بھی ہونی چاہئے۔ اس کے بغیر تم اس فن سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکو گی۔"

"بہت بہتر.... میں آئندہ خیال رکھوں گی۔"

"اس عمارت کا صدر دروازہ سڑک کی طرف ہے اور ایک سائن بورڈ موجود ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مرمت طلب موٹر سائیکلوں کا کارخانہ ہے۔"

"اوہ.... لیکن وہاں چند ایسے لوگ جو نقاب پوش تھے عقبی دروازے سے داخل ہوتے ہیں۔"

"ہاں.... بس آج رات کو آخری کھیل ہوگا بے بی۔ تیار رہنا۔" فریدی نے کہا اور حمید کی طرف دیکھے بغیر کمرے سے چلا گیا۔

"کیوں بابا.... انکل تم سے ناراض ہیں۔"

"ہاں.... ناراض ہی ہوں گے تو میں ان کا کیا بگاڑ لوں گا۔ تم اس کی فکر میں نہ پڑو بے بی۔ میرا خیال ہے.... میرا خیال ہے.... خیر ہٹاؤ۔"

"کہو.... کہو.... کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"کچھ بھی نہیں! میں یہ کہہ رہا ہوں کہ آخری کھیل واقعی دلچسپ ہوگا۔"

"کیا مطلب....!" نیلم اُسے گھورتی ہوئی بولی۔

"آخری کھیل مطلب یہ ہے کہ دو چار لاشیں ضرور گریں گی اور فادر ہارڈاسٹون کی پیاس بجھ جائے گی۔ یہ حضرت مجھے نظر انداز کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، خیر....!"

"بابا.... تم غصے میں معلوم ہوتے ہو۔"

"یہی تو مصیبت ہے کہ مجھے غصہ نہیں آتا ورنہ اپنے پیٹ میں چھرا مار کر آنتیں باہر نکال لوں۔"

نیلم ہنسنے لگی اور کچھ دیر بعد حمید پھر باہر نکل گیا۔

نیلم شام تک ان کاغذات میں سر کھپاتی رہی لیکن کچھ بھی پلے نہ پڑا۔ لیکن وہ فریدی پر اندھا

دھند اعتقاد رکھتی تھی، اس لئے یہ نہ سوچ سکی کہ وہ تحریریں کوئی پوشیدہ مفہوم نہیں رکھتیں۔

تقریباً نو بجے رات کو فریدی نے اپنے کمرے سے فون پر اُسے مخاطب کیا۔

"کیوں بے بی تم کتنی دیر میں تیار ہو جاؤ گی۔"

"بہت جلد انکل، مجھے کیا کرنا ہوگا۔"

"ایسے لباس میں چلو، جو تمہیں تیز دوڑنے سے باز نہ رکھ سکے۔"

"اوہ....!"

"ہاں.... یہ مہم تمہاری پسند کے مطابق ہوگی۔"

"اور بابا....!"

"وہ ہے کہاں۔"

"پتہ نہیں۔"

"پھر اُسے جہنم میں جھونکو۔ وہ آج کل کام کرنے کے موڈ میں نہیں ہے شاید۔ مجھے موڈی آدمی پسند نہیں ہیں۔ لیکن اس کی بعض خوبیاں.... خیر تم جلدی سے تیار ہو جاؤ۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہوگیا اور نیلم لباس تبدیل کرنے لگی۔ اس نے جیکٹ اور پتلون کا انتخاب کیا تھا۔

روانگی کے وقت وہ دو پانچ کا براؤنی پستول رکھنا نہیں بھولی تھی۔ ایک ٹیکسی اُن دونوں کو چیتھم پارک تک لے آئی۔ وہ اُتر کر پارک میں چلے آئے۔ ٹیکسی کا کرایہ ادا کیا جا چکا تھا۔

"کیا ہمیں یہیں تک آنا تھا۔" نیلم نے حیرت سے کہا۔

"نہیں.... یہاں میں ایک پیغام کا انتظار کروں گا۔" فریدی نے جواب دیا۔

وہ ایک ویران گوشے میں پہنچ چکے تھے۔ فریدی نے ایک چھوٹا سا سفری ٹرانسمیٹر نکالا جس کے متعلق وہ اُسے پہلے ہی بتا چکا تھا کہ اس کا دائرہ عمل کم از کم دس میل ہے اور اس میں ٹارچ کی معمولی بیٹریاں استعمال ہوتی ہیں۔

"امر سنگھ.... امر سنگھ۔" اس نے اپنے ایک اسسٹنٹ کا نام لیا اور پھر بولا۔

"تم اس وقت کہاں ہو.... ٹھیک.... اوہ.... کسی کو قتل کر دیا.... تمہیں یقین ہے.... مگر.... تمہیں کیسے معلوم ہوا.... اندازہ.... خیر.... تم جہاں ہو وہیں ٹھہرو۔ میں آرہا

"ہوں.... اُوور۔"

وہ خاموش ہو گیا۔

"کیا قصہ ہے۔" نیلم نے آہستہ سے پوچھا۔

"وہ لوگ اس وقت پھر اُسی عمارت میں داخل ہوئے ہیں۔ امر سنگھ کا بھی خیال ہے کہ وہاں کوئی پہلے ہی سے موجود تھا، جسے شاید انہوں نے قتل کر دیا ہے۔"

"اوہ....!"

"اٹھو! ہمیں جلدی کرنی چاہئے۔"

راستہ

ٹیکسی انہوں نے عمارت سے کافی فاصلے پر چھوڑی تھی اور اب پیدل ہی چل رہے تھے۔ فریدی نے سڑک بھی چھوڑ دی۔ نیلم نے محسوس کیا کہ وہ اسی طرف جا رہا ہے جہاں سے پچھلی رات وہ اُن آٹھوں آدمیوں کی نگرانی کرتی رہی تھی۔

جھاڑیوں کے قریب پہنچ کر وہ رک گئے۔ یک بیک نیلم چونک پڑی اور پھر اُسے ہنسی آ گئی کیونکہ چیل کی سی آواز نکالنے والا فریدی ہی تھا۔ مگر کون کہہ سکتا تھا کہ وہ چیل کی آواز کی نقل تھی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا تھا جیسے کسی چیل نے.... سوتے سوتے چونک کر ہلکی سی آواز نکالی ہو اور پھر فوراً ہی اس کا مقصد بھی ظاہر ہو گیا۔ امر سنگھ اُن کے قریب پہنچ چکا تھا۔

"کیوں....؟" فریدی آہستہ سے بولا۔

"کوئی باہر نہیں نکلا۔"

"کتنے ہیں۔"

"آٹھ....!"

"ہیری....!"

"جی ہاں.... وہ بھی ان میں.... مگر اب کھڑکی کے شیشوں میں روشنی نہیں دکھائی دیتی۔"

"آؤ....!" فریدی نے آہستہ سے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ عمارت سنسان پڑی تھی اور تقریباً

ڈیڑھ یا دو فرلانگ کے فاصلے پر رہائشی عمارت کے قریب رکھوالی کے السیشین بھونک رہے تھے۔

فریدی عقبی کھڑکی تک پہنچ گیا تھا اس نے اس کے شیشوں پر ہاتھ پھیرا۔ اوپری شیشہ ٹوٹا ہوا تھا۔ اس نے اندر ہاتھ ڈال کر بہ آہستگی چٹخنی گرائی اور کھڑکی کے دونوں پٹ کھول دیئے۔

دوسرے ہی لمحے میں وہ اندر تھا۔ پھر نیلم اور امر سنگھ نے بھی یکے بعد دیگرے اس کی تقلید کی۔ اندر جھینگروں کی جھائیں جھائیں کے علاوہ اور کسی قسم کی آواز نہیں تھی۔

فریدی نے محدود روشنی والی ننھی سی ٹارچ روشن کی اور روشنی کا دائرہ سب سے پہلے ایک آدمی پر پڑا جو بے حس و حرکت فرش پر لیٹا ہوا تھا۔

وہ مر چکا تھا۔ زخم خنجر ہی کا تھا۔ آنتیں باہر آ گئی تھیں اور فرش پر خون پھیلا ہوا تھا۔

فریدی کچھ دیر تک لاش کو دیکھتا رہا پھر دوسری جانب متوجہ ہو گیا۔ یہ پوری عمارت صرف دو کمروں پر مشتمل تھی۔ سڑک کی جانب کا کمرہ پچھلے کمرے سے بڑا تھا اور یہاں دو تین ٹوٹی پھوٹی موٹر سائیکلیں موجود تھیں۔ کئی جگہ اوزاروں کے ڈھیر نظر آ رہے تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی قسم کی چیزیں ادھر اُدھر بے ترتیبی سے بکھری پڑی تھیں۔

"میرا دعویٰ ہے جناب۔" امر سنگھ آہستہ سے بولا۔ "ایک پرندہ بھی یہاں سے نکل کر نہیں گیا۔"

"مجھے یقین ہے کہ تم غلط نہیں کہہ رہے ہو۔" فریدی نے کہا۔

اچانک نیلم اچھل کر پیچھے ہٹ گئی ورنہ وہ تینوں موٹر سائیکلیں اسی پر گری ہوتیں۔ لیکن وہ خود بھی نہ سنبھل سکی اور لڑکھڑاتی ہوئی اوزاروں کے ڈھیر پر جا گری۔ گری ہوئی موٹر سائیکلوں کے پیچھے سے ایک نقاب پوش برآمد ہوا تھا، جس کے داہنے ہاتھ میں ریوالور تھا اور بائیں میں ٹارچ۔ ٹارچ کی روشنی فریدی اور امر سنگھ پر پڑ رہی تھی۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو۔" وہ سانپ کی طرح پھپھکارا۔

نیلم کو یہ دیکھ کر بڑا افسوس ہوا کہ فریدی نے اپنے دونوں ہاتھ بے چوں و چرا اٹھا دیئے تھے۔

نیلم اب اوزاروں کے ڈھیر سے کھسک کر دوسری جانب چلی گئی تھی اور شاید نقاب پوش نے بھی اُسے نظر انداز کر دیا تھا۔

نقاب پوش آہستہ آہستہ ٹارچ والا ہاتھ دیوار کی طرف بڑھا رہا تھا۔ نیلم نے نہایت اطمینان

سے اپنا براؤنی نکالا اور نقاب پوش پر فائر کر دیا۔ نقاب پوش کے ہاتھ سے ٹارچ چھوٹ پڑی اور ساتھ ہی نیلم نے فریدی کی آواز سنی جس نے اسی کو مخاطب کر کے کہا تھا۔ "یہ کیا کر رہی ہو.... نہیں۔"

ٹارچ بجھ گئی تھی اور اب نیلم اوزاروں کے بکھرنے اور چیزوں کے ٹوٹنے کی آوازیں سن رہی تھی۔

"امر سنگھ اسے سنبھالو....!" فریدی کی آواز اندھیرے میں گونجی۔

اور اب وہ ٹارچ نیلم کے ہاتھ آگئی تھی جو نقاب پوش کے ہاتھ سے گری تھی۔ دوسرے ہی لمحے میں کمرہ روشن ہو گیا۔

فریدی نے نقاب پوش کو دبوچ رکھا تھا۔ شاید نیلم کا وار خالی گیا تھا اور فریدی کو اسے قابو میں کرنے کے لئے جدوجہد کرنی پڑی تھی۔

امر سنگھ نے نقاب پوش کو کھینچ کر اٹھانا چاہا لیکن وہ اس کی گرفت ڈھیلی ہوتے ہی پھر گر پڑا۔ وہ دراصل بیہوش ہو چکا تھا۔ فریدی نے ٹارچ کی روشنی میں اس کا جائزہ لے کر کہا۔ "میرا خیال صحیح تھا۔ گولی نہیں لگی۔ مگر نیلم اس طرح فائر نہ جھونک مارا کرو۔"

"پھر کیا کرتی.... اگر وہ آپ پر فائر کر دیتا تو۔"

"میں غافل نہیں تھا.... خیر.... ہاں امر تم کھڑکی کے پاس ٹھہرو۔ میرا خیال ہے کہ وہ یہاں تنہا جھک نہیں مار رہا تھا۔"

امر سنگھ کچھ کہے بغیر دوسرے کمرے کی طرف چلا گیا۔

فریدی اب اس دیوار کا جائزہ لے رہا تھا جس کی طرف کچھ دیر پہلے نقاب پوش نے اس انداز میں ہاتھ بڑھایا تھا جیسے کسی چیز کو ٹٹول رہا ہو۔

"آہا....!" وہ بڑبڑایا۔ "یہ تو گھنٹی کا بٹن معلوم ہوتا ہے۔"

"لیکن یہاں کہیں بجلی کے تار نہیں دکھائی دیتے۔" نیلم نے کہا۔

"وائرنگ دیواروں کے اندر ہو گی ورنہ پھر.... یہ؟" فریدی نے چھت کی طرف اشارہ کر کے اُسے بلب دکھاتے ہوئے کہا۔

"تو وہ اسی بٹن کی طرف ہاتھ بڑھا رہا تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ یہی بات ہو گی۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "مگر سوچے سمجھے بغیر اس بٹن

کو آزمانا بھی درست نہ ہو گا۔ اُوہ.... ٹھہرو۔"

وہ بے ہوش نقاب پوش پر جھک پڑا۔ اس کے چہرے سے نقاب اتاری۔ وہ ایک خوش شکل نوجوان تھا۔

"امر کو بلاؤ۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور نیلم دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

امر سنگھ کی مدد سے فریدی نے بے ہوش آدمی کے ہاتھ پیر باندھے اور حلق میں رومال ٹھونس کر ترپالوں کے ڈھیر کے پیچھے ڈال دیا۔

پھر وہ نقاب فریدی کے چہرے پر نظر آنے لگا۔ نقاب ایسی تھی کہ اس کا پورا چہرہ چھپ گیا تھا۔ چونکہ بے ہوش آدمی بھی کالے ہی سوٹ میں تھا اس لئے لباس کا مسئلہ بھی حل ہو گیا تھا۔ فریدی کے جسم پر سیاہ سوٹ ہی تھا۔

نیلم حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ فریدی نے ریوالور کا رخ نیلم اور امر سنگھ کی طرف کرتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ "تم دونوں اپنے ہاتھ اٹھا دو۔"

اُن دونوں نے اپنے ہاتھ اٹھا دیئے، لیکن دونوں ہی کچھ غیر مطمئن سے نظر آ رہے تھے۔

فریدی نے دیوار سے لگے ہوئے بٹن پر انگلی رکھ دی اور وہ اس کے دباؤ سے پیچھے کھسک گیا پھر وہ اسے برابر دباتا ہی گیا اور نیلم سوچتی رہی کہ وقت برباد کیا جا رہا ہے۔

دفعتاً ایک ہلکے سے شور کے ساتھ اسی دیوار میں ایک قد آدم اور تقریباً تین فٹ چوڑی خلاء پیدا ہو گئی۔ اس سے پہلے ہی فریدی نے کمرے کا بلب بھی روشن کر دیا تھا۔

دیوار سے پیدا ہو جانے والی خلاء سے دو آدمی بر آمد ہوئے۔

"یہ کون ہیں؟" اُن میں سے ایک نے نیلم اور امر سنگھ کو گھورتے ہوئے پوچھا اور فریدی پر کھانسیوں کا دورہ پڑ گیا۔ پھر اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "یہ پچھلی کھڑکی سے آئے تھے اور یہاں کچھ تلاش کر رہے تھے۔"

"اوہ.... تم کون ہو دوستو۔" نیلم اور امر سنگھ سے پوچھا گیا۔

لیکن یہ دونوں خاموش ہی رہے۔

ان دونوں نے بھی ریوالور نکال لئے اور ایک نے دیوار کی خلاء کی طرف اشارہ کر کے کہا چلو۔

"چلو....!" فریدی بھی بھرائی ہوئی آواز میں غرا کر کھانسنے لگا۔

یہ دونوں خلاء کی طرف بڑھے اور فریدی ریوالور والوں کو روک کر بولا "ان کی تلاشی لے لو، کہیں ان کے پاس ریوالور نہ ہوں۔"

"ہاں ٹھہرو.....!"

امر سنگھ اور نیلم رک گئے لیکن دوسرے ہی لمحے میں فریدی نے اُن دونوں پر جست لگائی اور سب سے پہلے اُن کے ریوالوروں ہی پر ہاتھ مارے۔ وہ دونوں غافل تھے۔ ریوالور اُن کے ہاتھوں سے نکل کر دور جا گرے۔ یہ سب کچھ اتنی جلدی ہوا کہ ان دونوں کے منہ سے آوازیں بھی نہ نکل سکیں اور پھر اُن کا بھی وہی حشر ہوا جو کچھ دیر پہلے ایک نقاب پوش کا ہو چکا تھا۔

پھر فریدی نے دیوار والی خلاء میں جھانک کر دیکھا اور اس طرح سر کو جنبش دی جیسے وہ مطمئن ہو۔ امر سنگھ نے ان دونوں کو بھی پہلے نقاب پوش کے پاس پہنچا دیا۔

اور اب وہ اس خلاء میں داخل ہوئے، نیچے کافی گہرائی میں زینے چلے گئے تھے۔ لیکن اوپر سے اس کا اندازہ کرنا مشکل تھا کہ ان کا اختتام کہاں ہوا ہو گا۔

جیسے ہی پہلے زینے سے آخری آدمی کے قدم ہٹے دیوار برابر ہو گئی۔ فریدی چوتھے زینے پر تھا۔ اس نے مڑ کر دیکھا اور پھر نیچے اترنے لگا۔ یہاں ہلکی ہلکی سی روشنی تھی، جو نیچے ہی سے آ رہی تھی۔ وہ زینے طے کرتے رہے اور پھر جیسے ہی ان کے قدم فرش سے لگے انہیں اپنے سامنے ایک طویل اور نیم تاریک سرنگ نظر آئی۔

"انکل.... ہم کہاں جا رہے ہیں.... کیا کوئی دوسرا ہرمین پیدا ہو گیا ہے۔" نیلم نے کہا۔

"اب میں سوچ رہا ہوں کہ تمہیں ساتھ لے جانا مناسب ہے یا نہیں۔"

"میں تو ہر حال میں چلوں گی، انکل خواہ وہاں آگ ہی کی بارش کیوں نہ ہو رہی ہو۔"

"تم بہت ضدی ہو.... خیر.... چلو.... مگر خیال رہے کہ اُس وقت تک فائر کرنے سے احتراز کرنا جب تک یقین نہ ہو جائے کہ اب تمہاری زندگی خطرے میں ہے۔"

"میں یہی کروں گی انکل۔" نیلم بولی اور وہ چلتے رہے۔ سرنگ سنسان پڑی تھی۔ کچھ دیر بعد انہیں ایک دروازہ نظر آیا اور اسی دروازے پر سرنگ کا خاتمہ ہو گیا تھا۔

فریدی نے دروازے کو ہلکا سا دھکا دیا۔ مگر وہ دوسری طرف سے بند تھا اور دوسری طرف سے کسی متحرک مشین کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اب فریدی نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ دروازہ

نہیں تھا بلکہ پتھر کی سل ان کی راہ میں حائل تھی لیکن اُس پر کیا ہوا رنگ ہی ایسا تھا کہ لکڑی کا دروازہ معلوم ہو رہا تھا۔ شاید وہ اس کے متعلق غلط فہمی میں مبتلا رہتا لیکن اُس میں کسی جھری کی تلاش کے سلسلے میں اُسے حقیقت معلوم ہو گئی۔ اب سوال تھا کہ اس رکاوٹ کا دفعیہ کس طرح کیا جائے۔ اس نے اُسے ہلانے ڈلانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ نیلم اور امر سنگھ بھی اسی کے متعلق سوچ رہے تھے۔

"یہ یقیناً دروازہ ہی تھا۔" نیلم نے کہا۔ "اور اسے ادھر سے کھولنے کے لئے بھی کوئی نہ کوئی ذریعہ ضرور ہو گا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ بنظر غائر دروازے اور اس کے قریب کی دیوار کا جائزہ لے رہا تھا۔

اچانک دروازہ خود ہی کھل گیا اور دوسری طرف نظر آنے والے آدمی کے حلق سے ایک تحیر آمیز سی آواز نکلی۔

"خاموشی سے اپنے ہاتھ اوپر اٹھالو۔" فریدی نے کہا۔ اسکے چہرے پر اب بھی نقاب تھی۔

اس آدمی نے ہاتھ نہیں اٹھائے اس کے چہرے پر بھی نقاب تھی اور وہ نیلم اور امر سنگھ کو گھور رہا تھا۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔" فریدی دوبارہ غرایا لیکن نقاب پوش نے فریدی پر چھلانگ لگا دی۔

فریدی ایک طرف ہٹا اور نقاب پوش امر سنگھ سے جا ٹکرایا۔ خود امر اس کے لئے تیار نہ تھا۔ اس لئے دونوں ہی زمین پر ڈھیر ہو گئے لیکن دوسرے ہی لمحے میں امر نے اُسے اپنی ٹانگوں پر رکھ کر اچھال دیا۔ وہ اس پر سے گزرتا ہوا دوسری طرف جا گرا۔ پھر اگر وہ بجلی کی سی سرعت سے اٹھ کر اُس پر نہ جا پڑا ہوتا تو اس نے ریوالور نکال کر فائر کر دیا ہوتا۔ امر نے پہلے اس کے ہاتھ سے ریوالور چھینا اور پھر اس کا گلا گھونٹنے لگا۔ امر سنگھ ایک دلیر اور کافی چالاک نوجوان تھا۔ وہ جانتا تھا کہ حریفوں پر کب اور کس طرح قابو پایا جا سکتا ہے۔ معمولی حالات میں وہ ٹھنڈے مزاج کا آدمی ثابت ہوتا تھا۔ اس وقت بھی نہ تو اُسے غصہ ہی آیا تھا اور نہ وہ یہی نیت رکھتا تھا کہ گلا گھونٹ کر اُسے مار ہی ڈالے۔ اس وقت تک اس نے اپنی گرفت ڈھیلی نہیں کی جب تک کہ نقاب پوش کے حواس جواب نہیں دے گئے۔ لیکن جب وہ اسے چھوڑ کر مڑا تو اس نے دیکھا کہ دروازے میں کئی آدمی کھڑے فریدی کو کینہ توز نظروں سے گھور رہے ہیں۔ ان کے ہاتھ اوپر اٹھے ہوئے تھے اور

فریدی ان سے کہہ رہا تھا۔ "پیچھے ہٹو..... الٹے چلتے رہو۔ اگر کسی نے مڑ کر پیچھے دیکھنے کی کوشش کی تو گولی ماردوں گا چلو۔"

وہ الٹے چلنے لگے تھے۔ فریدی نیلم اور امر سنگھ آگے بڑھتے رہے۔ مشین چلنے کی آواز اب بہت صاف سنائی دے رہی تھی۔ آخر کار وہ ایک کشادہ کمرے میں پہنچ گئے۔ یہاں دو آدمی رسیوں سے جکڑے ایک طرف پڑے ہوئے تھے اور دو آدمی مشین پر کام کررہے تھے۔"

"گڈ.....!" فریدی مسکرایا۔ "تو یہ کاروبار ہوتا ہے یہاں. شاباش..... بہت اچھے امر..... انہیں سنبھالو۔"

"ٹھہرو.....!" ہاتھ اٹھائے ہوئے نقاب پوشوں میں سے ایک نے آگے بڑھ کر کہا۔ "تم کون ہو۔"

"تم مجھے نہ پہچانو تو بہتر ہے۔" فریدی بولا۔ "بتا ہی کافی ہے کہ میں نے ہیری کو پہچان لیا ہے۔ اُسے پہچان لیا ہے جس پر انسپکٹر شاہد اور مسخرے کے قتل کا الزام لگایا جاسکتا ہے، جو نگار کے اسٹیج کا نغمہ پیش کیا کرتا تھا۔"

"اوہ..... پولیس.....!" نقاب پوش غرایا۔

"ہاں..... ہیری! آج رات تم نے کتنے نوٹ چھاپے ہیں..... امر..... چلو میری جیب سے ہتھکڑیاں نکال کر اس کے ہاتھوں میں لگادو۔"

"کون لگائے گا ہتھکڑیاں..... تم دونوں..... اور یہ عورت! ہوہ۔" نقاب پوش نے حقارت سے کہا اور اپنے ہاتھ نیچے گرادیئے، ٹھیک اسی وقت لوہے کا ایک وزنی سا اوزار فریدی کے ہاتھوں پر آکر لگا اور اس کے ہاتھ سے ریوالور چھوٹ پڑا۔ بس پھر کیا تھا۔ وہ سب اُن تینوں پر آٹوٹے۔

"نیلم..... پیچھے ہٹ جاؤ۔" نیلم نے فریدی کی آواز سنی۔

"نیلم دیوار سے جالگی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کیوں نہ پستول نکال کر فائر کرنا شروع کردے۔ مگر اس ہنگامے میں فائر کرنا مناسب نہیں تھا کہ فریدی یا امر سنگھ زخمی ہوجاتے۔ لیکن اس نے پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈال کر پستول کو مضبوطی سے گرفت میں لے لیا۔ ہوسکتا تھا کہ اُسے اپنی ہی حفاظت کرنی پڑے۔"

اچانک اس کے حلق سے ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی کیونکہ اُسے اپنی پشت سے دیوار سرکتی

معلوم ہوئی تھی۔ وہ سنبھل نہ سکی۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ فرش پر چت پڑی ہوئی تھی۔

اس دیوار میں بھی ایک خلاء پیدا ہوگئی تھی اور وہ اسی خلاء سے گذرتی ہوئی دوسری طرف جاگری تھی۔ اس کے سر کی طرف ایک عورت اور ایک مرد کو کھڑے دیکھا۔ دونوں ہی یوریشین معلوم ہوتے تھے۔ مرد کی مونچھیں گھنی اور براؤن رنگ کی تھیں۔

وہ نیلم پر جھکا ہوا حیرت سے آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً نیلم کا براؤنی جیب سے باہر نکل آیا اور یوریشین عورت بوکھلا کر پیچھے ہٹ گئی۔ بڑی مونچھوں والا بھی سیدھا کھڑا ہوگیا۔ نیلم بڑی پھرتی سے اٹھی اور ان دونوں کو پستول کی زد میں لیتی ہوئی بولی۔ "ہم صرف تین ہیں، لیکن تم دیکھو گے کہ کس طرح تمہاری مٹی پلید ہوتی ہے۔"

"وہاں..... ڈرامہ ہورہا ہے مادام....." بڑی مونچھوں والے نے یوریشین عورت سے کہا۔

"یہ لوگ کون ہیں۔" عورت بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"یہ لوگ، جو ان تینوں پر یورش کررہے ہیں مسٹر کریگ کے قاتل ہی ہوسکتے ہیں کیونکہ میں اس لڑکی کو اچھی طرح پہچانتا ہوں، یہ کرنل فریدی کے ساتھیوں میں سے ہے۔"

"سیکریٹری.....!" عورت تشویش کن لہجے میں بولی۔ "تب تو ہمیں ان کی مدد کرنی چاہئے۔"

"یقیناً مادام..... اوپاگل لڑکی تم اپنے پستول کا رخ اُدھر کردو۔"

"تم مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتے۔" نیلم غرائی۔ "اپنے ہاتھ اوپر اٹھادو۔"

"ارے..... فریدی گرا۔" دفعتاً لوسی کریگ کا سیکریٹری چیخ اٹھا۔ نیلم بوکھلا کر مڑی اور دوسرے ہی لمحے میں اس کا پستول سیکریٹری کے ہاتھ میں تھا۔

"اب بتاؤ..... بے وقوف لڑکی۔" سیکریٹری ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا اور لوسی کریگ اس کی پیٹھ ٹھونکنے لگی۔

"چلو.....!" سیکریٹری نیلم کو دھکیلتا ہوا اسی کمرے میں لے آیا جہاں فریدی اور امر سنگھ مجرموں کی مرمت کررہے تھے اور ان میں سے کسی کو بھی ابھی تک ریوالور نکال لینے کا موقع نہیں ملا تھا۔

سیکریٹری نے اپنا ریوالور بھی نکال لیا۔ ایک فائر ہوا اور پھر صرف سیکریٹری ہی کی آواز سنی گئی جو کہہ رہا تھا۔ "خبر..... دار..... تم سب الگ ہٹ جاؤ۔ اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ اور مادام آپ براہِ

کرم ان سبھوں کے چہروں سے نقابیں ہٹا دیجئے۔"

وہ سب جہاں تھے وہیں رک گئے اور انہوں نے اپنے ہاتھ بھی اٹھا دیئے تھے۔ فریدی اور امر سنگھ کے ہاتھ بھی نیچے نہیں تھے۔

ایک آدمی کا ہاتھ جیب کی طرف جا ہی رہا تھا کہ سیکریٹری کے ریوالور سے شعلہ نکلا اور وہ آدمی کراہ کر وہیں ڈھیر ہو گیا۔

"ابھی میرے پاس دس فالتو راؤنڈ موجود ہیں۔" سیکریٹری نے سرد لہجے میں کہا۔ "اور کارتوسوں کی بچت میرے مد نظر نہیں رہتی۔ ہاں مادام ان کی نقابیں الگ کیجئے.... اوہ.... مگر ان میں کرنل فریدی نہیں۔"

"تمہیں دھوکا تو نہیں ہوا۔" لوسی کریگ نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں.... اس لڑکی کا نام نیلم ہے اور.... وہ امر سنگھ ہے، امر سنگھ تم ہی ان سبھوں کی نقابیں الگ کر دو۔ جلدی کرو، ورنہ تمہیں تو میں آنکھ مار کر مار ڈالوں گا۔"

یک بیک نیلم چونک پڑی۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سیکریٹری کو گھور رہی تھی۔

"چلو.... جلدی.... امر سنگھ۔"

لوسی کریگ نے بھی محسوس کیا کہ اب اس کے سیکریری کی آواز بالکل بدل گئی ہے۔

امر سنگھ بڑی تیزی سے مجرموں کی نقابیں اتار رہا تھا۔ دفعتاً لوسی کریگ چیخی۔ "ارے یہ تم ہو! مسٹر ہیری.... کیپٹن سام کریگ کے دوست۔"

"ہاں....!" ہیری غرایا۔ "اور میں تمہیں اس حرکت کا مزہ چکھا دوں گا۔"

"ہیری.... کیا تم پھر پلٹنا چاہتے ہو۔" سیکریٹری نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

ایک کے علاوہ اور سبھوں کی نقابیں اُتر چکی تھیں۔ سیکریٹری نے ایک طویل سانس لی اور نقاب پوش کی طرف دیکھنے لگا۔ اب نقاب پوش نے خود ہی اپنی نقاب الگ کر دی۔

"کرنل....!" لوسی کریگ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔

"ہاں اور تم اس کاروبار سے واقف تھیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"کس کاروبار سے۔"

"یہاں سو روپے کے نوٹ چھاپے جاتے رہے ہیں۔"

"میں نہیں جانتی تھی کرنل یقین کیجئے۔ میرے سیکریٹری سے پوچھ لیجئے۔ میں تو یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ اس عمارت کے نیچے تہہ خانے ہیں۔ یہ تہہ خانے بھی میرے سیکریٹری ہی نے دریافت کئے تھے۔"

"سیکریٹری سے میں بعد میں سمجھوں گا۔ فی الحال تمہیں بھی یہیں سے قیدیوں کی طرح میرے ساتھ چلنا پڑے گا۔"

ہیری کا قہقہہ تہہ خانے کی فضا میں گونج اٹھا۔ اس وقت امر سنگھ اس کے ہتھکڑیاں لگا رہا تھا۔ اس نے اس کے خلاف ذرہ برابر بھی جدوجہد نہیں کی۔

"آپ مجھے مجرموں کی طرح کیوں لے جائیں گے۔" لوسی نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"اگر آپ مجرموں کی طرح جائیں گی تو میں یہیں خودکشی کر لوں گا۔" سیکریٹری نے نیلم والا پستول اپنی بائیں کنپٹی سے لگاتے ہوئے کہا۔



"اوہ....!" فریدی نے مجرموں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جن کے ہتھکڑیاں لگائی جا چکی تھیں۔ "نہیں.... میں تمہیں خودکشی کا مشورہ نہیں دوں گا۔ امر سنگھ اس کے بھی ہتھکڑیاں لگا دو۔"

"یہ کپتان صاحب ہیں جناب.... میں نے پہچان لیا ہے۔" امر سنگھ بولا۔

"کوئی صاحب بھی ہوں۔" فریدی کا لہجہ بہت سرد تھا۔ "یہ مجرموں ہی کی طرح کوتوالی تک لے جائے جائیں گے کیونکہ میں انہیں صرف لوسی کریگ کے سیکریٹری کی حیثیت سے جانتا ہوں۔ ویسے اگر یہ اپنے متعلق محکمے کے سپرنٹنڈنٹ کو اطمینان دلا سکے تو ان کی ہتھکڑیاں نکال دی جائیں گی۔"

دفعتاً سیکریٹری نے گرج کر کہا۔ "ہینڈز اپ" اور فریدی نے اپنے ہاتھ اٹھا دیئے۔ نیلم اور امر سنگھ نے بھی تقلید کی۔

"مادام واپس چلئے۔" سیکریٹری نے کہا اور پچھلی دیوار کی خلاء کی طرف ہٹنے لگا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ خلاء میں داخل ہوئے اور دیوار برابر ہو گئی۔ ہیری حیرت سے آنکھیں پھاڑے دیوار کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"بالکل ہی گدھا نہیں ہے۔" فریدی مسکرایا۔

وہ کون تھے

دوسری صبح سام کریگ کی کوٹھی پولیس والوں کے بھاری بھرکم جوتوں کی آواز سے گونج رہی تھی۔ فریدی نے سارے تہہ خانے کے راستے کھول کر رکھ دیئے تھے۔ لوسی کریگ کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں پولیس کے نصب کئے ہوئے ایک خیمے میں مقیم تھی۔

سپرنٹنڈنٹ فاروقی بہت زیادہ مشغول نظر آرہا تھا۔ وہاں دو مجسٹریٹ بھی موجود تھے جو تہہ خانوں سے برآمد کی ہوئی اشیاء کی فہرست تیار کر رہے تھے، لیکن وہ سب ہی فریدی کی مفصل رپورٹ کے لئے بے چین تھے۔

اور فریدی باہر ٹینٹ میں لوسی کریگ سے گفتگو کر رہا تھا۔

"میں آپ سے زیادہ آپ کے اسسٹنٹ کی ممنون ہوں کرنل صاحب! انہوں نے کس طرح مجھے مجبور کر دیا تھا کہ میں ان پر اعتماد کروں، ورنہ دنیا کی کوئی قوت مجھ سے اس پُراسرار مینٹل پیس کے متعلق کچھ نہ معلوم کر سکتی جس پر سرخ رنگ کا بلب لگا ہوا تھا۔"

"لیکن آپ نے مجھے اس کے متعلق کیوں نہیں بتایا تھا۔ کیا آپ پر قانون سے تعاون نہ کرنے کا الزام عائد نہیں ہو سکتا۔"

"مجبور تھی جناب! آپ کے اسسٹنٹ ہی نے مجھے اس سے باز رکھا تھا۔ ورنہ میں نے تو تہیہ کر لیا تھا کہ آپ کو اپنے باپ کی پُراسرار خواب گاہ کے متعلق ضرور بتا دوں گی۔"

"خیر....!" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "آپ کو یقین ہے نا کہ آپ اپنے بیان میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہ محسوس کریں گی۔"

"میرا بیان حقیقت پر مبنی ہے اس لئے اس میں کبھی تبدیلی نہ ہو سکے گی۔"

"مجھے خدشہ ہے کہ آپ کو یہ عمارت چھوڑنی پڑے گی۔"

"میں سب کچھ چھوڑنے کو تیار ہوں۔ اپنی محنت سے روزی حاصل کر کے زندگی بسر کروں گی۔"

"نہیں... میرا خیال ہے کہ صرف یہ کوٹھی ساز و سامان سمیت ضبط ہو جائے گی۔"

"مجھے بے حد خوشی ہوگی۔"

فریدی پھر عمارت میں واپس آ گیا۔ سوپر فاروقی بہت بے چینی سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔

لنچ کے بعد وہ سب اسٹڈی میں جمع ہوئے اور فریدی نے انہیں تفصیل سے بتانا شروع کیا۔

"سام کریگ نے بڑی چالاکی سے اپنا گروہ ترتیب دیا تھا۔ اس کے ساتھی اس کی اصلیت سے واقف نہیں تھے۔ وہ ان سے الگ رہ کر بھی اس بزنس کو کنٹرول کر سکتا تھا۔ آپ نے دیکھا ہے کہ یہاں جعلی نوٹ چھاپے جاتے تھے، جو یہاں سے ایک ہمسایہ ملک میں اسمگل کر دیئے جاتے تھے اور وہاں سے ان کے عوض سونا اسمگل ہوتا تھا۔ وہاں سے وہ نوٹ مشرق وسطیٰ میں جاتے تھے جہاں اُن کی قیمت اصل سے ڈیڑھ گنی بڑھ جاتی تھی۔ سام کریگ ان کے عوض سونا وصول کر لیتا تھا۔ واضح رہے کہ یہ نوٹ یہاں نہیں چلائے جاتے تھے ورنہ سام کریگ کا بزنس اتنے دنوں تک نہ پھولتا پھلتا رہتا۔ سام کریگ کے آدمی جگہ جگہ پھیلے ہوئے ہیں اور ان کے ذمہ مختلف کام ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ محکمہ سراغ رسانی تک میں اس کے آدمی موجود تھے۔ نگار کا مسخرہ اسی کے گروہ سے تعلق رکھتا تھا لیکن وہ محکمہ سراغ رسانی کا ایک آفیسر بھی تھا اور وہ حقیقتاً وہاں سام کریگ ہی کے لئے کام کر رہا تھا۔ اب سنئے.... مجرموں کے ایک دوسرے گروہ کو کسی طرح اس منفعت بخش بزنس کا علم ہو گیا اور اس نے کوشش شروع کر دی کہ کسی طرح اس پر وہ خود قابض ہو جائے۔ اس گروہ کا سربراہ ہیری تھا۔ اور بدقسمتی سے اس کے گروہ کا ایک آدمی بھی محکمہ سراغ رسانی سے ہی تعلق رکھتا تھا۔ میرا اشارہ انسپکٹر شاہد کی طرف ہے۔ اُسے علم تھا کہ سرکس کا مسخرہ جعلی نوٹوں کا بزنس کرنے والوں ہی کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اُدھر سام کریگ کو بھی شاید علم ہو گیا تھا کہ ہیری اس کے بزنس پر نظر رکھتا ہے، لہٰذا اس نے اس کا قلع قمع کرنے کے لئے اپنے گروہ کا کچھ حصہ وقف کر دیا۔ یہ لوگ ان جگہوں پر پھیل گئے جہاں جہاں ہیری کی ریشہ دوانیوں کا امکان ہو سکتا تھا۔ چنانچہ نگار تھیٹر بھی ایک ایسی ہی جگہ تھی۔ نگار تھیٹر کا منیجر سام کریگ کا آدمی ہے اور وہ بھی اس بزنس میں شریک رہا ہے۔ تھیٹر کے مسخرے کا کام یہ تھا کہ وہ علانیہ اپنی رپورٹ کسی ایسے آدمی کو دیتا تھا جسے وہ جانتا نہیں تھا۔ ہاں سام کریگ کے گروہ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس کے آدمی ایک دوسرے کی اصلیت سے واقف نہیں تھے۔ مثلاً اگر کسی کو ایک کام سونپا گیا ہے تو وہ صرف اسی کو کرتا رہے گا لیکن اسے اس کا علم نہیں ہوگا کہ اس کام کی اطلاع دوسروں تک پہنچانے والا کون ہوگا۔ مثال کے طور پر اسٹیج کے مسخرے ہی کو لے لیجئے۔ وہ دن بھر کی رپورٹ رومانی روزنامچے کی شکل میں پیش کرتا تھا۔ جسے اس کے ساتھی بڑی دلچسپی

سے پڑھتے تھے اور ان ہی میں ایک آدمی ایسا بھی تھا جو اس تحریر سے مخصوص قسم کے پیغامات نوٹ کرتا تھا لیکن مسخرہ اس آدمی سے واقف نہیں تھا ورنہ وہ اتنی محنت سے وہ روزنامچہ کیوں مرتب کرتا۔ ظاہر ہے کہ وہ روزنامچے آسانی سے نہیں لکھے جاسکتے۔ ہاں اگر وہ اس آدمی سے واقف ہوتا تو اتنے پاپڑ بیلنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ وہ خود ہی بالمشافہ اُسے اپنی رپورٹ دے سکتا تھا۔ ان رپورٹوں میں صرف منیجر ہی کے متعلق ساری باتیں ہوتی تھیں، بہر حال میں اُن سے اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ کچھ آدمی نگار کے منیجر کے پیچھے تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ ہیری ہی کے آدمی رہے ہوں گے۔ دراصل سام کریگ نے یہ انتظام اس لئے کیا تھا کہ منیجر کی حفاظت کی جاسکے۔"

فریدی سانس لینے کے لئے رکا ہی تھا کہ فاروقی بول پڑا۔ "خدا کے لئے اب تو بتا دیجئے کہ ان کاغذات میں رپورٹیں کہاں ہیں۔"

"ٹھہریئے۔" فریدی مسکرا کر اپنا فائیل الٹتا ہوا بولا۔ "یہ لیجئے.... اس صفحے کی تحریر کو بلند آواز سے پڑھ جایئے۔ پھر میں بتاؤں گا۔"

فاروقی نے کاغذ لے کر پڑھنا شروع کر دیا۔ یہ ایک عشقیہ بکواس تھی لکھنے والے نے کسی رات کا تذکرہ کیا تھا جب اس کی محبوبہ نے اس کے ساتھ شراب پینے اور رقص کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

سننے والوں نے بہت بُرا سا منہ بنایا اور فریدی کو اس طرح گھورنے لگے جیسے اس کا دماغ خراب ہو گیا ہو۔

"اب مجھ سے سنئے۔" فریدی نے کہا۔ "پیغام یہ ہے۔ پچھلی رات ٹونی اور بلنگر منیجر کے دفتر میں گھسے تھے اور اس کے سارے کاغذات الٹ پلٹ ڈالے تھے، لیکن شاید انہیں وہ چیز نہیں ملی جس کی تلاش تھی۔"

"اس میں یہ پیغام کہاں ہے؟" فاروقی بیساختہ بولا۔

"ہے۔" فریدی مسکرایا۔ "یہ سارے صفحات پنسل سے تحریر کئے گئے ہیں۔ ذرا غور کیجئے۔ بعض الفاظ کے اکثر حروف دبا کر لکھے گئے ہیں یعنی تحریر روشن ہے اور بعض حروف بہت ہلکے ہیں۔ صرف روشن حروف کو علیحدہ کر کے ایک جگہ اکٹھا کر دیجئے۔ یہی پیغام بن جائے گا جو میں نے ابھی عرض کیا ہے۔"

"میرے خدا....!" فاروقی بے ساختہ اچھل پڑا۔ "کتنی معمولی سی بات تھی، لیکن میری سمجھ میں نہ آسکی۔"

"اس طرح اور بھتیرے پیغامات ہیں۔" فریدی بولا۔ "اور اُن سبھی میں ہیری کے قمار خانے کی جانب اشارے ملتے ہیں۔ بہر حال ان کاغذات کی اہمیت مجھ پر اسی وقت واضح ہوئی تھی جب شاہد قتل کر دیا گیا تھا اور کسی نے ان کاغذات کے بارے میں میری رائے معلوم کرنی چاہی تھی اور فون پر خود کو سپرنٹنڈنٹ فاروقی ظاہر کیا تھا۔ خیر شاہد تو اس لئے قتل کیا گیا تھا کہ میں نے ان کے متعلق شبہ ظاہر کیا تھا۔ بہر حال میں یہ کہہ رہا تھا کہ وہ گھبرا کر نگار تھیٹر سے بھاگ کھڑا ہوا اور نگار تھیٹر کے خلاف جو کیس بنایا گیا تھا اس کا مقصد یہ تھا کہ نگار کا منیجر سراسیمہ ہو جائے اور اس سے ایسی حرکتیں سرزد ہوں، جو اس مقام تک ہیری کے گروہ کی رہنمائی کر سکیں جہاں نوٹ چھاپنے کی مشین تھی یا جو بزنس کا مرکز تھا۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ انہیں دنوں سام کریگ مر ہی گیا اور اس کی موت حقیقتاً نگار ہی سے واپسی پر واقع ہوئی۔ شاہد نے وہیں سے ایک کیس بنا ڈالا ورنہ میرا خیال ہے کہ ہیری کو بھی محض شبہ ہی تھا کہ سام کریگ اس بزنس کا ہیڈ ہے یقین نہیں تھا اُسے، ورنہ وہ اُسے کسی نہ کسی طرح قابو میں کرنے کی کوشش کرتا۔ اُسے دراصل شبہ ہوا تھا۔ سام کریگ کی موت کے بعد جب کسی مشتبہ آدمی کو اس نے سام کریگ کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ بس اُسی کے پیچھے لگ کر وہ اس مقام تک پہنچ گیا جہاں نوٹ چھاپنے کی مشین لگی ہوئی تھی۔"

"لیکن یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ سام کریگ کے آدمی یہ نہیں جانتے تھے کہ وہی ان کا سربراہ ہے" کسی نے سوال کیا۔

"کیونکہ سام کریگ کی موت کے بعد بھی اس کی خواب گاہ میں چھپے ہوئے ٹیلی پرنٹر پر اس کے لئے پیغامات آتے رہے تھے لیکن ٹھہریئے میں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ سارے ہی آدمی اس سے ناواقف تھے، زیادہ تر ناواقف تھے۔ مجھے ابھی تک پچاس آدمیوں میں سے صرف دو ایسے مل سکے ہیں جو جانتے تھے کہ سام کریگ ہی اُن کا ہیڈ ہے۔ ایک ہے نگار کا منیجر اور دوسرا ایک معمولی حیثیت کا آدمی۔ سام کریگ نے اس کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں ایک معمولی سی عمارت بنوائی تھی جو صرف دو کمروں پر مشتمل ہے۔ اُسے کریگ نے ایک آدمی کو کرائے پر دے دیا، جو موٹر سائیکلوں

کی مرمت کا کام کرتا تھا اور یہ دوسرا آدمی موٹر سائیکل کی مرمت کے کارخانے میں ایک گھٹیا سی حیثیت کا ملازم تھا، لیکن نوٹ اس کی نگرانی میں چھپتے تھے اور اس عمارت کی کنجی اس آدمی کے پاس رہتی تھی اور یہ تو آپ دیکھ ہی چکے ہیں کہ اس عمارت سے تہہ خانوں کا راستہ شروع ہوتا ہے۔ سام کریگ بظاہر خود کو اس دھندے سے بالکل الگ تھلگ رکھتا تھا مگر یہ حقیقت تھی کہ ایک ایک چیز پر اس کی نگاہ رہتی تھی۔ اپنی خواب گاہ میں بیٹھے بیٹھے ہی اُسے علم ہو جاتا تھا کہ نوٹ چھاپنے کا کام کب شروع کیا گیا اور کتنے نوٹ چھاپے گئے۔ جیسے ہی نیچے مشین حرکت میں آتی خواب گاہ کے مینٹل پیس والا سرخ بلب روشن ہو جاتا اور حرکت کرتے ہوئے ہندسے چھپنے والے نوٹوں کی تعداد بتاتے رہتے۔"

"مگر ہیری کے متعلق آپ کو یقین کیسے ہوا تھا کہ وہی دوسرے گروہ کا سربراہ ہے۔" سوپر فاروقی نے پوچھا۔

"وہ.... وہ ویٹر جو آپ کی قید میں ہے.... دراصل اس بے چارے نے اس کیس کے سلسلے میں میرا بہت ہاتھ بٹایا ہے۔ وہ بھی سام کریگ ہی کے گروہ سے تعلق رکھتا تھا اور میرے پیچھے اس لئے لگا تھا کہ ان کاغذات کو اڑا دے۔"

فریدی نے ویٹر کے متعلق بتانا شروع کیا کہ کس طرح وہ اُسے پکڑ کر ریجنٹ ہوٹل سے ایک کیفے میں لے گیا تھا۔

"اوہ پھر....!" اس نے کہا۔ "یہ حقیقت ہے کہ وہ میرے اس رویہ پر اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا تھا۔ ہر وہ چیز جو کسی آدمی کے لئے قطعی غیر متوقع ہوتی ہے اس کے اعصاب پر ایک خاص قسم کا اثر ڈالتی ہے جس کے تحت وہ تھوڑی دیر کے لئے اپنی اصلیت سے ہٹ جاتا ہے۔ یعنی مثال کے طور پر کوئی آدمی آپ کے خلاف بھرا بیٹھا ہے اور اسے توقع ہے کہ آپ آتے ہی اس پر ہاتھ چھوڑ دیں گے لیکن اس کے برخلاف آپ نہایت محبت کے ساتھ اُسے سگریٹ پیش کرتے ہیں وہ فوراً ہی جذباتی کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ابھی تک وہ آپ کے لئے غصہ اور نفرت لئے بیٹھا تھا لیکن آپ کے رویے نے ان جذبات کے برعکس ایک تیسرا جذبہ اس کے ذہن پر مسلط کر دیا۔ ظاہر ہے کہ اس فوری جذباتی تغیر کا اثر سسٹم پر ضرور پڑے گا اور اس کے رویے میں بہتیری تبدیلیاں ظاہر ہوں گی۔ مثلاً وہ ہکلائے گا۔ جھینپے گا اور کبھی اس کے چہرے پر کچھ دیر پہلے کی

جھلاہٹ کا پرتو نظر آئے گا۔ وہ خود بھی اپنے اندر ان تبدیلیوں کو محسوس کرے گا لیکن جتنا بھی وہ ان کے متعلق سوچے گا اتنا ہی نروس ہوتا چلا جائے گا پھر اسے ذہنی کرب سے پیچھا چھڑانے کی صرف ایک ہی صورت نظر آئے گی۔ وہ یہ کہ وہ آپ سے ہم آہنگ ہو جائے۔ خود کو آپ کے رحم و کرم پر چھوڑ دے۔ یہی حال اس ویٹر کا بھی ہوا وہ سمجھا تھا کہ ہوش میں آنے پر وہ اپنے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں دیکھے گا لیکن اس کے بجائے اس نے اپنا حلیہ ہی تبدیل پایا.... اور پھر.... جب میں اُسے ایک دوسرے ریستوران میں لا کر اس کی خاطر مدارت کرنے لگا تو وہ بالکل ہی نروس ہو گیا بس پھر میں نے سیسہ پگھلتے دیکھ کر اُسے سانچے میں ڈھالنا شروع کر دیا۔ میں نے اس سے کہا کہ میں نے اس کی شکل اس لئے تبدیل کر دی ہے کہ وہ اپنے ہی کسی آدمی کی گولی سے محفوظ رہے۔ اس پر اس نے بتایا کہ میرا خیال صحیح تھا۔ گروہ کا ہر فرد جانتا ہے کہ وہ جب بھی پولیس کے ہاتھوں میں پڑا، بیان دینے سے پہلے ہی کسی نہ کسی طرح مار ڈالا جائے گا۔ اس کے بعد اس نے سب کچھ اگل دیا، لیکن وہ بھی نہیں جانتا تھا کہ گروہ کا ہیڈ سام کریگ ہے.... لیکن ہیری اور اس کے ارادوں سے واقف تھا۔ ہیری بھی جانتا تھا کہ گروہ والے عام طور پر اپنے سربراہ سے واقف نہیں ہیں اس لئے اگر بزنس پر آسانی سے اس کا قبضہ ہو جاتا تو گروہ والوں کو اس تبدیلی کا بھی علم نہ ہوتا۔"

بقیہ لوگ خاموشی سے فریدی کی تقریر سن رہے تھے جب وہ خاموش ہوا تو فاروقی نے کہا۔ "ان لوگوں نے بہت ہی اعلیٰ پیمانے پر سونا اسمگل کیا ہے تہہ خانوں سے جو سونا برآمد ہوا ہے، اس کی قیمت کم از کم ڈھائی کروڑ ضرور ہو گی۔"

"ابھی نہ جانے کتنی گرفتاریاں باقی ہیں۔" فریدی بولا "لیکن واضح رہے کہ وہ ویٹر جو آپ کی قید میں ہے وعدہ معاف گواہ بنایا جائے گا۔"

"تو نگار والے قتل کا ذمہ دار آپ کسے ٹھہراتے ہیں۔"

"سو فیصدی ہیری کو.... جب شاہد کو اس کی اصلیت کا علم ہو گیا تھا تو اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ ہیری ہی کے کسی آدمی نے رائفل لوڈ کی ہو گی۔"

اس کے بعد پھر ضابطے کی کاروائیاں شروع ہو گئیں اور فریدی جس کا کام قریب قریب ختم ہو چکا تھا ہوٹل واپس آ گیا۔ لیکن حمید سے ملاقات نہیں ہوئی۔ کیونکہ وہ تو اس ڈر سے بھاگا بھاگا پھر رہا تھا کہ فریدی کہیں سختی سے باز پرس نہ کرے کہ اس نے اُسے اطلاع دیئے بغیر لوسی پر

ڈورے کیوں ڈالے تھے۔

نیلم موجود تھی، فریدی کو دیکھتے ہی وہ مسکرائی۔

"میرے خیال سے آپ بابا کو معاف کر دیجئے۔" اس نے کہا۔

"وہ ہے کہاں؟"

"پتہ نہیں.... مگر....!"

"میں اب اچھی طرح اس کی خبر لوں گا۔ تنگ آ گیا ہوں۔ اگر میں کسی کام پر لگا تا ہوں تو دم نکلنے لگتا ہے اور خود مجھے اطلاع دیئے بغیر کنوئیں میں چھلانگ لگا دے گا۔ آگ میں کود پڑے گا۔ اگر اس نے مجھے سام کریگ کی خواب گاہ کے مینٹل پیس کے متعلق پہلے ہی بتا دیا ہوتا تو اس کیس میں اتنی دیر کیوں لگتی اور پھر یہ کیس ایسا تھا کہ اُسے اپنی تفتیش کی رپورٹ باضابطہ طور پر دینی چاہئے تھی۔ کیونکہ اس میں محکمے کے دو آفیسر بھی ملوث تھے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر پچھلی رات وہ وہاں سے کھسک ہی نہ گیا ہوتا تو مجھے اس کے ہاتھوں میں بھی ہتھکڑیاں ڈالنی پڑتیں۔"

"اوہ.... تو اسی لئے آپ نے کہا تھا کہ بالکل گدھا نہیں ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا.... وہ سگار سلگانے لگا تھا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 69

ٹھنڈی آگ

(مکمل ناول)

پیش رس

اس کتاب کا پیشرس کسی کے اس مقولے سے شروع کر رہا ہوں کہ

"دیر آید درست آید"

فی الحال جو کچھ بھی ہے حاضر ہے۔

میں ان تمام دوستوں کا بیحد مشکور ہوں جنہوں نے لاہور کے ایک پبلشر کی اس غیر قانونی حرکت کے سلسلے میں مجھے خطوط لکھے ہیں کہ اس نے میرا ناول "طوفان کا اغواء" بعض ناموں کی تبدیلی کے ساتھ پیش کر کے شرافت کا نیا ریکارڈ قائم کیا ہے۔ آپ یقین کیجئے کہ اس نے یہ اقدام میری اجازت حاصل کئے بغیر کیا تھا اور اس سلسلے میں ان تمام لوگوں کے خلاف قانونی کاروائی کی جارہی ہے۔ جنہوں نے غیر قانونی طور پر اس کتاب کی طباعت اشاعت اور فروخت میں حصہ لیا ہے۔

خیر چھوڑیئے یہ سب تو ہوتا ہی رہتا ہے.... اس بار آپ کیپٹن حمید سے براہِ راست گفتگو کر سکیں گے۔ کیوں کہ وہ خود ہی براہِ راست آپ کو مخاطب کر رہا ہے۔ اپنے مخصوص انداز میں اس نے کیسی پھل جھڑیاں چھوڑی ہیں۔ اس کا اندازہ تو آپ کہانی پڑھ کر ہی لگا سکیں گے۔ کہانی بھی حیرت زدہ کر دینے والی ہے۔ اس کہانی سے آپ کو یہ بھی معلوم ہو سکے گا کہ کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کس طرح یکجا ہوئے تھے۔ یہ واقعہ دلچسپ بھی ہے اور بڑی حد تک درد انگیز بھی۔ مگر حمید ہی اس ٹریجڈی کا پس منظر بھی آپ پر واضح کر دے گا۔

ابن صفی

۱۶/اکتوبر ۱۹۵۷ء

میز پر لاش

یقین کیجئے یا نہ کیجئے کہ آج میں.... یعنی کیپٹن حمید آپ سے براہِ راست مخاطب ہوں.... براہِ راست مخاطب کرنے کی یوں ضرورت پیش آئی کہ تذکرہ نویسوں نے (میں ان کی نیت پر شبہ نہیں کرتا) یا تو میرے ساتھ پورا پورا انصاف نہیں کیا یا پھر آپ ہی نے ان کی تحریروں سے غلط مطالب اخذ کئے ہوں۔ ویسے میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ اکثر میری تفریحات کے تذکرے مبالغہ آمیز ہو جاتے ہیں۔ مگر آپ یہ تو سوچئے کہ زیب داستان کے لئے بھی تو کچھ نہ کچھ ہونا ہی چاہئے۔ لہٰذا مجھے اپنے تذکرہ نویس صاحب سے اس سلسلے میں کوئی شکایت نہیں ہے۔ میں تو دراصل یہ چاہتا ہوں کہ آپ میرے متعلق کوئی غلط رائے نہ قائم کریں۔ ویسے اگر آپ نے کر بھی لی تو میرا کیا بگاڑ لیں گے.... جی ہاں۔

خفا ہونے کی ضرورت نہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ تمہید کے طور پر بھی تو کچھ ہونا چاہئے۔ اب یوں ہی گفتگو کیسے شروع کر دی جائے۔ پھر کیا میں یہ لکھتا کہ اپنی یہ کہانی میں خود ہی بیان کروں گا۔ جو کچھ کرنا ہے کر لیجئے؟ کیا میں آپ سے کمزور ہوں۔ آپ خود سوچئے اپنی کہانی اپنی زبانی سے بیان کرنے میں کتنا لطف آتا ہے اور کون نہیں چاہتا کہ دس آدمیوں میں بیٹھ کر اپنی انیاں بیان کرے.... جس کے پاس اپنی کہانیاں نہیں ہوتیں وہ گھڑتا ہے ایسی کہانیاں جو کسی ناملے میں دوسروں کو مرعوب کر سکیں۔ مثلاً اگر آپ جوان ہیں تو اپنے عشق کی ایسی داستانیں مائیں گے کہ سننے والے اپنا دن کا چین اور راتوں کی نیند حرام کر بیٹھیں۔ اگر آپ بوڑھے ہیں تو پنے ایام تحصیلداری کے ایسے قصے سنائیں گے کہ جیسے آپ سے بڑا تحصیلدار آج تک پیدا ہی نہ

ہوا ہو۔ اگر آپ بچے ہیں تو اپنی بہادری کی ڈینگیں اس طرح مارتے پھریں گے جیسے آپ وہی ہیں جسے سیمرغ اپنے گھونسلے میں اٹھالے گیا تھا اور بعد کو آپ رستم کے پردادا کہلائے تھے۔

بہرحال بات صرف اتنی سی ہے کہ میں اپنی کہانی خود ہی بیان کرنا چاہتا ہوں۔ بہتیرے حضرات یہ جاننا چاہتے ہیں کہ میں اور کرنل کب اور کن حالات میں یکجا ہوئے تھے۔ چلئے پہلے یہی سن لیجئے۔ میں نے بی۔اے کیا تھا اور ایم اے میں پڑھ رہا تھا کہ تیسری جنگ شروع ہوگئی۔ میرے باپ ایک بہت بڑے زمیندار اور تاج برطانیہ کے وفادار ترین لوگوں میں سے تھے انہوں نے گاؤں سے رنگروٹ بھرتی کرانے شروع کئے۔ وہ فخریہ لوگوں سے کہتے کہ وہ حکومت کے اتنے وفادار ہیں کہ اس کی مدد کے لئے سب کچھ کرسکتے ہیں۔ ایک بار کسی ہم چشم نے کہہ دیا کہ خان صاحب تمہارا بھی تو جوان بیٹا ہے اسے فوج میں بھرتی کراؤ۔ تب ہم دیکھیں گے کہ کتنے وفادار ہو۔ چنانچہ آ گیا جلال خان صاحب کو اور مجھے اسی دن حکم دیا کہ میں کمیشن لے لوں۔ میں نے قسمیں کھائیں کہ میں قطعی اس قابل نہیں ہوں۔۔۔۔ یقین نہ آئے تو استاد تشنہ مراد آبادی سے پوچھ لیجئے کہ میں نے حال میں شاعری شروع کی ہے اور استاد بن خاں سے ستار بجانا بھی سیکھ رہا ہوں مگر کون سنتا ہے فغانِ درویش۔

کمیشن لینا پڑا۔۔۔۔ جب تک کسی محاذ جنگ پر نہیں جانا پڑا دل کھول کر عیش کئے۔ یقین کیجئے کہ کئی سال ادھر اُدھر کیمپوں میں بسر ہوتی رہی، اور میں دعائیں مانگتا رہا کہ کسی طرح لڑائی ختم ہو جائے اور میں میدان جنگ کی صورت دیکھے بغیر ہی غازی ساجد حمید بن جاؤں۔۔۔۔ مگر توبہ کیجئے۔ ایک دن کھلونے بنانے والا جاپان بھی جنگ میں کود پڑا اور مشرق بعید میں بھی محاذ جنگ قائم ہوگیا۔

بہرحال مجھے تو اسی وقت یقین ہوا کہ کھلونے بنانے والا جاپان بھی جنگ میں کود سکتا ہے جبکہ میرے یونٹ کو مشرق کے کسی نامعلوم مقام کی طرف روانہ کیا جانے لگا۔

گھروں میں بیٹھ کر جنگ کی خبریں سننا اور پڑھنا اور بات ہے لیکن آپ تصور بھی نہیں کرسکتے کہ میدان جنگ کس چڑیا کا نام ہے۔ آپ کسی کی فتح اور شکست پر بغلیں تو بجا سکتے ہیں لیکن شکست کھانے والے تو الگ رہے خود فاتحین سے پوچھئے کہ ان پر کیا گذری ہے۔ کیا ان کے ہاتھ اس قابل رہ گئے ہیں کہ وہ بغلیں ہی بجانے کے کام آسکیں۔

آپ یہ نہ سمجھئے گا کہ اب میں میدان جنگ کا نقشہ کھینچ کر آپ کو بور کروں گا میں تو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں ایسا کیوں ہوں۔ میں ہر وقت قہقہے لگانا کیوں چاہتا ہوں۔ مجھے ہر وقت تفریح کی تلاش کیوں رہتی ہے۔ میں اکثر سنجیدگی کے مواقع پر بھی غیر سنجیدہ کیوں نظر آتا ہوں؟ ادھر دیکھئے ذرا میری پچھلی زندگی میں جھانکنے کی کوشش کیجئے۔

میں جس نے شاعری شروع کی تھی۔۔۔۔ میں جو آرٹسٹک خیالات رکھتا تھا۔ میں جس نے ستار سیکھنا شروع کیا تھا۔ زبردستی جنگ کے میدان میں دھکیل دیا گیا۔ میں نے طالب علمی کی زندگی میں کبھی بھولے سے بھی یہ نہیں سوچا تھا کہ فوجی بنوں گا۔ (یہ اور بات ہے کہ فلمی ہیرو بننے کے خواب میں نے بکثرت دیکھے ہوں) ہاں تو بالکل غیر متوقع طور پر اور دل پر جبر کر کے میں نے یہ لائن اختیار کی تھی۔ اگر نہ کرتا تو میرے والد خان اپنی دھمکی کے مطابق نہ زندگی بھر میری شکل دیکھتے اور نہ میری شادی پچھمن پور کے جاگیردار کی لڑکی سے ہو سکتی جو مجھے بہت اچھی لگتی تھی۔ وہ میری شکل دیکھتے یا نہ دیکھتے اور میں کسی دوسرے جاگیردار کی لڑکی سے شادی بھی کرسکتا تھا کیونکہ ہر لڑکی لڑکی ہی ہوتی ہے لڑکا نہیں۔ رہا اچھی لگنے کا سوال تو کچھ دنوں کے بعد ہر لڑکی اچھی لگنے لگتی ہے خواہ وہ کولتار کا پیپا ہی کیوں نہ ہو۔ میں دراصل صرف ایک بات سے ڈرتا تھا۔۔۔۔ وہ صرف اتنی سی تھی کہ اگر جیب خرچ بند ہو گیا تو میں کیا کروں گا۔ والد خان کچھ ایسے ہی آدمی تھے جو کہتے کر گذرتے تھے بلکہ پہلے کر گذرتے تھے پھر کہتے تھے۔

ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ کشت و خون قتل و غارت گری نے میری زندگی میں مایوسیاں بھر دیں۔ میں بے تحاشہ شراب پینے لگا تھا اور عورتیں میری زندگی کا جزو لازم بن کر رہ گئی تھیں۔ آپ یقین کیجئے میں اتنا بدنام ہو گیا تھا کہ سزا کے طور پر میرا درجہ گھٹا دیا گیا۔ یعنی سیکنڈ لیفٹیننٹ سے سارجنٹ بنا دیا گیا۔ لیکن مجھے اس کی بھی پرواہ نہیں تھی۔ کیونکہ میری انگلی سے مضراب نکال کر اسے زبردستی رائفل کے ٹریگر پر رکھ دیا گیا تھا۔ اسی دوران میں سنگاپور میں تین لڑکیاں ٹکرائیں۔ اتفاق سے وہ جاپانی جاسوس تھیں۔ ان کا راز اتفاقاً مجھے معلوم ہوا۔ اس میں میری کوششوں کو دخل نہیں تھا۔ اس کے بعد ہی مجھے ملٹری کی سیکرٹ سروس میں لے لیا گیا۔ مگر عہدہ وہی رہا سارجنٹ کا۔ ان لڑکیوں کے ذریعہ ایک بہت بڑے گروہ کی گرفتاری عمل میں آئی جو منظم طور پر جاپان کے لئے کام کر رہا تھا۔ پھر کچھ ہی دنوں کے بعد جنگ ختم ہو گئی اور مجھ جیسے ہزاروں

تیس مار خاں غازی کہلائے۔

لیکن یقین کیجئے کہ میں پھر گھر واپس نہیں گیا۔ سنگاپور سے واپسی پر میرے ایک شناسا نے جو میرے ہی گاؤں سے تعلق رکھتا تھا اپنی اور میری واپسی کی اطلاع اپنے گھر والوں کو دی تھی۔ والد خان جن سے عرصہ سے خط و کتابت بند تھی اس اطلاع پر مجھے ریسیو کرنے دوڑے چلے آئے، مگر میں نے انہیں نہیں پہچانا۔ پہچاننے سے انکار ہی کر دیا۔ ان کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔ میں نے کہا کہ میں نے انہیں اس سے پہلے کبھی دیکھا ہی نہیں اگر انہوں نے خواہ مخواہ میرا باپ بننے کی کوشش کی تو میں ان کے خلاف ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ دائر کر دوں گا۔ والد خان اس پر بغلیں جھانکنے لگے.... یقیناً یہ خبر ان کے لئے ایٹم بم سے کم کسی طرح نہ رہی ہو گی.... آپ مجھے بُرا کہیں گے۔ لیکن میری بھی سنئے.... والد خان کو کیا حق حاصل تھا کہ مجھے اپنی آن پر بھینٹ چڑھا دیں۔ مجھ میں اس وقت اتنی کمزوری تھی کہ میں صرف والد خان ہی کو ان داتا تصور کرتا تھا۔ یہ سوچتا تھا کہ اگر انہوں نے اپنی پٹھانی آن کے مقابلے میں میری نافرمانی کو کمتر سمجھا تو مجھے در در کی ٹھوکریں کھانا پڑیں گی اور ہو سکتا ہے کہ میں ایک بہت بڑی جائیداد سے بھی محروم ہو جاؤں۔ مگر اب تو میری دنیا ہی بدل چکی تھی۔ میں ایک ہولناک جنگ دیکھ چکا تھا۔ میں دیکھ چکا تھا کہ آدمی کتنا بے وقعت جانور ہے۔ وہ گرتی ہوئی عمارتوں کے نیچے دب کر کس طرح چیختا اور کراہتا ہے۔ وہ کس طرح چوہے دان میں پھنسے ہوئے چوہوں کی مانند بے بسی سے مر جاتا ہے۔ میں نے کیا نہیں دیکھا تھا۔ سب کچھ دیکھا تھا.... اور جو کچھ بھی دیکھا تھا اسی کی پرچھائیں میرا مستقبل بننے والی تھیں اور مستقبل میری نظروں میں کیا تھا۔ اک بیکراں تاریکی.... اک ابدی سناٹا۔ جس کے تصور ہی سے ذہن شل ہو کر رہ جائیں۔ خیر ختم کیجئے اس خشک سی بکواس سے میں آپ کو بور نہیں کرنا چاہتا۔

ہاں تو جب والد خاں میرے باپ ہونے پر مصر تھے اور میں اس کی تردید کر رہا تھا۔ میری نظر ایک آدمی پر پڑی جو بہت دلچسپی سے ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔ یہ ایک وجیہہ اور جسیم نوجوان تھا۔ شخصیت ایسی پرکشش تھی کہ دوسری بار دیکھنے کو بھی دل چاہتا تھا۔ اس کی آنکھیں عجیب تھیں بڑی بڑی پلکیں اور اس طرح نیچے جھکی آ رہی تھیں جیسے وہ اسی جگہ کھڑے کھڑے سو جائے گا۔ جیسے ہی ہماری آنکھیں چار ہوئیں اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی اور

مسکراہٹ بھی ایسی ہی تھی جیسے وہ مجھ سے واقف رہا ہو۔

مجھے شرارت سوجھی.... والد خاں سے بھی پیچھا چھڑانا چاہتا تھا جو جان کو آ گئے تھے.... یوں ہی خواہ مخواہ میں "بھائی جان" کہہ کر اس آدمی کی طرف لپکا۔

لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے "جیتے رہو.... خوش رہو۔" کہہ کر مجھے بھینچ اور پھر میری پیٹھ ٹھونک کر بولا۔ "ارے منے تو تو اب ایک دم جوان ہو گیا ہے۔"

والد خان قریب ہی کھڑے آنکھیں مل مل کر ہم دونوں کو گھور رہے تھے۔ مجھے حیرت ضرور اور میں اس آدمی کے رویئے پر الجھن میں ضرور مبتلا ہو گیا تھا لیکن یہ یقین تھا کہ اب والد سے پیچھا چھوٹ جائے گا۔ یہی ہوا.... والد خان جھینپے ہوئے انداز میں آگے بڑھے اور تہ سے بولے۔ "معاف کیجئے گا.... مجھے غلط فہمی ہوئی تھی مگر میرا لڑکا آپ کا ہم شکل ہے۔"

"ہو سکتا ہے.... کوئی بات نہیں۔" اس آدمی نے لاپروائی سے کہا اور والد خان اپنے ستوں اور اعزہ سمیت وہاں سے چلے گئے۔

اب میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور ایک طرف چلنے ۔ میں بھی تن بہ تقدیر چلا جا رہا تھا۔

ریلوے اسٹیشن سے باہر آ کر اس نے ایک کار کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے کچھ کہنا چاہا مگر پھر موش رہا۔ کہتا بھی کیا۔ اس نے جس انداز میں اس مذاق کو حقیقت کا رنگ دے دیا تھا اپنی مثال پ تھا۔

اور اسی وقت میں نے سوچا کہ دنیا میں مجھ سے بھی زیادہ ستم ظریف لوگ کم نہ ہوں گے۔

کار تیز رفتاری سے شہر کی سڑکیں ناپ رہی تھی اور ہم دونوں خاموش تھے۔ ویسے میں بار بار کھیں پھاڑ کر اُسے گھورتا.... اور سوچتا کہ وہ آخر گونگا کیوں ہو گیا ہے۔

آخر گاڑی ایک عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ یہ کوٹھی بہت بڑی اور شاندار تھی۔ اس ا پائیں باغ کے ساتھ ہی ساتھ عقبی پارک بھی تھا اور ان کے گرد ہزاروں مربع گز کا احاطہ ۔ میں نے سوچا یا خدا اصلی باپ تو اس حیثیت کا نہیں تھا مگر نقلی بھائی.... نقلی بھائی مجھے ایک ندار کیڈیلاک کار میں یہاں تک لایا تھا۔ میں پھاٹک پر لگی ہوئی نیم پلیٹ بھی نہ پڑھ سکا۔

کچھ دیر بعد وہ ایک ملازم سے کہہ رہا تھا۔ "انہیں باتھ روم وغیرہ دکھاؤ اور ان کا سامان

مہمان خانے میں پہنچادو۔"

اور پھر مجھے معلوم ہوا کہ وہ کون تھا۔ آج کا کرنل فریدی جو اس وقت انسپکٹر فریدی کہلاتا تھا۔ مگر ایک انسپکٹر کے یہ ٹھاٹھ باٹھ دیکھ کر مجھے بڑی حیرت ہوئی تھی اور میں نے سوچا تھا کہ یہ آدمی آخر کتنا بڑا راشی ہے اور اسے کتنی رشوت ملتی ہے۔ کیا حکام بالا کو اس تزک و احتشام کی خبر ہی نہیں ہے۔

شام تک میں نے کرنل سے سچی بات کہہ دی۔ وہ سن کر کافی محظوظ ہوئے۔ لیکن انہوں نے مجھ سے یہ نہیں کہا کہ مجھے اپنے باپ سے ملنا چاہئے۔ یا میں نے غلطی کی ہے۔

میرے سامنے مستقبل کے لئے کوئی پروگرام نہیں تھا۔ اگر نہیں تھا تو مجھے اس کی پرواہ بھی نہیں تھی۔ میں تو ان دنوں خود کو قدیم یونان کے فرقہ کلبیہ کا ایک فرد سمجھنے لگا تھا۔

خود کرنل ہی نے میرے سامنے مستقبل کے لئے ایک پلان رکھا۔ ان کا خیال تھا چونکہ میں ملٹری کی سیکرٹ سروس سے منسلک رہ چکا ہوں اس لئے ان کے محکمے میں میرے لئے ضرور گنجائش نکل آئے گی۔

اور ایسا ہی ہوا۔ مجھے اسسٹنٹ سب انسپکٹر کا رینک مل گیا۔ لیکن ملٹری کے عہدے کے مطابق میں سارجنٹ حمید ہی کہلاتا رہا۔ کرنل نے مجھے شروع ہی سے اپنی ماتحتی میں رکھا تھا۔ ملازمت ملنے کے بعد ہی میں نے ایک علیحدہ مکان کرایہ پر حاصل کر لیا اور وہیں رہنے لگا۔ لیکن زیادہ دنوں تک ایسا نہیں ہو سکا۔ کرنل نے مجھے مجبور ہی کر دیا کہ میں رہوں بھی ان کے ساتھ۔

اور پھر اس کے بعد کی زندگی سے تو آپ واقف ہی ہیں۔ لیکن شاید آپ کو یہ نہ معلوم ہو کہ ایک بار کرنل ہی مجھے میرے گھر لے گئے تھے اور والد خان نے اس سلسلے میں ایک بہت بڑا جشن برپا کیا تھا۔ صلح صفائی ہوئی لیکن یہ حقیقت ہے کہ اب گھر بار سے طبیعت اچاٹ ہو گئی تھی۔

پھر آہستہ آہستہ میری کایا پلٹ ہوتی گئی۔ میں کرنل کا احسان مند ہوں کہ انہوں نے مجھے آدمی بنا دیا۔ غالباً اسی لئے انہوں نے مجھے اپنے ساتھ رکھا تھا۔ میری اصلاح کے لئے ایسے نفسیاتی پہلو اختیار کرتے کہ مجھے بھی خبر نہ ہوتی۔ شراب چھوٹی اور ان مایوسیوں کے تانے بانے میرے ذہن سے غائب ہوئے جن کا تعلق مستقبل سے تھا۔

مگر صرف ایک بات پر آج تک ان سے متفق نہ ہو سکا وہ بات آپ سے بھی پوشیدہ نہیں۔

ی ہاں.... وہی یلا یلیوں والا معاملہ.... اور یہ بھی سن لیجئے کہ اپنے قلم سے اس کا اعتراف کرتے ہوئے مجھے شرم نہیں آتی۔ شرم یوں نہیں آتی کہ آج تک میرے قدم دوستی سے آگے نہیں ڑھے۔ میں لڑکیوں میں بیٹھ کر گپیں مارنے کا شائق ہوں۔ مجھے ان سے عشق نہیں ہو جاتا۔

اوہو مگر ٹھہریئے۔ شاید آپ شہناز کی مثال پیش کریں۔ تو میں آپ کی خدمت میں یہ طلاع پیش کرتا ہوں کہ میں اس زمانے میں جب شہناز سے ملاقات ہوئی تھی بالکل اناڑی تھا۔ پھر ھی میں اس سے شادی کر ہی لیتا۔ مگر خدا ان وکیل صاحب کو (مرنے کے بعد) جنت نصیب رے جنہوں نے مجھے بال بال بچالیا.... شہناز کو وہ اڑا لے گئے۔ میرے دوست ہی تھے میں نے ں شہناز سے ان کا تعارف کرایا تھا۔ شہناز نے محسوس کیا کہ وہ اس وکیل کے ساتھ زیادہ خوش ہے گی جو ہزاروں روپے ماہوار کماتا تھا۔ میں بیچارہ تو ایک اسسٹنٹ سب انسپکٹر تھا۔ اور آج تک ں.... یہ اور بات ہے کہ حکومت کے صرف خاص سے مجھے اب اتنے الاؤنسز ملتے ہوں کہ ری تنخواہ اپنے محکمے کے ڈی۔ آئی۔ جی کی تنخواہ سے بڑھ گئی ہو۔ مگر شاباش ہے کرنل کو، وہ آج ک اتنی ہی تنخواہ لے رہے ہیں جتنی ایک انسپکٹر کی ہوتی ہے انہوں نے الاؤنسز لینا بھی منظور یں کیا۔ ورنہ ان کی تنخواہ آئی جی سے بھی زیادہ ہوتی۔

ہاں تو میں شہناز کا تذکرہ کر رہا تھا۔ وہ تو بہت خوش رہتی ہے لیکن وکیل صاحب ہر وقت اس لی کا سا منہ بنائے رہتے ہیں جیسے حلوہ سوہن کے بجائے دھوکے میں بار سوپ خرید کر کھانا شروع دیا تھا۔

بہر حال یقین کیجئے کہ میرا وہ عشق جذباتی بوکھلاہٹ کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا.... جی ا.... چلئے یہی سہی.... انگور کھٹے ہیں۔ اگر میٹھے بھی ہوتے تو آپ کا کیا بھلا ہوتا۔

چلئے میں جھیپ ہی مٹا رہا ہوں۔ اچھا بس اب خاموش۔ کہانی سنئے جس کے لئے اتنے صفحات وکئے ہیں۔

وہ ایک حسین شام تھی.... جی ہاں گھبرائیے نہیں۔ میں اسی طرح لکھنے کی کوشش کروں گا ے ناول نویس حضرات لکھتے ہیں.... یعنی وہ ایک ایسی شام تھی جو کسی ناول نویس ہی کو اپنی رف متوجہ کر سکتی تھی۔ ورنہ عام آدمی کو اتنی فرصت کہاں کہ وہ شفق کا عطر کشید کر کے ملکہ ب کے لباس زرنگار میں لگائے۔ یا شفق کے رنگ اسے ایسے معلوم ہوں جیسے افق نے اس کی

محبوبہ خاص الخاص کی اوڑھنی چرالی ہو۔ یا اور کچھ.... شام پر تو شاعری ہوتی ہے۔ نثر میں بھی بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے مگر زبان سے نہیں کہا جاسکتا۔ کیوں کہ آپ یہی سب کچھ کسی چوراہے پر کھڑے ہو کر کہنا شروع کر دیں تو ٹریفک کانسٹیبل کسی قریبی دوا فروش کی دوکان سے تھانے کو ضرور فون کرے گا کہ یہاں ایک بزرگوار ٹریفک کی نقل و حرکت میں خلل انداز ہو رہے ہیں اور پھر آپ کو وہاں پہنچا دیا جائے گا جہاں آپ ہی جیسے ہزاروں بھلے آدمی موجود ہوں گے۔ لیکن آپ ان کی نثر سنتے سنتے تنگ آکر شاعری شروع کر دیں گے۔ لیجئے میں پھر بہک گیا۔ بس اپنی کہانی خود ہی لکھتے وقت یہی دشواری آپڑتی ہے۔ مگر میں بہر حال لکھنا چاہتا ہوں۔ خواہ آپ بور ہوں خواہ پڑھ کر بغلیں بجائیں۔

وہ ایک شام ہی تھی اور مجھ پر گھر سے نکل بھاگنے کا جنون طاری تھا۔ کرنل لائبریری میں تھے اور نیلم میرے سر پر سوار تھی۔ نہ جانے کیوں کرنل نے مجھے گھر پر روک رکھا تھا۔ نیلم نے میری زندگی تلخ کر کے رکھ دی تھی اور میرا یہی دل چاہتا تھا کہ اسے یا تو جان سے مار دوں یا خود اپنی ہی گردن میں پھندا ڈال کر ہمیشہ کے لئے اس سے پیچھا چھڑالوں۔

اب آپ ہی بتایئے ایسی باتیں کس طرح برداشت کی جاسکتی ہیں۔ کچھ دن پہلے کی بات ہے میں ہائی سرکل نائٹ کلب میں ایک نئی دوست بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ ایک یوریشین لڑکی تھی اور اس کے ہونٹ مجھے بہت پسند تھے۔ وہ جب مسکراتی تو اس کے گالوں میں خفیف سے گڑھے پڑ جاتے تھے۔ مجھے ایسی مسکراہٹ والی لڑکیاں بہت اچھی لگتی تھیں۔ پتہ نہیں کیوں۔

بہر حال میں اور وہ ایک میز پر تھے اور ہم میں کتوں کی اقسام پر گفتگو ہو رہی تھی کہ یکایک نیلم آٹپکی۔ مجھے دیکھتے ہی لپک کر میز کی طرف آئی اور بولی۔

"اوہ.... فادر.... میں تمہیں کہاں کہاں ڈھونڈھ آئی ہوں۔"

میں بوکھلا گیا۔ ہزاروں بار سمجھا چکا تھا کہ باہر مجھے فادر یا بابا کہہ کر مخاطب نہ کیا کرے۔ مگر وہ نیلم ہی کیا جو چکنا گھڑا نہ ہو۔ آپ خود سوچئے۔ آپ ایک جوان آدمی ہیں اور ایک جوان لڑکی آپ کو بابا کہنے لگے۔ کیا آپ یہ نہ سوچیں گے کہ کاش آپ بابا ہونے سے پہلے ہی مر جاتے۔ یا اتنی لمبی چوڑی بے بی سرے سے پیدا ہی نہ ہوئی ہوتی۔

نیلم کے لہجے میں سنجیدگی تھی اس لئے وہ یوریشین لڑکی متحیر نظر آنے لگی۔ کبھی وہ میری

رف دیکھتی اور کبھی نیلم کی طرف۔ میرا دل چاہا کہ نیلم کی دونوں چوٹیاں پکڑ کر اس وقت زور ہاتار ہوں جب تک کہ اس کا سر انڈے کے چھلکے کی طرح شفاف نہ ہو جائے۔

اگر بات یہیں ختم ہو گئی ہوتی تو میں اسے اپنے قہقہوں پر رکھ کر برابر کرنے کی کوشش تا.... مگر وہ تو مر جانے کی حد تک بور کرنے کا تہیہ کر کے آئی تھی۔

اتنی جلدی اس نے اپنے چہرے کے آثار بدلے کہ میں متحیر رہ گیا۔ اس کے ہونٹ کانپ ہے تھے اور چہرہ دھواں دھواں ہو گیا تھا۔ آنکھیں ڈبڈبا آئی تھیں۔

اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "پاپا ممی پر ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ ڈاکٹر کہتا ہے کہ وہ ایک نتہ سے زیادہ نہ چلیں گی اور تم یہاں تفریح کر رہے ہو۔ پاپا.... اتنے ظالم نہ بنو۔"

یوریشین لڑکی کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتی میں خود ہی بوکھلا اٹھ گیا۔

"معاف کرنا....!" میں نے اس سے کہا۔ "میں ابھی آتا ہوں۔"

اور نیلم کو پیچھے ہی چھوڑ کر خود وہاں سے نکل آیا.... پھر میں نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ وہ یں رکی تھی یا میرے پیچھے لوٹ آئی تھی۔

اس مرض کا کوئی علاج نہیں ہے۔ کرنل کو وہ انکل کہتی ہے اور اُن کا بے حد احترام کرتی ہے۔ لیکن مجھے پاپا کہنے کے باوجود بھی چٹکیوں میں اڑاتی ہے۔ ویسے میں اس سے صرف اتنا ہی چاہتا ں کہ گھر پر وہ مجھے بابا، نانا، دادا یا جو کچھ بھی دل چاہے کہہ سکتی ہے۔ مگر باہر اسے اس معاملے ل سنجیدہ رہنا چاہئے۔ نہیں سنتی، نہیں مانتی۔ اب میں نے سوچا ہے کہ اس سے دور چلا اؤں.... بہت دور.... افق کے پار وغیرہ.... جہاں.... لاحول ولا قوۃ پھر بہک گیا۔ میں تو پ کو ایک کہانی سنانے جا رہا تھا۔

بہر حال وہی شام تھی جب اس کہانی کا آغاز ہوا۔ مجھے یہی اطلاع ملی تھی کہ کرنل اس وقت ئبریری میں موجود ہیں۔ لیکن انہوں نے مجھے تجربہ گاہ سے بلوا بھیجا۔ ان کی تجربہ گاہ اوپری نزل پر ہے۔

میں اوپر پہنچا لیکن تجربہ گاہ میں قدم رکھتے ہی چکر سا آ گیا۔ سامنے ہی بڑی میز پر ایک آدمی لاش پڑی ہوئی تھی جس کا پیٹ پھٹ گیا تھا۔ آنتیں باہر آگئی تھیں اور تازہ تازہ خون میز پر

چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔

لاش کی انگڑائی

میں جہاں تھا وہیں رک گیا۔ کبھی میں کرنل کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی لاش کی طرف۔ کرنل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور وہ اتنے مزے میں سگار کے کش لے لے کر دھواں بکھیر رہے تھے جیسے انواع واقسام کی شیرینی کے کسی خوان کے قریب کھڑے ہوں۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی۔ مطلب یہ تھا کہ اُن کے قریب آجاؤں۔

"اس لاش کے متعلق کیا خیال ہے۔" انہوں نے کلائی کی گھڑی دیکھتے ہوئے پوچھا۔ پھر لاش کی نبض پر ہاتھ رکھ دیا۔

"لاشوں کے متعلق کیا خیال ظاہر کروں۔ مگر یہ یہاں کیسے آئی۔"

اور پھر دفعتاً اچھل کر میں پیچھے ہٹ آیا۔ کیونکہ لاش کے ہاتھوں میں حرکت ہوئی تھی۔

میری آنکھیں حلقوں سے ابل پڑیں۔ لاش کے ہاتھ باہر نکلی ہوئی آنتیں سمیٹ سمیٹ کر پھٹے ہوئے پیٹ میں بھر رہے تھے۔

میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں کانپنے لگوں یا چیخ مار کر بیہوش ہو جاؤں۔ دوسری ہی صورت بہتر معلوم ہوئی۔ بیہوش ہی ہو جانے میں عافیت تھی۔ کیونکہ اگر وہ لاش اپنی آنتیں پیٹ میں بھر لینے کے بعد "مان مرا احسان ارے نادان کہ میں نے تجھ سے کیا ہے پیار" گانا شروع کر دیتی تو میں کیا کرتا۔

"کک.... کیا میں بیہوش ہو جاؤں۔" میں نے کرنل سے پوچھا۔

کرنل ہنس پڑے۔ پتہ نہیں میری بوکھلاہٹ پر ہنسے تھے یا کوئی اور بات تھی۔

اب میں نے دیکھا لاش اپنا پیٹ برابر کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ دونوں ہاتھ بڑی سرعت سے پیٹ پر مالش سی کر رہے تھے اور پھر وہ میز پر اس طرح آ ٹکے جیسے لاش اٹھ کر بیٹھنے والی ہو۔

لر آنکھیں بند تھیں۔

اور میں یکلخت بھاگ نکلنے کی پوز میں آ گیا تھا۔

کرنل نے مجھے وہیں ٹھہرنے کا اشارہ کیا اور وہ لاش کی طرف بڑی دلچسپی سے دیکھتے رہے۔

ں نے کچھ کہنا چاہا لیکن آواز حلق میں پھنس کر رہ گئی۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا اس منظر کو تفریح کے کس خانے میں فٹ کروں۔ کیونکہ کرنل کے چہرے پر تو اس قسم کے آثار تھے جیسے وہ اس سے بہت زیادہ لطف اندوز ہو رہے ہوں۔

میں نے ایک بار پھر کنکھیوں سے لاش کی طرف دیکھا۔ اس کی آنتیں پیٹ کے اندر جا چکی تھیں اور پیٹ کی سطح حیرت انگیز طور پر برابر ہو گئی تھی۔ کہیں بھی شگاف یا زخم کا نشان نہیں نظر آتا تھا۔

اس شخص کے خدوخال چینیوں کے سے تھے۔ جسم گٹھیلا اور قد معمول سے کچھ چھوٹا تھا۔ عمر کا اندازہ لگانا مشکل تھا کیونکہ کبھی وہ نوجوان معلوم ہوتا تھا اور کبھی ادھیڑ۔

دفعتاً اس نے آنکھیں کھول دیں اور حمید کو دیکھ کر کچھ چونک سا پڑا۔

"میرے اسسٹنٹ کیپٹن حمید:.... مسٹر چیانگ....!" فریدی آہستہ سے بولا۔

"اوہ....!" چینی نے مسکرا کر حمید کی طرف دیکھتے ہوئے سر کو خفیف سی جنبش دی پھر ایک ں انگڑائی کے ساتھ جمائی لیتا ہوا بولا۔ "یہ اور ایسے بہتیرے شعبدے کرنل۔ آپ کا کیا ہے۔"

"بہت خوب۔" کرنل مسکرائے۔ "مگر مسٹر چیانگ یہ کتنا بڑا عذاب ہے کہ خواہ مخواہ ایک وزن اٹھائے پھرو۔"

"میں عادی ہو گیا ہوں کرنل۔"

"حمید! آپ فارموسا کی سیکرٹ سروس کے چیف مسٹر کاؤ چی چانگ ہیں.... میرے پرانے ت۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔" میں لمبی لمبی سانسیں لیتا ہوا بولا۔ "لیکن کیا ابھی یہ آپ کو یقین دلانے کی کوشش کر رہے تھے کہ یہ اب بھی دوست ہیں۔"

"اوہو.... ہو.... ہو...." چینی ہونٹوں کو دائرے کی شکل میں لا کر ہنسا۔ پھر بولا۔ "یہ تو

ایک شعبدہ تھا۔"

پھر وہ سنجیدہ نظر آنے لگا۔ میز سے اتر کر وہ ایک کرسی پر آبیٹھا اور میں اسے اس طرح دیکھتا رہا جیسے وہ ابھی ہوا میں تحلیل ہو جائے گا۔

جس کرسی پر وہ بیٹھا تھا اسی کے قریب ہی ایک چھوٹا سا ہینڈ بیگ رکھا ہوا تھا۔ اس نے اسے اٹھا کر کھولا اور ایک عجیب وضع کا پائپ نکال کر اس میں سیاہ رنگ کی ایک گولی ڈالی اور پھر دیا سلائی لگاتے ہی سارا کمرہ تیز قسم کی بو سے بس گیا۔ دھوئیں کے کثیف بادل اس کے ہونٹوں سے نکل کر فضا میں منتشر ہو گئے۔

اس نے پے در پے دو تین گولیاں پی ڈالیں اور پھر کرسی کی پشت سے ٹک کر آستین سے ہونٹ صاف کیے۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔

وہ کرنل کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور پھر میری طرف دیکھنے لگا۔ اس وقت وہ نجانے کیوں سو فیصدی احمق معلوم ہو رہا تھا۔

کچھ بھی ہو میں ابھی تک اسی الجھن میں مبتلا تھا۔ ایک لاش جس کی آنتیں باہر نکل آئی ہوں اور.... وہ لاش اب ہنس رہی تھی۔ افیون پی رہی تھی۔ گفتگو کر رہی تھی اور کرنل نے اس لاش کا نام کاؤپی چانگ بتایا تھا۔ میں نے میز کی طرف دیکھا جس پر اب بھی خون پھیلا ہوا تھا۔

کرنل حسب معمول سگار پی رہے تھے اور کچھ سوچ رہے تھے۔ دفعتاً انہوں نے چانگ کو مخاطب کر کے کہا۔ "یہی وہ آدمی ہے جس کا تذکرہ میں نے آپ سے کیا تھا۔ مسٹر چانگ۔"

چانگ نے مجھے اس طرح دیکھنا شروع کیا جیسے اب پہلی بار دیکھ رہا ہو۔

"ہاں....!" وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ان میں مجھے کچھ ایسی ہی خصوصیات نظر آ رہی ہیں کرنل کیا یہ ایک مستقل مزاج آدمی ہیں۔"

"ہوں یا نہ ہوں۔" کرنل میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرائے۔ "لیکن اس معاملے میں بے حد مستقل مزاج ثابت ہوں گے۔"

"کس معاملے میں۔" میں نے پوچھا۔

"ٹھہریے....!" کاؤپی چانگ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "کیا آپ عشق کر سکتے ہیں۔"

"پندرہ ہزار میل فی گھنٹے کی رفتار سے۔" میں نے جواب دیا۔

"اجنبی عورتوں سے گفتگو کرتے وقت ہکلاتے تو نہیں ہیں۔"

"نہیں....!" میں نے کہا۔ "بشرطیکہ ان کی آنتیں پیٹ کے باہر نہ ہوں۔"

وہ پھر "ہو ہو" کر کے ہنسا۔ اس کے ہنسنے کا انداز مجھے قطعی پسند نہیں آیا تھا۔

"مجھے یقین ہے کہ یہ کام ان کے علاوہ اور کوئی انجام نہ دے سکے گا۔" کرنل نے کہا۔

میں نے سوچا آج تو ایک انہونی ہو رہی ہے۔ یعنی کرنل میرے متعلق کسی کو یقین دلا رہے ہیں کہ میں یعنی حمید (جس کا دماغ ہر وقت کھوپڑی کے گرد منڈلایا کرتا ہے) کوئی کام بھی انجام دے سکوں گا.... لیکن میں نے وضاحت نہیں چاہی۔ ضرورت بھی کیا تھی۔ اگر کرنل کوئی کام مجھ سے لینا ہی چاہتے ہوں تو میرے فرشتے بھی اس سے پہلو تہی نہیں کر سکتے۔ پھر وضاحت کے لئے بے چینی فضول تھی۔ مگر وہ لاش.... مگر یہ کاؤپی چانگ کیا بلا تھا۔

"لیکن کرنل....!" کاؤ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "مجھے توقع تھی کہ آپ خود ہی اس میں دلچسپی لیں گے۔"

"میں یقیناً دلچسپی لے رہا ہوں مسٹر چانگ۔" کرنل نے کہا۔ "مگر اس سلسلے کے کچھ کام صرف کیپٹن حمید ہی کر سکیں گے۔ مثلاً یہ کہ مجھے عشق کرنے کا سلیقہ نہیں ہے۔ کیپٹن حمید آئے دن ریکارڈ توڑتے رہتے ہیں۔"

"گراموفون کے" میں نے آہستہ سے کہا اور پھر مجھے مسٹر کاؤپی چانگ کی "ہو ہو" سننی پڑی۔

میں نے تہیہ کر لیا کہ اب کوئی ایسی بات نہیں کروں گا جس پر مسٹر کاؤپی چانگ کو ہنسنا پڑے۔ مگر میری الجھن بڑھتی جا رہی تھی اور میں بار بار اس خون کی طرف دیکھ رہا تھا جو میز پر پھیلا ہوا تھا۔

"پھر مجھے کیا کرنا چاہئے۔" مسٹر چانگ نے پوچھا۔

"آپ کیپٹن کو اپنے ساتھ لے جائیے۔"

"لیکن میں اپنی آنتیں دوبارہ اپنے پیٹ میں بھر لینے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔" میں بول پڑا۔

"اوہ.... تم اس کی پروا نہ کرو۔" کرنل نے مجھ سے کہا۔ "وہ محض اک شعبدہ تھا۔ مسٹر کاؤ حبس دم کے ماہر ہیں۔ وہ گھنٹوں مردوں کی طرح پڑے رہ سکتے ہیں.... اور....!"

کرنل خاموش ہو کر مسکرائے.... پھر بولے۔ "اور یہ دوہرا پیٹ رکھتے ہیں۔"

گفتگو انگریزی میں ہو رہی تھی۔ کاؤ نے پھر "ہو ہو" شروع کر دی تھی۔ تھوڑی دیر تک ہنستا رہا پھر بولا۔ "کیپٹن ادھر دیکھئے۔"

اس نے پیٹ کھول دیا تھا۔ ناف میں دو انگلیاں ڈال کر اسے کھینچتا چلا گیا اور ایک بار پھر اس کی آنتیں باہر نکل پڑیں۔ میں کانپ گیا۔ وہ پھر ہنسنے لگا تھا۔

ایک بار تو میں نے آنکھیں بند ہی کر لیں۔ میں خائف نہیں تھا بلکہ اس منظر سے کراہت محسوس ہوتی تھی۔ اس نے پھر آنتیں سمیٹ کر اندر کر لیں اور جس سوراخ سے آنتیں باہر آئی تھیں اس نے سمٹ کر ناف کی شکل اختیار کر لی۔

"یہ پلاسٹک کا مصنوعی پیٹ ہے اور آنتیں بھی پلاسٹک ہی کی ہیں۔" کرنل بولے۔ "اور اس پلاسٹک کے پیٹ میں بکرے کا خون بھرا ہوا تھا۔"

کاؤ اٹھ کر دوسری طرف مڑ گیا اور اس نے پشت سے قمیض اٹھائی۔ اس کی پشت پر تین پٹیاں سی نظر آئیں اور کرنل بولے۔ "یہ مصنوعی پیٹ اس طرح اصل پیٹ پر منڈھ لیا جاتا ہے۔"

"مگر اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔" میں نے کہا۔

"مائی ڈیئر کیپٹن" کاؤ میری طرف مڑ کر بولا۔ "اسی پیٹ نے کئی بار میری جان بچائی ہے۔ جب نیشلسٹ چین کا زوال ہو رہا تھا ایک بار میں ایک ندی کے کنارے دشمنوں میں گھر گیا۔ تھوڑی دیر تک تو لڑتا رہا پھر آنتیں نکال کر ڈھیر ہو گیا۔ انہوں نے مردہ سمجھ کر ندی میں پھینک دیا اور پھر میرا یہ مصنوعی پیٹ لائف بیلٹ بن گیا۔"

"لائف بیلٹ....!" میں نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں لائف بیلٹ.... یہ دیکھئے۔"

اس نے پھر قمیض اٹھا کر ناف میں پوری انگلی ڈال دی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اندر کوئی چیز ٹٹول رہا ہو۔ پھر میں نے دیکھا کہ ایک پتلی سی ربر کی نلکی باہر نکلتی چلی آ رہی ہے۔ اس نے نلکی کا سرا ہونٹوں میں دبا کر پھونکنا شروع کیا اور اس کا پیٹ پھولنے لگا۔ پھر اچھی خاصی توند نکل آئی۔ اب اس نے نلکی میں ایک گرہ دے کر چھوڑ دیا۔

"یہ دیکھئے" اس نے کہا۔ "اگر تیرتے تیرتے بازو شل ہو جائیں اور میں ہاتھ روک لوں تب بھی نہیں ڈوب سکتا۔ یہ حاملہ کا پیٹ مجھے پانی کی سطح پر ہی رکھے گا۔"

اور پھر اس نے "ہو ہو" شروع کر دی۔ یوں ہی خواہ مخواہ ہنستا رہا اور میں سوچتا رہا کہ کاش میں س کے حلق میں کپڑا ٹھونس سکتا۔

"تو کیپٹن آپ میرے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہیں۔" اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"کہاں....!"

"جہاں میں لے چلوں۔"

"مگر میرے پاس ایسی لائف بیلٹ نہیں ہے جو حاملہ کا پیٹ بن کر میری جان بچا سکے۔" ہں نے کہا۔

میں نے یہ بات کہنے کو تو کہہ دی مگر پھر بے حد افسوس ہوا۔ کیونکہ اس کی "ہو ہو" ایک بار ہر "چالو" ہو گئی تھی۔

"تم اپنے ساتھ اپنے بہترین سوٹ لے جاؤ۔" کرنل بولے۔ "اور جتنی بھی آرائشی سنوعات لے جا سکتے ہو ضرور لے جاؤ۔"

میں نے بے بسی سے سر ہلا دیا۔

"بس جاؤ تیاری کرو۔ تمہیں جو کچھ بھی کرنا ہے وہ مسٹر چانگ سے معلوم ہو جائے گا۔"

طبیعت جھنجھلا گئی اور میں نے سوچا اچھا بیٹا چانگ تم بھی کیا یاد کرو گے.... یاد کرو گے اور سر پڑ کر روؤ گے.... تمہیں بھی مرنے کے لئے یہی جگہ پسند آئی تھی۔

پتہ نہیں کیا قصہ تھا۔ کہاں جانا تھا۔ کس سے عشق کرنا تھا اگر وہ کوئی چینی ہی لڑکی ہوئی تو کیا لروں گا۔

"میں نیچے آ کر روانگی کی تیاری کرنے لگا۔ یہ تیاری بھی ایسی ہی تھی جیسے ہزاروں میل لمبا غر در پیش ہو۔ ایسی صورت میں جب کچھ معلوم ہی نہ ہو، اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ نہ کام لی نوعیت کا علم تھا اور نہ یہی پتہ تھا کہ جانا کہاں ہے۔ شروع شروع میں مجھے کرنل کا یہ طریق کار نحت ناپسند تھا۔ مگر آہستہ آہستہ مجھے احساس ہوتا گیا کہ کرنل ہر معاملے میں نفسیاتی طریقوں کو بروئے کار لاتے ہیں۔ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اگر کسی کیس کی تفصیلات کا علم پہلے ہی سے ہو جائے تو پھر کام کرنے میں وہ سرگرمی باقی نہیں رہ جاتی جو کسی الجھی ہوئی ڈور کے سلجھانے کے سلسلے میں ہونی چاہئے۔ آج میں آپ کو حقیقت بتا رہا ہوں کہ کرنل کے ساتھ کام کرنے میں مجھے

وہی لطف حاصل ہوتا ہے جو آپ کو کسی اچھی قسم کے جاسوسی ناول سے حاصل ہوتا ہے۔ ایک ایک کر کے گرہیں کھلتی ہیں۔ ایک کھلی کہ دوسری سامنے موجود ہے۔ اب اسے بھی کھولئے کہ تیسری حاضر ہے۔ بہر حال یہ ساری گرہیں غیر متوقع طور پر سامنے آتی چلی جاتی ہیں اور سرگرمی بڑھتی رہتی ہے۔ اگر ان گرہوں کی مجموعی تعداد کا علم پہلے ہی سے ہو جائے تو کیا یہ دلچسپی باقی رہے۔ میرا خیال ہے کہ میں تو بور ہو کر مر جاؤں.... بس یہ ناول کا سا انداز ہی مجھے دلچسپی لینے پر مجبور کرتا رہتا ہے۔ ویسے میں بظاہر کرنل پر تاؤ ہی کھاتا رہتا ہوں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مجھے اپنا یہ پیشہ بے حد پسند ہے۔

آپ مجھے کام چور سمجھتے ہیں۔ اس کی تمام تر ذمہ داری ہمارے تذکرہ نویس صاحب پر ہے۔ ممکن ہے انہوں نے مجھے غلط سمجھا ہو۔ یا محض صفحات بھرنے کی خاطر میری اکتاہٹوں اور کام چوری کا تذکرہ لے بیٹھے ہوں۔ میں نے جب بھی ان سے شکایت کی یہی بولے کہ جناب.... زیب داستان کے لئے بھی تو کچھ ہونا ہی چاہئے۔ عام طور پر پڑھنے والے آپ کو کسی فلمی مسخرے ہی کے روپ میں دیکھنا چاہتے ہیں جو مار دھاڑ کی فلموں میں ہیرو کے ساتھ لگا رہتا ہے۔

بڑا غصہ آتا ہے ان کی اس بات پر لیکن کیا کروں خود کرنل ہی ان کا بہت خیال رکھتے ہیں اور انہوں نے آج تک اس پر اعتراض نہیں کیا کہ یہ حمید کا پٹھا آخر فلمی مسخرہ بن کر کیوں رہ جاتا ہے۔ یہ بات ضرور ہے کہ مجھے ہنسنے ہنسانے سے عشق ہے لیکن میں کرنل کو اتنا بور بھی نہیں کرتا جتنا ہمارے تذکرہ نویس صاحب بیان کر ڈالتے ہیں۔ خیر چھوڑیئے نہ وہ میری قبر میں لیٹیں گے اور نہ میں ان کی قبر میں لیٹوں گا۔

ہاں تو میں کاؤپی چانگ کی بات کر رہا تھا۔ کیا مجھے یہ نہ سوچنا چاہئے تھا کہ آخر کاؤ مجھے یا کسی ملازم کو نظر آئے بغیر اوپر تجربہ گاہ میں کیسے پہنچ گیا تھا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد میری حیرت رفع ہو گئی جب میں نے اس بوڑھے کو دیکھا جو اکثر کرنل کے پاس آتا رہتا تھا اور میں یہ سمجھتا تھا کہ وہ ان کے والد مرحوم کا کوئی دوست ہو گا۔ کرنل اپنے والد کے دوستوں کا بے حد احترام کرتے تھے۔ بہر حال اب مجھے یہ معلوم ہوا کہ وہ بوڑھا کون تھا۔ وہ "چانگ ہی تھا۔ ادر ایک بوڑھے دیسی آدمی کے میک اپ میں کرنل سے ملتا رہتا تھا۔ اب آپ خود ہی سوچئے کہ میری کھوجی طبیعت کتنی بے چین ہوئی ہو گی۔

یہ تھا کرنل کا طریق کار.... اب اگر اس وقت میں بستر مرگ پر بھی پڑا ہوتا تو یہی دل چاہتا کہ اس کاؤپی چانگ کے پٹھے کے ساتھ ضرور جاؤں خواہ زندگی بھر ہی اس کی "ہو ہو" کیوں نہ سننی پڑے۔

چانگ کی کار کمپاؤنڈ میں موجود تھی۔ ایک معمولی سی گاڑی تھی بہر حال اس میں اس بوڑھے کی موجودگی سے شتر گربگی کا احساس نہیں ہوتا تھا۔

میں چانگ کے ساتھ کسی نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ ہم دونوں ہی خاموش تھے۔ میرا خیال تھا کہ ابھی یہ گاڑی شہر سے نکل کر کسی ویران راستے پر لگ جائے گی۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ وہ راجرس اسٹریٹ کی ایک عمارت کے سامنے رک گئی۔ خود چانگ ہی اُسے ڈرائیو کر کے یہاں تک لایا تھا۔

"اتر چلو کیپٹن....!" چانگ آہستہ سے بولا اور میں اپنا سوٹ کیس سنبھالتا ہوا نیچے اتر آیا۔

ہم ایک شاندار عمارت کے برآمدے میں کھڑے تھے۔ چانگ نے اطلاعی گھنٹی کا بٹن دبایا اور عمارت کے کسی دور افتادہ حصے سے "ٹرن.... ٹرن!" کی مدھم سی آواز آئی۔

کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور ایک مجہول سے آدمی نے سر نکال کر باہر جھانکا اور پھر ایک طرف ہٹ گیا۔ ہم دونوں عمارت میں داخل ہوئے۔ پی چانگ نے چینی زبان میں اس آدمی سے دو منٹ تک گفتگو کی اور پھر آگے بڑھتا چلا گیا۔ دروازہ کھولنے والے نے سوٹ کیس میرے ہاتھ سے لے لیا تھا۔ یہ ایک طویل راہداری تھی۔ دفعتاً پی چانگ نے میری طرف مڑ کر کہا۔ "کیپٹن آپ اس کے ساتھ اپنے کمرے میں جائیے، میں کچھ دیر بعد آپ سے وہیں ملوں گا۔"

ملازم مجھے جس کمرے میں لایا وہ صاف ستھرا اور کافی کشادہ تھا۔ ایک طرف ایک مسہری موجود تھی۔ جس پر شفاف بستر تھا۔ دو الماریاں تھیں۔ ایک میز.... ایک لکھنے کی کرسی اور دو آرام کرسیاں۔ ملازم نے سوٹ کیس ایک طرف رکھ دیا اور اس طرح کھڑا ہو گیا جیسے میرے کسی حکم کا منتظر ہو۔ میرے خیال سے وہ بھی چینی ہی تھا۔ لیکن میک اپ نے اسے اسی طرف کا آدمی بنا دیا تھا یہ اور بات ہے کہ آنکھوں کی اصلاح کسی طرح بھی نہ ہو سکی ہو۔

"کیا ہے۔" میں نے جھنجھلا کر پوچھا۔ مجھے نہ جانے کیوں اس کی موجودگی گراں گذر رہی تھی۔

"میں سوچ رہا تھا کہ پتہ نہیں آپ شغل کرنا پسند کریں یا نہ کریں۔" اس نے انگریزی میں

جواب دیا۔

"کیسا شغل....!" میں اسے گھورنے لگا۔

"افیون....!"

"نہیں.... میں افیونی نہیں ہوں۔ تمہارا بہت بہت شکریہ۔ تم جا سکتے ہو۔"

میرے افیونی نہ ہونے پر اسے اتنی حیرت ہوئی کہ اس کا منہ کھل گیا اور اس کے پھپھوند لگے ہوئے زرد دانتوں پر نظر پڑتے ہی مجھے ابکائیاں سی آنے لگیں۔

"جاؤ.... خدا کے لئے۔" میں ہاتھ ہلا کر بولا۔

"بہت اچھا.... جناب" وہ مسکرایا۔ "مگر اسے یاد رکھئے گا کہ یہ ماسٹر چانگ کا مکان ہے اور یہاں انہیں کا حکم چلتا ہے۔ آج تک کسی میں اتنی ہمت نہیں ہوئی کہ وہ ماسٹر چانگ کی پیشکش ٹھکرا سکے۔"

وہ چلا گیا اور میں بیٹھا اس پر دانت پیستا رہا۔

شہزادے کی منگیتر

چانگ کی "کچھ دیر" کا خاتمہ تقریباً دو گھنٹے بعد ہوا۔ میں اس دوران میں یہی محسوس کرتا رہا تھا جیسے میں نے سچ مچ افیون کی چسکی لگا لی ہو۔

چانگ سیاہ سوٹ میں ملبوس تھا۔ لیکن اس نے میک اپ میں تبدیلی نہیں کی تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں شاید اس نے ابھی ابھی کشیدنی افیون کے دم لگائے تھے۔

"ہاں.... کیپٹن.... ارے آپ نے ابھی تک لباس تبدیل نہیں کیا۔"

"کیسا لباس؟" مجھے غصہ آ گیا۔

"ارے.... کیا اس مردود نے آپ کو اطلاع نہیں دی تھی کہ ہم ہوٹل ڈی فرانس میں کھانا کھائیں گے۔"

"مجھے کسی مردود نے اطلاع نہیں دی۔"

"اوہ....!" اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور پھر بولا۔ "آپ بہت اچھے ہیں کیپٹن کہ آپ

کو افیون سے رغبت نہیں ہے۔ وہ کمبخت پنک میں آپ کو اطلاع دینا بھول گیا ہوگا۔ بہر حال ہم اس وقت ہوٹل ڈی فرانس میں کھانا کھائیں گے۔ میں بے حد شکر گذار ہوں گا اگر آپ لباس تبدیل کر لیں۔"

"میں یقیناً لباس تبدیل کر لوں گا۔ لیکن مسٹر چانگ کیا یہ سفر صرف ہوٹل ڈی فرانس کے کھانے ہی تک محدود رہے گا۔"

"نہیں کیپٹن.... آپ چلئے تو۔ اگر آپ عاشق مزاج ہیں تو.... ہو ہو.... ہو ہو۔"

لعنت ہے میرے عاشق مزاج ہونے پر.... اگر میں کسی عشق کے لئے متواتر اس قسم کی "ہو ہو" سنتا رہوں۔ لیکن میں خاموش ہی رہا کیونکہ کرنل نے اس کا تعارف اپنے ایک پرانے دوست کی حیثیت سے کرایا تھا۔ ورنہ میں اسے بتاتا کہ کس طرح ہنسنا چاہئے۔ اس کی ہنسی مجھے غصہ بھی دلاتی تھی اور کوفت میں مبتلا بھی کرتی تھی۔ گفتگو کرتے وقت جیسے ہی اس کے ہونٹ دائرے کی شکل اختیار کرتے میرا دم نکل جاتا۔

ہم ٹھیک نو بجے ہوٹل ڈی فرانس پہنچے۔ چانگ نے شاید پہلے ہی سے میز مخصوص کرا لی تھی۔ میز پر ریزرویشن کارڈ موجود تھا جس پر تحریر تھا۔ "مسٹر پی۔ اے پنکھا والا۔"

"مسٹر پی۔ اے پنکھا والا۔" میں نے آہستہ سے کہا اور اس کے ہونٹ دائرے کی شکل میں آنے کے لئے سکڑے ہی تھے کہ میں نے ہاتھ اٹھا کر جلدی سے کہا۔ "ٹھہرئیے مسٹر چانگ آپ کو ہنسی نہ آئے تو زیادہ بہتر ہے۔"

"کیوں؟" اس کی آنکھوں سے حیرت جھانک رہی تھی۔

"بہت زیادہ ہنسنے والوں پر مجھے بے حد غصہ آتا ہے۔"

"مگر کرنل نے تو بتایا تھا کہ آپ ہنسنے ہنسانے کی بے حد شائق ہیں۔"

"آج ساڑھے چار بجے تک یقیناً تھا۔"

"کیا مطلب....!"

"مطلب یہ کہ.... یہ کہ....!" سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہوں۔ کیا اس سے یہ کہہ دیتا کہ وہ ہونٹ سکوڑ کر ہنسنے کی بجائے باچھیں پھاڑ کر اور دانت نکال کر ہنسا کرے۔ یقیناً یہ بات اسے گہرا صدمہ پہنچاتی۔ لہٰذا میں نے کہا۔ "بات دراصل یہ ہے.... مسٹر چانگ کہ جب مجھے کوئی کام کرنا

ہوتا ہے تو میں بے حد سنجیدہ ہو جاتا ہوں۔"

"مگر اس کام میں تو سنجیدگی سے کام نہ چلے گا۔" چانگ نے تشویش کن لہجے میں کہا۔

"خیر.... میں سوچوں گا۔ فی الحال مجھے کھانے سے فراغت پا لینے دیجئے۔"

کھانے کے دوران میں اس نے مجھے بتایا کہ وہ ایک ایسی لڑکی کا معاملہ تھا جو ہنسنے ہنسانے کی بے حد شائق ہے۔ میں نے اسے یقین دلایا کہ اگر وہ ہنسنا ہنسانا پسند کرتی ہے تو میں اسے ہنسا ہنسا کر مار ڈالوں گا۔ مگر اسے اطمینان نہیں ہوا۔ میں نے دل میں کہا۔ "جہنم میں جاؤ.... پہلے میں اس لڑکی کو تو دیکھ لوں ہو سکتا ہے اسے دیکھ لینے کے بعد خود مجھے ہی کسی اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگانی پڑے۔"

جی ہاں.... اگر وہ کوئی چینی یا جاپانی لڑکی ہوتی تو.... کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں.... خیر زندہ تو رہتا لیکن شاید زندگی بھر ہنسی نہ آتی۔

"مسٹر چانگ....!" میں نے پوچھا۔ "کیا وہ کوئی چینی یا جاپانی لڑکی ہے۔"

"نہیں.... وہ ایک فرانسیسی لڑکی ہے۔" چانگ نے فرانسیسی زبان میں جواب دیا۔

"اوہ.... تب تو ٹھیک ہے۔" میں نے بھی فرانسیسی ہی میں کہا۔

"کرنل نے یہ بھی بتایا تھا کہ آپ فرانسیسی بول سکتے ہیں.... اوہ.... وہ آگئی.... کیپٹن۔"

میری نظر بائیں جانب اٹھ گئی۔ وہ بھی اُدھر ہی دیکھ رہا تھا۔ میں نے کیا.... دیکھا؟ میرے خدا.... وہ کتنی حسین تھی۔ اگر میں حاتم طائی کے زمانے کا کوئی شہزادہ ہوتا تو یقیناً میں نے اپنا گریبان پھاڑ ڈالا ہوتا۔ کوئی اور نہ ملتا تو مسٹر چانگ ہی کو اٹھا کو پٹخ دیتا پھر اس زور کا نعرہ مارتا کہ شہر بھر کی چھتیں اڑ جاتیں۔ لیکن نہ وہ حاتم طائی کا زمانہ تھا اور نہ مسٹر چانگ ہی اس بات پر تیار ہوتے کہ میں انہیں اٹھا کر پٹخ دوں۔

بہر حال وہ ایسی ہی حسین تھی کہ میں اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ بس یہ سمجھ لیجئے کہ وہ بہت حسین تھی۔ اس کے ساتھ دو مرد بھی تھے۔ پہلے میں ان دونوں کو چینی ہی سمجھا تھا مگر مسٹر چانگ نے بتایا کہ وہ انڈو چائنیز تھے۔ وہ جو کچھ بھی ہوتے میں انہیں اس خوبصورت لڑکی کے ساتھ دیکھنا پسند نہ کرتا۔

"کیپٹن اسے اپنی طرف متوجہ کیجئے۔ اس سے ملئے.... عشق کیجئے.... یہ یونان کی سائیکی

ہے۔" چانگ آہستہ سے بولا۔

"افیون سے تو شوق نہیں کرتی۔" میں نے پوچھا۔

"نہیں.... ہرگز نہیں۔ اگر یہ افیون استعمال کرتی ہوتی تو اس کی رنگت میں اتنا نکھار نہ وتا۔ اوہ کیپٹن آپ اسے بہت آسانی سے اپنی طرف متوجہ کر سکیں گے۔ یہ انگریزی اور فرانسیسی بساں طور پر بول سکتی ہے۔"

"لیکن سوال یہ ہے مسٹر چانگ کہ میں اس سے اپنے لئے عشق کروں گا یا آپ کے لئے۔"

چانگ نے ہنسنے کے لئے ہونٹ سکوڑے ہی تھے کہ میں نے بوکھلا کر کہا۔ "مسٹر چانگ کیا پ اپنے ہنسنے کا انداز نہیں بدل سکتے۔"

"کیا مطلب....!" چانگ پھر متحیر نظر آنے لگا۔ لیکن مجھے فوراً ہی جواب سوجھ گیا۔ میں نے ہا۔ "مسٹر چانگ آخر آپ کو میک اپ میں رہنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوتی ہے۔"

"کیوں نہ ہو۔" چانگ کے لہجے میں اب بھی حیرت کا عنصر موجود تھا۔ "میں اس لئے میک پ میں رہتا ہوں کہ بعض لوگ مجھے پہچان نہ سکیں۔"

"کیا آدمی اپنے اطوار و عادات سے نہیں پہچانا جا سکتا۔"

"مثلاً....!" چانگ اب بھی متحیر تھا۔

"مثلاً آپ ہونٹ سکوڑ کر ہنستے ہیں۔ یہ ایک غیر معمولی عادت ہے۔ جو عام آدمیوں میں ہیں پائی جاتی کیا آپ میک اپ میں باچھیں پھاڑ کر نہیں ہنس سکتے۔"

"اوہ....!" چانگ یک بیک سنجیدہ نظر آنے لگا۔ پھر کچھ دیر بعد آہستہ سے بولا۔ "میں یقیناً لطی پر تھا۔ آخر آپ کرنل ہی کے اسسٹنٹ تو ہیں۔"

پھر اس نے کرنل کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے شروع کر دیئے۔ حالانکہ سے یہ خیال میں نے دلایا تھا۔ مگر سارا کریڈٹ کرنل کو جا رہا تھا۔ جائے.... مجھے اس کی پرواہ نہ ی۔ میں تو متواتر اس لڑکی کو دیکھے جا رہا تھا جو اب ایک میز پر بیٹھ گئی تھی۔ لیکن اس کے دونوں ساتھی اس کے پیچھے والی میز پر تھے۔ وہ اس کے ساتھ نہیں بیٹھے تھے اور اس پر مجھے کافی خوشی وئی تھی۔

"کیا وہ اس کے ملازم ہیں۔" میں نے چانگ سے پوچھا۔

"ہاں.... باڈی گارڈ....!"

وہ لڑکی اپنی میز پر تنہا تھی اور میرے دل میں گدگدیاں سی ہو رہی تھیں۔

"کیا اسے کسی کا انتظار ہے۔" میں نے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔" چانگ سر ہلا کر بولا۔ "وہ پچھلے کئی دنوں سے تنہا بیٹھ رہی ہے۔"

"اور اس سے پہلے۔"

"اس سے پہلے اس کے ساتھ ایک بوڑھا فرانسیسی ہوا کرتا تھا۔"

"اس کا باپ....!"

"پتہ نہیں۔"

میں نے سوچا کہ اس سے تفصیل کا تقاضہ کروں مگر پھر خاموش ہی رہا۔ کیونکہ ممکن تھا کرنل ہی نے اسے تفصیل بتانے سے روک دیا ہو۔

"اچھا تو مسٹر چانگ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔"

"مسکرانا چاہئے۔" چانگ میری آنکھوں میں دیکھتا ہوا شرارت آمیز لہجے میں بولا۔ "ہنسنا چاہئے.... قہقہے لگانا چاہئے۔ اگر اس کے ساتھ دو تین راتیں بھی بسر کر لیں تو آپ امر ہو جائیں گے کیپٹن۔"

اس نے پھر ہنسنے کے لئے ہونٹ سکوڑے ہی تھے کہ میں نے ٹوک دیا اور اس بیچارے نے بڑی بے بسی سے اپنے ہونٹ بند کر لئے۔

میں نے کہا۔ "مسٹر چانگ عشق ممکن ہے لیکن راتیں گذارنے کے لئے مجھے اپنے والد صاحب سے اجازت حاصل کرنی پڑے گی۔"

وہ بیساختہ ہنس پڑا اور اس کی حالت مضحکہ خیز تھی۔ کبھی وہ باچھیں پھاڑ لیتا تھا اور کبھی ہونٹ سکوڑ لیتا تھا۔ بدقت تمام وہ خاموش ہوا اور بولا۔ "آپ اسے پھانس لینے میں کامیاب ہو جائیں گے.... مجھے یقین ہے۔"

"لیکن میں اسے پھانس کر کروں گا کیا۔ کہیں اتنا بڑا فرائینگ پین بھی نہیں ملے گا کہ اسی میز ڈال کر تل ڈالوں۔"

"بس....!" وہ منہ پر دونوں ہاتھ رکھتا ہوا بولا "اب نہ ہنسائیے! میرے لئے بہت مشکل ہے

کہ میں باچھیں پھاڑ کر ہنسوں.... بہت مشکل۔"

"مائی ڈیئر.... مسٹر چانگ اتنا معلوم کئے بغیر تو میں ہرگز نہ رہوں گا کہ اس کا مقصد کیا ہے۔"

"مقصد....!" چانگ سنجیدہ ہو گیا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا۔ "میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اس لڑکی کی پشت پر کون ہے۔ میں پولینڈ سے اس کا تعاقب کرتا آیا ہوں۔"

پولینڈ سے۔"

"ہاں کیپٹن.... اور یہ معلوم کرنا بہت ضروری ہے کہ حقیقتاً اس کی پشت پر کون ہے۔"

"کیا آپ کو شبہ ہے کہ اس کی پشت پر کوہان ہو گا۔"

اس نے ہنسنا چاہا۔ مگر پھر رک گیا۔ وہ آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔ "وہ ایک پُراسرار لڑکی ہے کیپٹن.... انتہائی پُراسرار.... اوہ میرے خدا.... وہ دیکھو.... اُدھر.... داہنی جانب جہاں ایک لڑکی کے سر پر گلاب کے پھول نظر آ رہے ہیں وہ آدمی اُسے کس طرح گھور رہا ہے۔ وہ روزانہ اسے اسی طرح گھورتا ہے۔ میں کئی دنوں سے دیکھ رہا ہوں اور وہ اسی میز پر ہمیشہ بیٹھتا ہے۔"

میں نے اس کی بتائی ہوئی سمت میں دیکھا۔ حقیقتاً ایک آدمی اسے گھور رہا تھا۔ مگر یہ بکواس تھی وہاں تو سبھی اسے گھور رہے تھے۔ حتیٰ کہ عورتیں بھی.... شاید وہ اس کے مقابلے میں خود کو کمتر محسوس کر رہی تھیں۔

"اب یہ یہاں کھانا کھا کر ہائی سرکل نائٹ کلب جائے گی۔" چانگ نے کہا۔ "اور یہ آدمی اس کا تعاقب کرے گا۔"

"اچھا....!"

ہم کھانا ختم کر چکے تھے۔ چانگ نیپکن سے ہاتھ صاف کر رہا تھا۔ اتنے میں وہ لڑکی اپنی جگہ سے اٹھی اُس کے باڈی گارڈ بھی اٹھے۔ وہ ریکریئیشن ہال کی طرف جا رہی تھی۔

"اس نے کھانا تو نہیں کھایا۔" میں نے کہا۔

"پتہ نہیں۔" چانگ سر ہلا کر رہ گیا۔ اس کی نگاہ برابر لڑکی کا تعاقب کرتی رہی۔

"مگر اس کا نام کیا ہے.... مسٹر چانگ۔"

"نام....!" چانگ نے ایک طویل سانس لی۔ "پولینڈ میں اس کا نام اینا پاولوا تھا۔ بلجیم میں

برتھا واگین۔ فرانس میں تتانیا نتورا.... انگلینڈ میں گریٹا سوئیزن اور یہاں اس کا نام ہے سوفیا د گارہم۔"

"بس.... قبر کے لئے بھی کچھ چھوڑیئے...." میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"اس کی پشت پر کون ہے۔" چانگ کچھ سوچتا ہوا بڑبڑایا۔ "اس کٹھ پتلی کی ڈور کس کے ہاتھ میں ہے۔"

"آپ نے بہت دیر سے افیون نہیں پی مسٹر چانگ۔"

"اوہ.... ہاں ابھی ہم لاؤنج میں چلیں گے۔ مگر کیپٹن اب میرا خیال ہے کہ آپ اپنا کا کیجئے۔ میں واپس جاؤں گا۔ آپ کی واپسی بھی اسی عمارت میں ہوگی جہاں میں مقیم ہوں۔ کرنل نے کہا ہے کہ میں جتنے دن چاہوں آپ کو اپنے ساتھ رکھ سکتا ہوں۔"

"آپ جاسکتے ہیں مسٹر چانگ۔ میں سب کچھ دیکھ لوں گا۔" میں نے کہا۔ حقیقتاً میں چانگ سے اکتا گیا تھا۔ وہ مجھے بالکل ڈفر معلوم ہوتا تھا۔

"شکریہ کیپٹن۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "مجھے توقع نہیں تھی کہ آپ اتنی آسانی سے پیچھا چھوڑ دیں گے۔ میں دراصل اس وقت اس داستان کے دہرانے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ ویسے کرنل کو سب کچھ معلوم ہے۔"

"میں کچھ بھی معلوم کرنا نہیں چاہتا۔ سوائے اس کے کہ وہ لڑکی کیسا ناچتی ہے۔" میں نے کہا۔

چانگ نے میرا یہ جملہ اپنا منہ دبا کر بہت پسند کیا۔ اگر فوراً ہی اٹھ نہ گیا ہوتا تو میرے کانوں کو ایک بار پھر اس کی "ہو ہو" ہضم کرنی پڑتی۔

اس کے جاتے ہی میں نے ریکریئیشن ہال کی راہ لی۔ یہاں حسب معمول رونق ہی رونق تھی۔ یعنی بے شمار لڑکیاں نظر آرہی تھیں۔ میری نظریں اسے تلاش کررہی تھیں.... اُف.... فوہ.... وہ ایک ایسی لڑکی تھی جس سے عشق کرنے کی اجازت فادر ہارڈ اسٹون سے بھی مل چکی تھی۔ آرکسٹرا موسیقی بکھیر رہا تھا۔ لیکن ابھی رقص شروع نہیں ہوا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ آخر اسے ہم رقص بنانے کیلئے کونسا راستہ اختیار کیا جائے۔ اس کے طلب گار تو سیکڑوں رہے ہوں گے۔ کئی منٹ تک ذہن پر زور دیتا رہا لیکن کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آئی۔ ویسے وہ لڑکی تو نظر آگئی تھی اور یہاں بھی وہ اپنی میز پر تنہا نظر آرہی تھی اور اس کے پیچھے کی میز پر اس کے باڈی گارڈ

ہوئے تھے۔ جن کی جیبوں میں یقینی طور پر پستول رہے ہوں گے۔ میں نے آؤ بھی دیکھا اور بھی دیکھا لیکن سیدھا اس کی میز کی طرف چلا گیا اور اتنے اطمینان سے کرسی کھسکا کر بیٹھ گیا بہت پرانی بے تکلفی ہو۔ یک بیک میں نے اس کی آنکھوں میں غصے اور حیرت کے آثار ے۔ اس کے باڈی گارڈ بھی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر کھڑے ہوگئے تھے۔

میں نے بڑی تیزی سے اپنے چہرے پر بیچارگی اور حماقت کے آثار پیدا کئے اور کپکپاتی ہوئی میں آہستہ سے بولا۔ "معاف فرمایئے گا معاف فرمایئے گا.... میں اس وقت خطرے میں ہوں۔"

"کیوں؟" وہ مجھے گھورتی ہوئی بولی اور پلٹ کر باڈی گارڈز کو بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔

"میری منگیتر نے مجھے یہاں دیکھ لیا ہے۔ اگر میں تنہا رہا تو مجھے اس کے ساتھ ناچنا پڑے گا۔"

"میں نہیں سمجھی۔" اس کی آواز میں بھی بلا کی سکس اپیل تھی۔

"اوہ.... میں کیسے سمجھاؤں۔"

"منگیتر سے بھاگتے ہو۔" اس نے حیرت سے کہا۔

"ہاں....!"

"یہ بات تھی تو منگیتر بنایا ہی کیوں تھا۔"

"یہی تو یوروپین سمجھتے نہیں۔" میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "ہمارے یہاں کے رسم ج تمہارے معاشرے کے رسم و رواج سے بالکل مختلف ہیں۔ ہمارے یہاں لڑکی یا لڑکے کا ب والدین کرتے ہیں۔"

"اوہ.... ہاں.... میں جانتی ہوں۔"

"مجھے وہ لڑکی بالکل پسند نہیں ہے۔"

"پھر میں کیا کروں؟"

"بس تھوڑی دیر مجھے یہاں بیٹھنے دیجئے۔ آپ کے پاس مجھے دیکھ کر وہ کبھی ادھر کا رخ نہ ے گی۔"

"اور دل ہی دل میں مجھے گالیاں دے گی.... کیوں؟" وہ مسکرائی۔ اور کسی قدیم ناول نویس قول کے مطابق میرے خرمن ہوش و حواس پر بجلیاں سی گرادیں۔ حقیقتاً اس کی مسکراہٹ ا دلکش تھی۔

"کچھ بھی ہو مجھے یہاں تھوڑی دیر بیٹھنے دیجئے۔"

"خصوصیت سے یہیں کیوں؟" وہ میری آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ "یہاں کئی میزوں پر تنہا لڑکیاں نظر آ رہی ہیں۔"

"لیکن سب سے پہلے آپ ہی نظر آئی تھیں اور پھر یہ دیسی لڑکیاں بڑی تنگ نظر ہوتی ہیں میں ان سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتا۔ اس وقت اگر آپ کی جگہ کوئی دیسی لڑکی ہوتی تو میری شامت آگئی ہوتی۔ وہ طوفان بدتمیزی پھیلاتا کہ خدا کی پناہ۔"

"سچی بات۔" وہ وارننگ دینے کے انداز میں انگلی اٹھا کر بولی۔ "اتنا سلیقہ مجھے بھی ہے کہ میں جھوٹ اور سچ میں امتیاز کر سکوں اور اب تم اسی صورت میں صحیح و سلامت اس کرسی سے اٹھ سکو گے جب سچی بات بتادو۔ میری باڈی گارڈ بہت زیادہ شریف نہیں ہیں۔"

یک بیک میں نے اپنے چہرے پر شدید ترین غصے کے آثار پیدا کئے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ "لڑکی ہوش میں آؤ۔ تم میری توہین کر رہی ہو۔ کیا تم نہیں جانتیں کہ میں کون ہوں۔ میری رگوں میں شاہی نسل کا خون دوڑ رہا ہے اور لوگ مجھے پرنس داراب کہتے ہیں۔ یہاں کس میں ہمت ہے کہ مجھ سے آنکھ ملا سکے۔ پچھلے سال میں نے فرانس میں تین ڈوئیل لڑے تھے۔ میں اپنے باپ مہاراجہ سرخاب کے علاوہ اور کسی سے نہیں ڈرتا۔ میری منگیتر جس سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہوں وہ بھی کوئی معمولی لڑکی نہیں۔ ریاست چڑیمار پور کی شہزادی ہے۔"

مجھے غصے میں دیکھ کر اس کے باڈی گارڈز پھر کھڑے ہو گئے۔ لیکن اس نے مڑ کر انہیں بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ پھر مسکرا کر بولی۔ "معاف کیجئے گا شہزادے صاحب مگر تعارف حاصل کرنے کا یہ ایک گھٹیا سا طریقہ ہے۔"

"تم برابر میری توہین کئے جا رہی ہو۔ میں تم پر لعنت بھیجتا ہوں۔" میں نے کہا اور اٹھ گیا۔

"بیٹھو بیٹھو! ورنہ سچ مچ یہاں خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔ میرے باڈی گارڈز کو شبہ ہو گیا ہے کہ تم میرے دشمنوں سے تعلق رکھتے ہو۔ یہ میری ایک نہ سنیں گے کیونکہ یہ کسی دوسرے کے جوابدہ ہیں۔ ٹھہرو میں نے تمہاری توہین نہیں کی.... تم مجھے بے حد دلچسپ آدمی معلوم ہوئے ہو۔ کیونکہ آج تک مجھ سے کسی نے بھی ایسے لہجے میں گفتگو نہیں کی جس لہجے میں تم کر رہے ہو۔"

میں بیٹھ گیا۔ لیکن اپنے چہرے پر جھلاہٹ کے آثار باقی رکھے اور بولا۔ "تم لڑکیوں میں یہ

بڑی کمزوری ہوتی ہے کہ خواہ مخواہ ہر ایک کو فلرٹ سمجھنے لگتی ہو۔ میں تم سے رقص کی استدعا نہیں کروں گا۔ حالانکہ یہاں نہ جانے کتنے اس کے خواہش مند ہوں گے۔ میں صرف ہی دیر اس میز پر بیٹھنا چاہتا ہوں جتنی دیر وہ یہاں موجود ہے۔"

"وہ کہاں ہے.... مجھے بھی دکھاؤ۔"

"آچ.... چھا....!" میں نے کہا۔ مگر یہ مسئلہ ٹیڑھا تھا۔ حالانکہ دور ہی سے دکھانا تھا جو کسی ح بھی خطرناک نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر سوال تھا کسی ایسی لڑکی کا جو شہزادیوں کی سی شان رکھتی جلد ہی مشکل آسان ہو گئی۔ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ اسے وہاں بیشتر عورتیں اور لڑکیاں گھور رہی تھیں۔ انہیں میں ایک گنبد نما لڑکی نظر آگئی۔ شاید آپ "گنبد نما" پر چونک پڑیں۔ ن رہئے وہ لڑکی ہی تھی۔ کوئی مقبرہ نہیں۔ میں نے اسے گنبد نما اس لئے کہا ہے کہ اس نے بال اوپر سمیٹ کر جوڑا لگایا تھا اور جوڑے کے گرد چنبیلی کے پھولوں کا ایک ہار لپٹا ہوا تھا اور ے کے اوپر ایک بڑا سا گلاب نظر آ رہا تھا۔ لباس اس کا یوریشین تھا۔ یعنی پیٹ اور کمر کھلے ے تھے۔ مگر پتہ نہیں اس نے لنگوٹی پر ساری کو کیوں ترجیح دی تھی۔ وہ اسے گھور رہی تھی۔

"وہ دیکھو وہ رہی....!" میں نے اس سے کہا۔

پھر جیسے ہی دونوں کی نظریں ملیں گنبد نما لڑکی میری طرف دیکھنے لگی۔ چلئے قصہ تمام ہوا۔

"اوہ.... وہ کافی خوبصورت ہے۔" اس نے میری طرف دیکھ کر کہا۔

"مگر مجھے تو پرستان کی بھینس معلوم ہوتی ہے۔" میں نے جھنجھلا کر کہا اور وہ ہنسنے لگی۔ اب ل ہنسی کی کیفیت کیا بیان کروں۔ اتنی دیر تک چانگ کی ہنسی سنتے سنتے کان پک گئے تھے ں انہیں پکے ہوئے کانوں میں اس نقرئی ہنسی کی آواز گویا امرت کی پچکاری معلوم ہوئی اور داراب ولد مہاراجہ سرخاب سجدہ شکر بجالانے کا ارادہ کرنے لگا۔ مگر ارادہ پورا نہ ہوا اس لڑکی نے اس کا موقع ہی نہ دیا۔ وہ اب بڑی تیزی سے میرا دماغ چاٹ رہی تھی۔

"تم بہت بدذوق آدمی معلوم ہوتے ہو۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "اس نے کتنے حیرت انگیز طور ے بال سجائے ہیں۔ اگر یہ پیرس میں ہوتی تو ہزاروں اس کے لئے جانیں دینے پر تیار تے۔"

"تو پھر عنقریب میں اسے پیرس بھجوانے کا انتظام کروں گا اور خود بھی وہیں جا کر کفن دفن

کرنے والی ایک فرم قائم کروں گا جس کے سائن بورڈ پر تحریر ہوگا شہزادی دردانہ پر جان دینے والے ہم سے تجہیز و تکفین کرائیں۔ ہم انہیں ان کے شایان شان دفن کر سکیں گے۔"

وہ ہنسنے لگی۔ کافی دیر تک ہنستی رہی پھر بولی۔ "تم بہت دلچسپ آدمی ہو۔"

میں اس کا اعتراف کرنے ہی والا تھا کہ رقص کے لئے موسیقی شروع ہوگئی۔ لوگ اٹھنے لگے اور گنبد نما لڑکی بھی اپنے ایک ساتھی کے ساتھ چوبی فرش پر اتر گئی۔

"بس.... بہت بہت.... شکریہ۔" میں اس انداز میں اٹھا جیسے سر پر پیر رکھ کر بھاگ لوں گا۔

"اوہ.... ٹھہرو....!" اس نے میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ "ہم ناچیں گے۔"

"نہیں.... اس وقت نہیں.... پھر کبھی۔"

"ابھی اور اسی وقت۔"

تھوڑی سی ردوقدح کے بعد میں ناچنے پر تیار ہوگیا اور ہم بھی رقاصوں کی بھیڑ میں آگئے۔ پہلے ہی راؤنڈ میں وہ مجھ سے کافی بے تکلف ہوگئی۔ ہم متواتر تین راؤنڈ ناچے پی چانگ کا خیال بالکل صحیح تھا وہ شاید ہنسنے ہنسانے والوں کا پیچھا نہیں چھوڑتی تھی جب ہم بہت زیادہ تھک گئے تو دوسرے دن ملنے کے وعدے پر ہم نے ایک دوسرے کو الوداع کہی۔

میں اس عمارت میں واپس آیا جہاں چانگ مقیم تھا۔ ابھی گھنٹی کا بٹن دبا ہی رہا تھا کہ کسی نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور ساتھ ہی چانگ کی "ہوہو" بھی سنائی دی۔ پھر وہ بیتابانہ انداز میں بولا۔ "اوہ کیپٹن آپ حیرت انگیز ہیں۔ اتنی جلدی.... اتنی جلدی۔ صرف چند منٹ میں اتنی بے تکلفی.... آپ جادوگر ہیں۔ میں سب دیکھ رہا تھا۔"

چانگ میرے ہاتھ چومنے لگا۔ کشیدنی افیون کی بدبو کی وجہ سے میرا دماغ پھٹا جا رہا تھا۔

بھتیجی کا چچا

صبح بستر سے اٹھنے کو دل نہیں چاہا۔ پچھلی رات تقریباً ڈھائی بجے سویا تھا اور سوتے وقت بھی اس لڑکی کے ساتھ کبھی کبھی ناچتا رہا تھا اور جب آنکھ کھلی تھی اس وقت ویسی ہی خوشگوار خوشبو محسوس ہوئی تھی جیسی پچھلی رات اس کے بالوں سے نکل رہی تھی۔ لیکن اس کے فوراً بعد

یدنی افیون کی بدبو یاد آئی اور کانوں میں پی چانگ کی "ہوہو" گونجنے لگی۔ پھر یاد آیا کہ شاید بعض قات خواب میں بھی یہ "ہوہو" پریشان کرتی رہی تھی۔

میں نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔ لیکن اب نیند کہاں تھی۔ خواب کی خوشبوئیں ذہن میں رانے لگی تھیں اور کبھی افیون کے دھوئیں کی بو انہیں چھوتی ہوئی ذہن کی لامحدود گہرائیوں میں ہو جاتی۔

دفعتاً دروازہ کھلا اور چانگ کا خبط الحواس بوڑھا ملازم ہاتھوں پر ایک چھوٹی سی کشتی اٹھائے ئے اندر داخل ہوا۔ میں اٹھ بیٹھا۔ وہ قریب آگیا۔ کشتی میں چاندی کی ایک چھوٹی سی کٹوری ی ہوئی تھی جس میں سیاہ رنگ کی کوئی سیال شے تھی۔

"یہ کیا ہے....!" میں نے پوچھا۔

"افیون جناب....!" نہایت ادب سے جواب دیا گیا۔

مجھے اس کی اس سادگی پر تاؤ آگیا۔ میں پچھلے ہی دن سے بتا چکا تھا کہ میں افیونی نہیں ہوں۔

"اسے ادھر رکھ دو۔" میں نے میز کی طرف اشارہ کیا اور خود مسہری سے اُتر آیا۔

پھر وہ افیون رکھ کر سیدھا بھی نہیں ہونے پایا تھا کہ میں نے اُسے اٹھا کر پٹخ دیا۔ وہ کسی پاگل کی طرح چیخنے لگا۔ دوسرے ہی لمحے میں میں اس کے سینے پر سوار تھا۔ اس کے کھلے ہوئے منہ میں نے کٹوری کی افیون انڈیل دی اور اس کے حلق سے خرخراہٹ بلند ہونے لگی۔

چانگ بڑی بدحواسی کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا اور حیرت سے آنکھیں پھاڑے ہمیں تا رہا۔ جب ساری افیون بوڑھے کے حلق سے اتر گئی تو میں نے اُسے چھوڑ دیا۔

چانگ سوالیہ انداز میں مجھے گھور رہا تھا۔

"میں اسے افیون پلا رہا تھا۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

چانگ نے اس کٹوری اور کشتی کی طرف دیکھا اور ملازم پر برس پڑا۔ پتہ نہیں وہ کیا بک رہا ۔ تھوڑی دیر تک دونوں "چوں چوں چاں چاں" کرتے رہے اور پھر بوڑھا ملازم میرا شکریہ ادا کے چلا گیا۔

"آپ نے بہت بُرا کیا کیپٹن۔" چانگ بولا۔

"میں نے کل ہی اس گدھے کو بتا دیا تھا کہ میں افیون استعمال نہیں کرتا۔"

"ارے آپ اسے قتل کر دیتے! مگر اب وہ سور کا بچہ ہر دوسرے گھنٹے پر یہ بھول جائے گا
آپ افیون استعمال نہیں کرتے اور میری نہایت نفیس قسم کی افیون اس حرام زادے کے ناپاک
حلق سے اترتی رہے گی۔"

مجھے ہنسی آگئی اور چانگ بولا۔ "کبھی نہیں اسے ہمیشہ پہلے دو جوتے لگائیے پھر بات کیجئے۔
کا دماغ بالکل درست رہے گا اور وہ کوئی بات نہ بھولے گا۔"

میں نے اس کے مشورے پر عمل کرنے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ میرے جوتے انشورڈ نہیں ت

"خیر.... " چانگ سر ہلا کر بولا۔ "میں دراصل اس لئے آیا تھا کہ آپ کو آپ کے کارنا
کا نتیجہ سنادوں۔"

"کون سا کارنامہ۔"

"پچھلی رات کا کارنامہ۔" چانگ ایک لمبی سانس لے کر بولا۔ "آپ کی نگرانی شروع ہ
ہے۔ میرا خیال ہے کہ پچھلی رات ہی کو آپ کا تعاقب کیا گیا تھا۔"

"کیوں؟"

"صبح سے ایک آدمی عمارت کے سامنے موجود ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ اسی لڑکی
آدمیوں میں سے ہے۔"

"اوہ.... تو کیا اس لڑکی کو مجھ پر شبہ ہو گیا ہو گا۔"

"ضروری نہیں ہے۔ لیکن اس آدمی کو ضرور شبہ ہو سکتا ہے جو اس کی پشت پناہی
ہے۔" چانگ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"آہا.... تب تو اس بیچاری کا کوئی قصور نہیں۔ وہ انتہائی شریف اور نیک لڑکی معلوم
ہے۔"

چانگ اس پر اس طرح چونکا جیسے میں نے اسے کوئی گندی سی گالی دی ہو۔

"اس خیال کو دل سے نکال دیجئے کیپٹن۔" چانگ نے مغموم لہجے میں کہا۔ "ورنہ یہ
چانگ دوہرا پیٹ رکھنے کے باوجود بھی جہنم میں پہنچ جائے گا۔ کیا آپ سچ مچ اس کے عشق میں
ہوگئے ہیں۔"

میں نے بے بسی سے سر ہلا دیا۔ چانگ نے بھی ایک لمبی سانس لی اس کے چہرے

لوم ہو رہا تھا جیسے وہ ابھی ابھی اپنے اکلوتے بیٹے کو دفن کر کے آیا ہو۔ میں بھی اس طرح
موش ہو گیا جیسے میں اس سلسلے میں اس کی کوئی بات نہ سننا چاہتا ہوں۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔

"مجھے کرنل نے یقین دلایا تھا کہ آپ کو سچ مچ کسی سے عشق نہیں ہو سکتا۔ آپ صرف اسے
توف بنائیں گے۔"

"مسٹر چانگ مجھے افسوس ہے کہ میں اس لڑکی کو بیوقوف نہیں بنا سکوں گا۔"

"تب تو میں ڈوب گیا۔" چانگ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"کیا یہ ممکن نہیں ہے مسٹر چانگ کہ میں اس آدمی کو جو اس کی پشت پر ہے آپ کے حوالے
کے اس سے شادی کر لوں۔"

"نہیں.... میں اسے بھی قابو میں کرنا چاہتا ہوں۔ آخر آپ اسے کیا سمجھتے ہیں۔"

"اوہ اُسے۔" میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور آہستہ سے بولا۔ "میں اسے سفید افیون
مجھتا ہوں مسٹر چانگ.... مگر افسوس نہ تو میں اسے پائپ میں رکھ کر پی سکتا ہوں اور نہ گھول کر
سکتا ہوں میں کیا کروں میری سمجھ میں نہیں آتا۔"

"اچھا.... اچھا....!" چانگ غمگین آواز میں بولا۔ "آپ اس سے شادی کر لیجئے گا مگر مجھے
علوم ہونا چاہئے کہ وہ کون آدمی ہے جو اس کی پشت پناہی کر رہا ہے۔"

"شکریہ.... مسٹر چانگ.... یہ آپ کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔" میں نے کہا۔ "میرا
خیال ہے کہ میں اس عمارت میں پرنس داراب کی نیم پلیٹ لگوادوں۔"

"یہ بہت اچھا خیال ہے۔ میں نے بھی یہی سوچا تھا۔ اب یہ ضروری ہے کہ میں یہاں سے
ہیں اور چلا جاؤں۔ کیونکہ اس نے مکان کی نگرانی شروع کرادی ہے۔"

"مجھے اس کی "ہوہو" یاد آگئی اور میں نے خلوص نیت سے اس کے اس خیال کی تائید کرتے
ہوئے کہا۔ آپ اپنے آدمیوں کو بھی لے جائیے۔ ملازموں کا انتظام میں کر لوں گا۔

وہ اس تجویز پر بے حد خوش ہوا اور مجھے اس بات پر بے حد خوشی ہوئی کہ اس نے اپنی خوشی کا
اظہار "ہوہو" کر کے نہیں کیا۔

شام تک وہ اپنے آدمیوں سمیت وہاں سے چلا گیا۔ لیکن جب وہ وہاں سے جا رہا تھا کوئی بھی
ایسا آدمی نہیں نظر آیا جس پر مکان کی نگرانی کرنے کا شبہ کیا جا سکتا۔

اس کے بعد میں نے اپنے تین ماتحتوں کو وہاں طلب کر لیا اور پھاٹک پر پرنس داراب کے نا
کی تختی لگادی گئی۔ کرنل نے اپنی لنکن بھی مجھے ہی بھجوادی تھی۔ انہوں نے بھی اس رائے سے
اتفاق کیا تھا کہ چانگ وہاں سے چلا جائے۔ لیکن انہوں نے مجھے اب بھی کچھ نہ بتایا۔ ویسے مجھے
یقین تھا کہ چانگ نے انہیں سارے حالات سے آگاہ کیا ہوگا۔ مگر کرنل کا مقولہ تھا کہ اگر آدمی
دائرہ معلومات اس کی قوت عمل سے زیادہ ہو تو وہ اپاہج ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس صورت میں وہ باتیں
تو بڑی لمبی چوڑی کرتا ہے لیکن عملی اعتبار سے صفر ہی رہتا ہے۔ میں نے کرنل کو پچھلی رات کے
واقعات سے بھی مطلع کر دیا تھا اور ان سے مجھے ہدایت ملی تھی کہ میں اپنی ملاقاتیں جاری رکھوں۔
ہاں شاید میں نے ابھی تک اس کا تذکرہ نہیں کیا کہ میں بھی میک اپ میں تھا۔ چانگ کے
ساتھ روانہ کرنے سے قبل کرنل نے میرے چہرے کی تھوڑی سی مرمت کی تھی۔

رات کو میں پھر ہوٹل ڈی فرانس میں تھا۔ لیکن گیارہ بجے تک وہ نہیں آئی۔ میں ریکریئشن
ہال کی اسی میز پر اس کا انتظار کرتا رہا جس پر ہم دونوں پچھلی رات تھے۔ رقص کے دوران میں
اچانک اعلان کرنے والے مائیک سے آواز آئی۔

"پرنس داراب پلیز.... جناب والا.... آپ کی کال ہے۔ منیجر کے کمرے میں تشریف لائیے۔"

میں اٹھ کر منیجر کے کمرے کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں میں نے جس سے فون پر بات کی وہ
سوفیا ہی تھی۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ بعض وجوہ کی بناء پر ہوٹل ڈی فرانس نہیں آسکی لیکن اب وہ
ہائی سرکل نائٹ کلب میں میرا انتظار کر رہی ہے۔

میں باہر آیا.... اور لنکن میں بیٹھ کر ہائی سرکل کلب کی طرف روانہ ہو گیا۔

مجھے یقین ہے کہ میرا تعاقب کیا جا رہا تھا۔ اب پتہ نہیں تعاقب کرنے والا چانگ تھا یا اور
کوئی۔ تعاقب کا یقین اس وقت ہو گیا جب میں نے اپنی گاڑی غیر ضروری طور پر ادھر اُدھر کی
گلیوں اور سڑکوں پر بھٹکانی شروع کر دی کیونکہ پیچھے لگی ہوئی کار ایک بار بھی کسی دوسرے راستے
پر نہیں مڑی۔ بس اس نے مجھے کلب تک پہنچا کر ہی دم لیا۔ جب میری گاڑی کلب کی کمپونڈ میں
داخل ہو رہی تھی پچھلی کار فراٹے بھرتی ہوئی آگے چلی گئی۔

سوفیا ڈائننگ ہال میں موجود تھی۔ مجھے دیکھ کر بڑے دل آویز انداز میں مسکرائی آج بھی
دونوں گارڈ اسکے ساتھ تھے۔ میں نے محسوس کیا وہ کینہ توز نظروں سے میری طرف دیکھ رہے ہیں۔

میں سیدھا اس کی میز کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

"ہلو پرنس....!" اس نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

میں نے اپنا ہاتھ ڈھیلا چھوڑ دیا۔ کیونکہ میں کسی قسم کی گرم جوشی ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"یہ بڑا غلط طریقہ تھا۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"کیسا طریقہ میں نہیں سمجھی.... بیٹھو....!"

"اس طرح فون کرنے کی کیا ضرورت تھی اگر آج ہم نہ ملتے تو دنیا کے جغرافیہ میں کون سی
تبدیلی واقع ہو جاتی۔"

"اوہ کیا تم نہیں آنا چاہتے تھے۔"

"آنا چاہتا تھا لیکن میں اسے پسند نہیں کرتا کہ کسی پبلک مقام پر میرا نام مائیکرو فون پر
لیا جائے۔"

"کیوں....!"

"تم خود سوچو! کتنی بدنامی کی بات ہے.... پرنس داراب اور ہوٹل ڈی فرانس جیسا گھٹیا
ہوٹل....!"

"اوہ.... مگر وہ تو ایک شاندار ہوٹل ہے۔"

"میری نظروں میں نہیں ہے۔"

"ختم کرو۔ میں آج دن بھر تمہارے متعلق سوچتی رہی۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہم
پہلے بھی کہیں ملے ہوں۔"

"ہو سکتا ہے" میں نے لاپروائی سے کہا اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔ میں سوچ رہا تھا کہ وہ
حقیقت بیان کر رہی ہے یا چانگ کے خیال کے مطابق اسے مجھ پر کسی قسم کا شبہ ہو گیا ہے یا پھر وہ
اسی آدمی کی ہدایت پر مجھ سے قریب ہونے کی کوشش کر رہی ہے جو چانگ کے بیان کے مطابق
اس کی پشت پناہی کر رہا ہے۔ وہ خود کتنی بھولی اور بے ضرر معلوم ہوتی ہے بعض اوقات تو چانگ
کے اندیشوں کا مضحکہ اڑانے کو دل چاہتا تھا۔

"تم کون ہو۔" میں نے اس سے پوچھا۔ "کہاں سے آئی ہو.... کیا مجھے اپنے متعلق کچھ نہ
بتاؤ گی۔"

"میں بھی پسند نہیں کرتی کہ لوگ مجھے پہچانیں۔"

"کیوں....؟" میں اسے گھورنے لگا۔ کیا وہ مجھے اپنی اصلیت بتانے جا رہی تھی؟

"میں فرانس کے ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتی ہوں جو بہت معزز ہے۔"

"تو کیا میں گدھوں کے خاندان سے تعلق رکھتا ہوں۔" میں نے جھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

"شاید....!" وہ میری آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی۔ "تم نے ابھی تک تو اپنے آدمی ہونے کا ثبوت دیا نہیں۔"

"اگر میں یہ میز الٹ دوں تو تم کہاں ہو گی۔" میں نے دانت پیس کر کہا۔

"جہاں بھی ہوں گی وہاں تم بھی پہنچ جاؤ گے۔ میرے باڈی گارڈز یہاں موجود ہیں۔"

"ان دونوں کو بیک وقت چیلنج کر سکتا ہوں۔"

"کیوں؟ کیا ہوا ہے تمہیں۔ کل تو تم اچھے خاصے تھے۔"

"تو آج ہی کونسا شیو بڑھا ہوا ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں آج بھی اچھا لگ رہا ہوں گا۔"

"کیا تم کریک ہو..... میں تمہیں ابھی تک نہیں سمجھ سکی۔"

"لڑکیوں کے بس کا روگ نہیں ہوں۔ پچاسی سال کی بوڑھیاں بھی مجھے سمجھنے سے قاصر رہتی ہیں۔ تم خود ہو گی کریک۔"

"پھر بھی تم مجھے دلچسپ معلوم ہوتے ہو۔" وہ ہنسنے لگی اور نہ جانے کیوں مجھے چانگ کی ہنسی یاد آ گئی۔

میرے خدا وہ کس بُری طرح میرے ذہن سے چپک کر رہ گئی تھی۔ بعض اوقات تو مجھے ایسا محسوس ہونے لگتا جیسے میں بھی کسی موقع پر غیر شعوری طور پر اسی طرح "ہو ہو" کر سکتا ہوں۔

میں خاموش ہو گیا۔

دفعتاً میری نظر اس راہداری کی طرف اٹھ گئی جس سے پیشاب خانوں کی طرف راستہ جاتا تھا۔ وہاں مجھے کرنل نظر آئے۔ جیسے ہی ہماری نظریں ملیں وہ راہداری میں مڑ گئے۔ سوفیا کی پشت اسی طرف تھی اس لئے وہ نہ دیکھ سکی۔ اگر دیکھ بھی لیتی تب بھی کوئی ایسی خاص بات نہ تھی۔ کرنل کے مخصوص قسم کے اشاروں کو سمجھنا بھی ہر ایک کے بس کی بات نہ تھی۔ انہیں اس وقت درجنوں آدمیوں نے دیکھا ہو گا لیکن کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ انہوں نے مجھے کس قسم کا اشارہ

تھا۔ یہ تو صرف میں جانتا تھا کہ ان کا مقصد یہ ہے کہ میں اُس طرف آؤں۔

"اوہ.... میں ذرا باتھ روم تک جاؤں گا۔ ابھی آیا۔" میں نے سوفیا سے کہا اور اٹھ گیا۔

ی رفتار بھی کچھ ایسی ہی تھی جیسے اگر میں نے باتھ روم تک پہنچنے میں جلدی نہ کی تو کوئی حادثہ جائے گا۔

اس حصے میں سناٹا تھا کرنل نے مجھے ہلکی سی سیٹی سے اپنی طرف متوجہ کیا وہ دیوار سے لگے ے تھے۔

"میں صرف یہ کہنا چاہتا تھا کہ اگر وہ تمہیں کہیں لے جانا چاہے تو بے خوف چلے جانا۔" ں نے کہا۔

"بس اتنی سی بات کے لئے.....!" میں نے بُرا سا منہ بنایا۔

"میں نے سوچا تم حالات مد نظر رکھتے ہوئے اسے ٹالنے کی کوشش نہ کرو۔"

"حالات والات آپ کے ساتھ ہوتے ہوں گے۔ میں تو ایک ٹانگ پر اچھلتا ہوا جاتا موت ف ایک بار آتی ہے.... اور خوبصورت لڑکیاں بار بار ملتی ہیں۔ لہٰذا میں ایک بار والے معاملے بالکل پرواہ نہیں کرتا۔"

کرنل اس انداز میں مسکرائے جیسے زندگی میں پہلی بار میری کوئی بات پسند آئی ہو۔

"دفع ہو جاؤ۔" انہوں نے کہا اور عقبی دروازے کی طرف مڑ گئے۔

میں ہال میں واپس آ گیا۔ سوفیا مجھے دیکھ کر مسکرائی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بہت بے ی سے میرا انتظار کرتی رہی ہو۔

میں خوش ہو گیا خوشی کی بات بھی تھی۔ اگر آپ یہ محسوس کر لیں کہ کوئی لڑکی آپ کا انتظار ا کر سکتی ہے تو آپ کا کیا حال ہو گا۔ اس کی پرواہ نہیں کہ وہ لڑکی بھینس کی نواسی ہے یا گینڈے بھتیجی۔

میں بیٹھ گیا۔ وہ تھوڑی دیر تک میرے چہرے کا جائزہ لیتی رہی پھر بولی۔ "کیا پیو گے۔"

"کچھ بھی نہیں۔"

"وہسکی سوڈا یا اور کچھ۔"

"میں شراب نہیں پیتا۔"

"تم جھوٹے ہو۔"

"میں اس بے تکلفی کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتا۔" میں نے پھر نتھنے پھلائے اور وہ اس انداز میں ہنسنے لگی جیسے مجھے چڑا رہی ہو۔

"اے سوفیا میں بہت بُرا آدمی ہوں۔" میں نے غصیلا لہجہ برقرار رکھا۔

"تم کیا کرلو گے میرا۔"

"میں نے نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر دوسری طرف منہ پھیر لیا۔"

لیکن وہ میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ "خفا ہوگئے؟"

کہنے کے انداز میں اتنی لگاوٹ تھی کہ بے اختیار وہیں شہید ہو جانے کو دل چاہا۔ لیکن پھر خیال سے شہید ہو جانے کا ارادہ ترک کر دینا پڑا کہ اس قسم کی شہادت فادر ہارڈاسٹون کو میری ہر تک میں گھس آنے پر مجبور کر دے گی۔

"میرا موڈ خراب ہو گیا ہے۔" میں نے چڑچڑاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

"تم سنو تو سہی تمہاری وجہ سے میں بہت الجھن میں پڑ گئی ہوں۔ کیا تم فرانسیسی سمجھ سکتے ہو۔"

"بول بھی سکتا ہوں۔"

"نہیں....!" اس نے خوشی اور حیرت ظاہر کی۔

"یقین کرو کہ میں فرانسیسی بول سکتا ہوں۔" میں نے فرانسیسی میں کہا۔

"میرے خدا.... تب تو تم میری مدد کر سکو گے۔"

"کیا مطلب....!"

"اب ہم فرانسیسی میں گفتگو کریں گے۔ کیونکہ میرے باڈی گارڈز فرانسیسی نہیں سمجھ سکتے۔"

"ہوں....!" میں نے دلچسپی ظاہر کی۔

اس کے چہرے پر الجھن کے آثار پائے جانے لگے۔ یا تو وہ سوچ رہی تھی کہ بات کا آغاز کیسے کرے یا پھر اس ادھیڑبن میں مبتلا تھی کہ وہ بات مجھے بتائے یا نہ بتائے۔ کچھ دیر بعد اس نے طویل سانس لی اور آہستہ سے بولی۔ "میں نہیں سمجھ سکتی کہ میں کن حالات سے دوچار ہوں.... میرے چچا.... اوہ.... میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں یہ بات کہاں سے شروع کروں.... ٹھہرو.... پہلے تو تم بھی سوچو گے کہ میں نے یہ بات تم سے کیوں کہی۔ ابھی کل ہی تو ہماری ملاقات ہوئی

ہے مگر اس کی بھی ایک وجہ ہے۔ فرض کرو تم میرے چچا ہو۔"

"یہ فرض کرنے سے پہلے میں مر جانا زیادہ پسند کروں گا۔" میں جلدی سے بول پڑا۔

"میری بات سنو۔" وہ جھلا گئی اور اس جھلاہٹ میں بچکانیت کا انداز تھا۔ اس نے کہا "مجھے بات کرنی نہیں آتی۔ میں یہ کہہ رہی تھی کہ میرے چچا نے مجھے تم سے ملنے سے نہیں روکا۔ حالانکہ اس سے پہلے جب بھی کسی نوجوان نے میرے قریب آنے کی کوشش کی ہے تو وہ بہت خفا ہوا ہے اور دوسری بار اس سے نہیں ملنے دیا۔ لیکن تمہیں اس نے کل بھی دیکھا تھا اور آج بھی دیکھ رہا ہے۔ اس نے مجھ سے یہ نہیں کہا کہ تم سے نہ ملوں۔ میں نہیں سمجھ سکتی.... وہ مجھ سے ہمیشہ دور دور رہتا ہے۔ میرے ساتھ نہیں رہتا.... مگر میں اس کی غلام سے بدتر ہوں۔"

"وہ یہاں کہاں ہے۔"

"بائیں جانب دیکھو.... وہ جس کے بال الجھے ہوئے سے ہیں۔ خبیث صورت.... خدا اس پر عذاب نازل کرے۔" اس نے بائیں جانب دیکھے بغیر کہا اور میں نے بھی مناسب نہیں سمجھا کہ فوراً ہی بائیں جانب دیکھنے لگوں۔ میں سوفیا ہی کی طرف دیکھتا ہوا کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔ جیب سے پائپ نکال کر اس میں تمباکو بھری اور بائیں جانب جھک کر سلگانے لگا۔ اسی دوران میں نے بائیں جانب نظر بھی دوڑائی اور آخر مجھے ایک الجھے ہوئے بالوں والا خبیث صورت غیر ملکی نظر آ ہی گیا۔ اس نے غلط نہیں کہا تھا کہ وہ خبیث صورت تھا۔ اس کے جبڑے بھاری تھے اور تھوتھنی سور کی سی تھی۔

"ہاں.... وہ مجھے اچھا آدمی نہیں معلوم ہوتا۔"

"خدا اسے غرقاب کرے۔ پتہ نہیں وہ میرا چچا ہے بھی یا نہیں۔"

خطرہ ہے

مجھے اس پر بے حد حیرت ہوئی اور میں نے حیرت ظاہر کی.... بلکہ اسے یقین دلانے کی کوشش کرنے لگا کہ میں اس کے اس عجیب و غریب بیان کو صحیح تسلیم نہیں کر سکتا۔

"ارے تم سنو تو سہی میں ایک یتیم اور بے سہارا لڑکی ہوں۔ اس میں شبہ نہیں کہ میں

فرانس کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتی ہوں لیکن اب اس خاندان میں میرے چچا کے علاوہ اور کوئی باقی نہیں بچا۔ وہ بھی ڈچ گی آنا کا باشندہ ہے۔ ڈیڑھ سال قبل وہ فرانس آیا تھا اس نے مجھے بتایا کہ وہ میرا چچا ہے۔ ویسے میں نے اپنے دور کے عزیزوں سے سنا تھا کہ میرا چچا ڈچ گی آنا میں رہتا ہے جو بچپن ہی میں گھر سے چلا گیا تھا۔ وہ مجھ سے ملنے آیا۔ لیکن میں یقین نہ کر سکی کہ وہ میرا چچا ہی ہے۔ پھر مجھے خیال آیا کہ میرے دور کے اعزہ میں ایک بہت بوڑھا آدمی زندہ ہے جس نے بچپن میں اسے یقینی طور پر دیکھا ہوگا۔ میں اپنے اس چچا کو اس کے پاس لے گئی اور وہ بوڑھا آدمی اسے بہت دیر بعد پہچان سکا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اس وقت بہت چھوٹا تھا جب اس نے اسے دیکھا تھا۔ لیکن وہ میرا چچا ہی ہے۔ مجھے اس لئے اور بھی یقین کرنا پڑا کہ میری حالت اچھی نہیں تھی۔ میں نے سوچا کہ بھلا کسی غریب لڑکی کو بھتیجی بنانے سے کیا فائدہ اور پھر وہ ایک مالدار آدمی تھا۔ اس لئے میں نے سوچا ممکن ہے وہ سچ کہہ رہا ہو۔ میں نے اسے اپنا چچا تسلیم کر لیا۔ اس نے یورپ کی سیاحت کا پروگرام بنایا تھا۔ مجھ سے خواہش ظاہر کی کہ میں بھی اس کا ساتھ دوں۔ میں ساتھ ہو گئی۔ مفت کی سیاحت تھی اور ایک مالدار چچا۔ لیکن فرانس سے باہر نکلتے ہی وہ عجیب غریب ثابت ہونے لگا۔ میرے لئے دو باڈی گارڈ مقرر کر دیئے اور جس ہوٹل میں مجھے ٹھہراتا تھا وہاں خود نہیں قیام کرتا تھا۔ کسی دوسرے ہوٹل میں اس کا قیام ہوا کرتا تھا.... مجھ پر کسی قسم کی پابندی نہیں تھی سوائے اس کے کہ اگر اسے کہیں باہر دیکھ لوں تو اس سے مخاطب ہونے کی کوشش نہ کروں۔"

"تم نے اس پر احتجاج نہیں کیا۔" میں نے پوچھا۔

"کیا تھا لیکن اس نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ کچھ نہیں بتایا پھر میں نے سوچا حرج ہی کیا ہے۔ پہلے میں مفلسی کی زندگی بسر کرتی تھی اب عیش کر رہی ہوں اور ابھی تک مجھے کوئی ایسا کام بھی نہیں کرنا پڑا جس پر میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا۔ لہٰذا میں خاموش ہو رہی۔ لیکن الجھن.... تم خود سوچو.... ایسی حالت میں کتنی الجھن ہو سکتی ہے۔ یورپ کی سیاحت ختم کر چکنے کے بعد اس نے ایشیا کی سیاحت کا پروگرام بنایا۔ اب ہم یہاں آئے ہیں۔ لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر اس سیاحت کا مقصد کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ایشیا کی سیاحت کے بعد وہ مجھے ڈچ گی آنا لے جائے گا۔ جہاں اس کا بہت بڑا بزنس اور کروڑوں کی جائیداد ہے اور میں ہی دراصل اس کی وارث ہوں۔ کیونکہ د

ہے۔ اس نے شادی ہی نہیں کی تھی۔"

"تب تو تم بڑی خوش قسمت ہو۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"میرے خدا.... میں لعنت بھیجتی ہوں ایسی خوش قسمتی پر.... تم یہ تو دیکھو کہ وہ اسی طرح ے ساتھ ساتھ لگا رہتا ہے اور ہم اجنبیوں کی طرح ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں۔ لیکن ا مقصد نہیں معلوم ہوتا۔ جو کچھ وہ کہتا ہے اس پر میں یقین نہیں کر سکتی۔"

"کیا کہتا ہے۔"

"یہی کہ ڈچ گی آنا ایک عجیب و غریب ملک ہے۔ میں تمہیں وہاں کی زندگی کیلئے ٹریننگ دے دں۔ لیکن جب پوچھتی ہوں کہ کیسی ہے وہاں کی زندگی تو جواب ملتا ہے کہ خود ہی دیکھ لو گی۔"

"اور وہ کسی نوجوان کو تمہارے قریب نہیں آنے دیتا۔"

"نہیں.... لیکن تمہارے متعلق اس نے ابھی تک کچھ نہیں کہا۔"

"اور تم پہلی بار کسی کو یہ داستان سنا رہی ہو۔"

"پہلی بار.... یقین کرو.... میں تنگ آ گئی ہوں اس الجھن سے۔ میں اس کے بہت بڑے س اور کروڑوں کی جائیداد پر لعنت بھیج کر فرانس واپس جانا چاہتی ہوں۔ ایسی الجھن سے میں ا اپنی مفلسی کی زندگی میں بھی دوچار نہیں ہوئی۔"

"واقعی یہ داستان عجیب ہے۔"

"اب بتاؤ تم میری کیا مدد کر سکتے ہو۔"

"یہی سوچ رہا ہوں۔" میں نے کہا۔ میں حقیقتاً سوچ رہا تھا کہ اس کے متعلق کیا کرنا چاہئے۔ بات تو چانگ نے بھی کہی تھی کہ وہ کسی کے ہاتھوں کٹھ پتلی ہو رہی ہے اور چانگ اس آدمی کا پتہ انا چاہتا تھا۔ مجھے یاد آیا کہ چانگ نے آج ہی صبح کسی ایسے آدمی کا تذکرہ کیا تھا جو ہماری رہائش گاہ ا نگرانی کر رہا تھا۔ یہ خیال بھی چانگ ہی نے ظاہر کیا تھا کہ ہو سکتا ہے سوفیا اس سے بے خبر ہو اور س آدمی نے نگرانی شروع کرائی ہو۔ مگر پھر میں نے سوچا کہ چانگ تو یورپ کی سیاحت کے وران ہی سے ان کا تعاقب کرتا رہا ہوگا لہٰذا یہ آدمی جسے وہ اپنا چچا بتا رہی تھی کئی بار اس کی نظروں سے گذرا ہوگا۔ لہٰذا اسے اس کے متعلق بھی چھان بین کرنی ہی چاہئے تھی میں ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ وہ بولی۔

"تمہیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ بعض اوقات میں اسے پہچان ہی نہیں سکتی۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"وہ اپنی صورت تبدیل کرلیتا ہے اور مجھے آگاہ کردیتا ہے کہ فلاں جگہ موجود ہوں او شکل میں ہوں تم وہاں پہنچو۔ لیکن اگر تم سے کوئی غیر ذمہ دارانہ حرکت سرزد ہوئی تو نتیجہ خود ذمہ دار ہوگی۔"

"اوہ.... تو کیا اس وقت بھی وہ میک اپ میں ہے۔"

"ہاں.... وہ میک اپ ہی میں ہے۔"

"اور تمہیں خود کو پچھوا دیا ہے۔"

"ہاں یہ بات بھی مجھے الجھن میں ڈالتی ہے۔ اگر وہ میری نگرانی کرتا رہتا ہے تو مجھے ہ اسی بات سے آگاہ کردے کہ وہ فلاں جگہ موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ میں اس سے خوف کھاؤ اور جو کچھ وہ کہتا ہے وہی کروں گی پھر آخر خود کو پچھوانے کی کیا ضرورت ہے۔"

"بات غور طلب ہے۔" میں نے سر ہلا کر کہا۔

"پھر تم میری کیا مدد کرسکتے ہو۔"

"میں پتہ لگاؤں گا کہ وہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔"

"نہیں تم یہاں کی پولیس کو اس کی اطلاع دے دو۔ خدا کے لئے جو کچھ بھی کرنا ہے ? کرو۔ اب مجھے بہت خوف معلوم ہونے لگا ہے۔"

"ارے بس....!" میں نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ "عیش کرو عیش....!"

"یہ عیش مجھے پاگل بنادے گا۔"

"تب تو میں تمہیں فرانس واپس نہیں جانے دوں گا۔"

"کیوں؟"

"عرصہ سے میری خواہش تھی کہ کسی پاگل لڑکی سے شادی کروں پتہ نہیں کیوں دل ہے کہ کبھی کوئی لڑکی مجھے کاٹنے دوڑے اور میں چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھالوں۔"

"شرم نہیں آتی کسی بے بس لڑکی کا مضحکہ اڑاتے ہوئے۔" اس نے غمگین آواز میں کہا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم بے بس نہیں ہو۔ جس وقت چاہو اسے قتل کرسکتی ہو۔"

"میرے خدا.... قتل!"

"ہاں.... کونسی بڑی بات ہے۔ میں ابھی اسے یہیں قتل کراسکتا ہوں۔ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہو کہ وہ کیسے مرگیا۔ بس یہیں اسی کرسی پر ڈھیر ہوجائے گا۔ میں پرنس داراب ہوں لڑکی۔ جس کے نام سے پولیس بھی کانپتی ہے اور یہاں کے بدمعاش بھی لرزتے ہیں اور مجھے ہر وقت خدشہ لاحق رہتا ہے کہ کہیں مجھے گولی نہ ماردی جائے۔"

"کیوں....!" وہ بے حد خوفزدہ نظر آنے لگی۔

"اسی لئے کہ پولیس بھی میری دشمن ہے اور یہاں کے بدمعاش بھی۔ لیکن میں پھر بھی آزادانہ گھومتا ہوں۔"

"کمال کرتے ہو.... نہیں تم جھوٹ بولتے ہو۔" وہ ہنسنے لگی مگر اب بھی خوفزدہ نظر آرہی تھی۔

"اچھا تو تم دیکھو گی میرا کمال۔ میں ابھی پندرہ منٹ کے اندر اندر اس بوڑھے کا خاتمہ کرائے دیتا ہوں۔"

"کیسے.... کس طرح۔"

"بلو پائپ کے ذریعے۔"

"بلو پائپ کیا....؟"

"ایک پتلی سی نلکی جس میں زہریلی سوئی ہوتی ہے۔ اسے ہونٹوں میں دبا کر پھونکتے ہیں اور سوئی اس میں سے نکل کر شکار کے جسم میں جا چبھتی ہے اور وہ چشم زدن میں ختم ہوجاتا ہے۔ لڑکی میں ایک پُراسرار شہزادہ ہوں۔ یہاں میرے آٹھ آدمی موجود ہیں جو ہر وقت میری حفاظت کرتے رہتے ہیں اور اکثر میرے دشمنوں کی موت انہیں کے ہاتھوں واقع ہوتی ہے۔ ان کے پاس بلو پائپ ہوتے ہیں۔ ننھے ننھے سانپ ہوتے ہیں جب جہاں جیسا موقع ہوا.... کیا سمجھیں۔"

وہ اپنے خشک ہوتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی.... میں نے کہا۔ "مگر میں اسے ختم نہیں کروں گا۔ میں یہ دیکھوں گا کہ اس کا مقصد کیا ہے۔ وہ کیوں تمہارا چچا بن گیا ہے۔"

"جب تک تم دیکھو گے میں مرجاؤں گی۔"

"نہیں اب میرے آدمی تمہاری بھی نگرانی کرتے رہیں گے۔ تمہیں ذرہ برابر بھی خائف نہیں ہونا چاہئے۔"

"اب مجھے اور زیادہ خوف معلوم ہونے لگا ہے۔"

"تم ٹھہری کہاں ہو۔"

"آر لکچنو.... روم تھرٹین۔"

"اور.... وہ....!"

"میں نہیں جانتی.... وہ اب اپنی جائے قیام کے متعلق کچھ نہیں بتاتا۔ بس فون پر! اطلاع دیتا ہے کہ آج کہاں جانا ہے۔"

"لیکن میک اپ میں خود کو پہچوانے کا کیا طریقہ ہے۔"

"اس کے بائیں ہاتھ میں ایک انگشتری ہے جس پر نگینے کی جگہ شیر کا سر بنا ہوا ہے بس وہ نہ کسی طرح انگشتری میرے سامنے کر دیتا ہے اور میں اسے پہچان لیتی ہوں۔ لیکن ایسا کبھی نہ ہوا کہ کہیں اس نے یہ نہ جتایا ہو کہ وہ وہاں موجود ہے۔ خود کو مجھ پر ضرور ظاہر کر دیتا ہے۔"

"یہ چیز الجھن میں ڈالنے والی ہے۔" میں نے کہا اور خاموش ہو گیا۔ وہ بھی خاموش ہو تھی۔

میں سوچ رہا تھا کہ ان حالات کی اطلاع کرنل کو دوں گا اور چانگ کو توفی الحال اس کی ہوا نہ لگنے دی جائے چونکہ کسی جرم کا ارتکاب خود ہمارے ملک میں ہونے والا تھا۔ اس لئے ہمارا فر تھا کہ پہلے ہم اسے اپنے نکتہ نظر سے دیکھتے۔ غالباً کرنل بھی میرے اس خیال کی تردید نہ کر چانگ حقیقتاً کسی چکر میں تھا۔ اس کا علم ممکن ہے کرنل کو رہا ہو۔ مجھے تو نہیں تھا۔ لہٰذا مجھے محتاط رہنا چاہئے۔ پھر میں نے سوچا کیا چانگ یہاں بھی موجود ہو گا۔ پچھلی رات تو وہ میرے پیچھے ہی رہا تھا۔ اگر وہ حقیقتاً یہاں موجود ہے تو مجھے سوفیا کے چچا کا تعاقب کرنا چاہئے یا نہ کرنا چاہئے۔

"کیا سوچنے لگے" سوفیا نے ٹوکا۔

"کچھ نہیں! اب تمہارے معاملے کے علاوہ اور کیا سوچوں گا۔ ویسے اگر تم کوئی نئی بات سو کا مشورہ دینا چاہو تو وہی اسٹارٹ کر دوں.... آہاں.... ٹھہرو.... بات دراصل یہ ہے کہ تمہاری یہ کہانی کسی جاسوسی ناول کا پلاٹ معلوم ہوتی ہے۔"

"خود مجھے بھی معلوم ہوتی ہے۔"

"آخر میں اس پر یقین کروں یا نہ کروں۔"

"میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تمہیں یقین نہیں آئے گا۔" اس نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"پھر کیا صورت ہو سکتی ہے مجھے یقین دلانے کی۔"

"یہی کہ اب میں ہی کسی اور کے ذریعہ یہاں کی پولیس کو اس سے باخبر کرانے کی کوشش روں۔"

"ابھی نہیں.... جب میں یہ دیکھوں گا کہ میں کچھ نہیں کر سکتا اس وقت میں بھی سوچوں گا پولیس کو مطلع کر دیا جائے۔"

وہ کچھ نہ بولی۔ اس کے چہرہ پر تھکن اور اکتاہٹ کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

"ہاں یہ تو بتاؤ کہ تم پاسپورٹ پر یہاں آئی ہو یا غیر قانونی طور پر۔"

"پاسپورٹ پر.... لیکن میرے یہاں آنے کی وجہ یہ ہے کہ میرا ماموں یہاں کی ایک فرم ں منیجر تھا جو پچھلے ماہ ہیضے کا شکار ہو کر چل بسا۔ میں اسی ماموں کا سامان سمیٹنے آئی ہوں۔"

"کیا حقیقتاً ایسا ہی ہے۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں جانتی بھی نہیں کہ وہ کم بخت کون تھا۔ مجھ سے جو کچھ بھی کہا گیا تھا میں نے اس کی طلاع فرانسیسی سفارت خانہ کو دے دی ہے۔ میں نے سفیر کو یہی بتایا ہے کہ میں ڈکسن راجر کمپنی کے سابق منیجر موسیو تکل دریکساں کی بھانجی ہوں اور ان کی موت کے سلسلے میں یہاں آئی ہوں۔ ہٰذا اس کے سامان پر مجھے قبضہ دلوایا جائے۔"

"اور تم اب بھی نہیں سمجھیں کہ تمہارا چچا کیا چاہتا ہے۔"

"نہیں.... میں نے سمجھنے کی کوشش کی تھی لیکن نہیں سمجھ سکی۔ تم یہی سوچو گے نا کہ وہ یری آڑ لے کر کسی شریف آدمی کا ترکہ ہتھیانا چاہتا ہے۔"

"یقیناً....!"

"لیکن تکل دریکساں نے کچھ بھی نہیں چھوڑا۔ اس کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ وہ ایک عیاش طبع آدمی تھا جو کچھ بھی کماتا تھا اڑا دیتا تھا۔ بینک میں اس کی کل پونجی ستائیس روپے بارہ آنے بچی تھی سامان بھی کوئی ایسا قیمتی نہیں ہے اور میرے چچا نے بھی اس کے متعلق کوئی خاص بے چینی نہیں ظاہر کی تھی۔ ارے اسے ہٹاؤ.... میں کہتی ہوں یورپ کی سیاحت کا کیا مقصد تھا۔ ہاں بھی اس کا رویہ یہی تھا جو یہاں ہے کسی بات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔"

میں پھر سوچ میں پڑ گیا۔

"کیا سوچنے لگے۔"

"یہی کہ ممکن ہے وہ اسی تکل دریگساں کو یورپ میں تلاش کر رہا ہو اور اب یہاں اس کا سراغ ملا ہو۔"

"لیکن اب بھی اس کی پرانی حرکتیں جاری ہیں۔"

"خیر میں اس مسئلے پر اطمینان سے غور کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا اور اسی وقت میں نے اس کے چچا کو اٹھ کر ہال سے باہر جاتے دیکھا۔ سوفیا نے اس پر حیرت ظاہر کی کیونکہ اس کی یادداشت میں پہلی بار اس نے ایسا کیا تھا۔ ورنہ وہ کسی تفریح گاہ میں اسے تنہا نہیں چھوڑتا تھا۔ سوفیا کے بیان کے مطابق جب اسے کہیں سے اٹھنا ہوتا تھا تو وہ کسی نہ کسی طرح سوفیا کو اپنے ارادے سے آگاہ کر دیتا تھا اور دونوں آگے پیچھے ہی وہاں سے رخصت ہوئے تھے مگر آج ایسا نہیں ہوا تھا۔ وہ اسے مطلع کئے بغیر اٹھ گیا تھا اور اب سوفیا کہہ رہی تھی کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ کیا وہ بھی اٹھ جائے۔ مگر اس نے اٹھنے کا اشارہ نہیں کیا تھا۔ ہم اس پر ابھی بحث کر ہی رہے تھے کہ لاؤڈ سپیکر پر اعلان ہوا۔

"پرنس داراب پلیز... آپ کی فون کال ہے... براہِ کرم منیجر کے کمرے میں تشریف لائیے۔"

میں نے سوچا ممکن ہے کرنل ہوں لیکن میں نے تو انہیں ابھی تک پرنس داراب کی کہانی نہیں سنائی تھی۔ میں اٹھ کر منیجر کے کمرے میں آیا اور فون پر پہلی ہی بار مخاطب کی آواز پہچان لی۔ دوسری طرف سے چانگ بول رہا تھا۔ "کیپٹن تم خطرے میں ہو۔ میں کلب کے باہر والے فون بوتھ سے بول رہا ہوں۔ ابھی ابھی ایک بوڑھا یوروپین باہر آیا ہے اور اس نے تین آدمیوں کو تمہارے متعلق کچھ ہدایات دی ہیں۔ میں صاف نہیں سن سکا۔ لیکن تم ہوشیار رہو۔ اگر وہ لڑکی تمہیں کہیں لے جانا چاہے تو ہرگز نہ جانا۔ ویسے اس کا قیام آر لکچنو میں ہے لیکن یہ بوڑھا یوروپین مجھے پہلی بار دکھائی دیا ہے۔"

"اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔"

"یہی کہ وہ اسی لڑکی کے ساتھیوں میں سے ہو سکتا ہے۔"

"میں ابھی یہاں بیٹھوں گا تم فکر نہ کرو۔"

"بہت ہوشیاری کی ضرورت ہے کیپٹن میں پھر تمہیں آگاہ کرتا ہوں۔"

"شکریہ ڈیئر.... ٹاٹا....!" میں نے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا اور سوچنے لگا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔

شعلے کی ٹھنڈک

میں نے سوچا یہ چانگ بھی بڑا مستعد آدمی ہے۔ مگر کرنل.... بھلا میں کس طرح سمجھ لیتا کہ انہوں نے یہ کیس مکمل طور پر میرے سپرد کر دیا ہے۔ انہوں نے کچھ دیر پہلے مجھے جو ہدایت دی تھی اس کا مطلب یہی تھا کہ وہ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی مجھے بٹیروں کی پالی میں چھوڑ کر خود دور سے حالات کا جائزہ لینا چاہتے ہیں۔ پھر میں چانگ کی ہدایت پر کیسے عمل کرتا۔

میں پھر ہال میں واپس آ گیا۔ سوفیا وہیں موجود تھی اور اس کے باڈی گارڈز شراب پی رہے تھے۔ اسی سے میں نے اندازہ کر لیا کہ ان کی نظروں میں سوفیا کا کوئی احترام نہیں ہے۔

"تم نے دیکھا۔" سوفیا آہستہ سے بولی۔ "یہ میرے باڈی گارڈز ہیں۔ میرے چچا کے ملازم۔ تم انہیں دیکھو یہ کس بے باکانہ انداز میں شراب نوشی کر رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ میں کسی بدمعاش آدمی کے چنگل میں پھنس گئی ہوں یہ میرا چچا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کیا ممکن نہیں ہے کہ وہ اس وقت بھی میک اپ میں رہا ہو جب وہ میرے چچا کی حیثیت سے سامنے آیا تھا۔"

"ہو سکتا ہے۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ بھی ممکن ہے وہ میرے چچا سے واقف ہو جو ڈچ گی آنا میں رہتا ہے اور اسی واقفیت سے فائدہ اٹھا رہا ہو۔ کاش مجھے اپنے چچا کا پتہ معلوم ہوتا۔ کاش میں یہ معلوم کر سکتی کہ وہ ڈچ گی آنا میں کہاں رہتا ہے۔"

میں بہت زیادہ بکواس کر چکا تھا لہٰذا اب میں نے خاموش ہی رہنا مناسب سمجھا۔ کاش کرنل یا چانگ مجھے سارے حالات سے آگاہ کر دیتے پھر میں دیکھتا کہ میں تنہا کیا کر سکتا تھا۔

کرنل شاید یہ سمجھتے ہیں کہ میں نرا ڈیوٹ ہوں۔ پتہ نہیں کیا بات ہے کہ ان کی موجودگی میں بچہ بن جانے کو دل چاہتا ہے۔ بس یہی خواہش ہوتی ہے کہ حماقتوں پر حماقتیں کئے جاؤ۔ لیکن

آپ واقف ہی ہیں کہ ان کی عدم موجودگی میں مجھ سے بھی اکثر کتنے شاندار کارنامے "سرزد" ہو جاتے ہیں۔

"تم کیا سوچنے لگے۔" سوفیا کی آواز پر میں چونک پڑا۔

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ مجھے کیا سوچنا چاہئے۔"

"میری الجھن بڑھتی جارہی ہے۔ آخر وہ اٹھ کیوں گیا۔ کیا اب واپس نہیں آئے گا۔ کیا میں ساری رات یہیں بیٹھی رہ جاؤں گی۔"

"چلو میں تمہیں آر لکچو پہنچادوں۔"

"نہیں میں اس وقت یہاں سے نہیں اٹھ سکتی جب تک کہ اس کی طرف سے اٹھ جانے اشارہ نہ ملے۔"

"تم ڈرتی کیوں ہو.... چلو میں ہوں تمہارے ساتھ.... اطمینان رکھو۔ تمہیں کوئی بھ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"

"میں اس سے بہت ڈرتی ہوں.... بے حد.... پرنس اب میں چاہتی ہوں کہ مر ہی جاؤں۔"

"تھوڑی ہمت کرو.... میں چٹکی بجاتے اس سے رہائی دلوا دوں گا۔"

دفعتاً وہ چونک پڑی۔ میں نے کنکھیوں سے دروازے کی طرف دیکھا۔ بوڑھا یوروپین ہال میں داخل ہو رہا تھا۔

وہ آہستہ سے بڑبڑائی۔ "اشارہ مل گیا میں جارہی ہوں۔"

میں کچھ نہ بولا۔ وہ اٹھ گئی۔ اس کے ساتھ ہی دونوں باڈی گارڈ بھی اٹھ گئے۔ لیکن یوروپی بیٹھا رہا۔ مجھے چانگ کی گفتگو یاد آئی۔ اس نے کہا تھا کہ وہ بوڑھا پہلی بار اس کی نظروں سے گذ ہے۔ اس کا یہ مطلب تھا کہ وہ ان میں سے بہتیروں کا صورت آشنا تھا۔ ویسے شاید اس کو اس آد کی تلاش تھی جسے سوفیا کی وساطت سے میں نے دریافت کر لیا تھا۔ یہ تو آج کی بات تھی لیکن آئندہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ میرے قریب سے گذر جائے اور میں نہ پہچان سکوں کیونکہ سو کے بیان کے مطابق وہ ہمیشہ ایک ہی حلیے میں نہیں رہتا تھا۔ پھر مجھے کیا کرنا چاہئے۔ اگر میں آج اس بوڑھے کا تعاقب نہ کیا تو ہو سکتا ہے وہ کبھی ہاتھ نہ آئے۔

پچھلی رات اس نے سوفیا کے بیان کے مطابق مجھے طرح دی تھی۔ لیکن آج چانگ نے فو

کسی سازش کی کہانی سنائی تھی۔ گویا اب وہ مجھ پر ہاتھ صاف کرنا چاہتا ہے۔ لیکن سوفیا نے یہ نہیں بتایا کہ کبھی اس سے پہلے بھی اس کے کسی ملنے والے پر ہاتھ صاف کیا گیا تھا یا نہیں۔ اس نے یہی کہا تھا۔ صرف کہا ہی نہیں تھا بلکہ اس پر حیرت بھی ظاہر کی تھی کہ اسے مجھ سے ملنے سے نہیں روکا گیا تھا۔ حالانکہ پہلے کئی بار اسے ایسی ملاقاتوں سے روکا گیا تھا.... پھر.... اگر اب کسی نئے ملنے والے کے خلاف کسی قسم کی سازش بھی کی جائے تو یہی سوچا جا سکتا ہے کہ وہ نیا ملنے والا کسی قسم کی کوئی اہمیت رکھتا ہے۔ لہٰذا میرے ساتھ کون سی اہمیت ہو سکتی تھی۔ سوائے اس کے کہ میں محکمہ سراغ رسانی کا ایک آفیسر تھا۔ اگر اس بوڑھے نے اسی اہمیت کو مد نظر رکھ کر میرے خلاف کوئی سازش کی تھی تو اس کا یہی مطلب ہو سکتا تھا کہ وہ ایک بہت زیادہ باخبر آدمی ہے اور میں میک اپ میں بھی پہچان لیا گیا ہوں۔

اس نتیجے پر پہنچنے کے بعد میں نے سوچا کہ کرنل کو اس کی اطلاع ضرور دی جائے، ورنہ ہو سکتا ہے کہ میں کسی مصیبت میں پڑنے کے بعد بھی کسی اُلو کا لخت جگر سمجھا جاؤں۔ حالانکہ آج تک کسی اُلو نے مجھے اپنا لخت جگر نہیں سمجھا۔

میں نے منیجر کے کمرے میں جا کر کرنل کے لئے رنگ کیا۔ لیکن وہ گھر پر نہیں ملے۔ ہر وہ مقام فون پر کھنگال ڈالا جہاں ان کے ملنے کے امکانات ہو سکتے تھے مگر مایوسی ہی ہوئی۔ پھر کوشش کی کہ امر سنگھ یا ریمش ہی میں سے کوئی مل جائے لیکن توبہ کیجئے.... اس رات تو سر پر چھپکلی سوار تھی۔ میں یہی کہوں گا کیونکہ مجھے چانگ کا گھر نہیں یاد آیا جہاں میں خود رہتا تھا اور میرے تین آدمی اس وقت بھی موجود تھے۔ اس عمارت میں فون بھی تھا۔ لیکن یقین کیجئے اس عمارت کو سرے سے بھول ہی گیا تھا۔

جب میرے سر پر چھپکلی سوار ہوتی ہے تو عموماً یہی ہوتا ہے۔ جوش شجاعت میں کچھ ایسی حماقتیں سرزد ہوتی ہیں جن کا جواب مشکل ہے۔ مگر کبھی کبھی اسی چھپکلی نے جو میرے سر پر سوار ہوتی ہے مجھے تیس مار خاں بھی بنا دیا ہے۔ نہیں سمجھے۔ بھئی یہ تیس مار خاں کا لطیفہ بھی عجیب ہے ہم آپ بات بات پر تیس مار خاں بنتے ہیں۔ لیکن اس کی کہانی شاید ہی عام طور پر لوگوں کو معلوم ہو۔ آپ کہیں گے ادھر اُدھر کی کہانیاں سنانے بیٹھ گیا۔ میں کہتا ہوں ہرج ہی کیا ہے۔ اب میں تذکرہ نویس صاحب کی طرح رنگ آمیزیاں تو کر نہیں سکتا۔ لیکن کسی نہ کسی طرح اس کہانی کو

دلچسپ بنانا بھی ضروری ہے۔ ورنہ آپ کہیں گے کہ بس حمید صاحب آپ کا جو کام ہے وہی کیا کیجئے ہاتھ میں فلم لینا آپ کے بس کی بات نہیں ہے۔ ویسے آپ مطمئن رہئے میں ابھی آپ کے دل کو سرور اور آنکھوں کو نور اس خبر سے بخش دوں گا کہ اس رات کیسی مرمت ہوئی تھی۔

ہاں تو قصہ تیس مار خاں کا یہ ہے کہ کسی شہر میں دو میاں بیوی رہتے تھے۔ رہتے نہیں تھے بلکہ انہیں رہنا پڑتا تھا۔ نہ رہتے تو جاتے کہاں۔ نہ اکیلا مرد میاں ہو سکتا ہے اور نہ اکیلی عورت بیوی۔ حالانکہ میاں بیوی ہو جانے کے بعد وہ اکثر سوچتے ہیں کہ اکیلے ہی ہوتے تو بہتر تھا۔ اس لئے یہی عرض کروں گا کہ انہیں رہنا پڑتا تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے بیزار تھے۔ بیزاری کی وجہ یہ تھی کہ بیوی میاں صاحب کو باکار بنانا چاہتی تھی لیکن میاں صاحب بے کار ہی رہنے پر مصر تھے۔ وہ انہیں لاکھ لاکھ غیرت دلاتی۔ اسلاف کے کارنامے گنوا کر ان کا خون گرمانے کی کوشش کرتی مگر میاں ٹس سے مس نہ ہوتے۔ آخر بیوی نے تنگ آ کر فیصلہ کیا کہ اب اس سے پیچھا چھڑانا چاہئے۔ نہ یہ کمائے گا اور نہ میرا ہی پیچھا چھوڑے گا۔ لہٰذا اس نے ایک دن میاں صاحب کو بھنگ پلا دی اور پھر ان کے خون کو گرمانا شروع کیا۔ خون گرم ہو گیا جناب۔ آپ نے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔ میں شاہی فوج کے لائق ہوں۔ یقیناً مجھے کوئی عہدہ ملنا چاہئے۔ بیوی نے کہیں سے ایک تلوار مہیا کی اور انہیں دربار شاہی کا راستہ بتا دیا۔ اس ملک کا بادشاہ چونکہ بے حد قوالی پسند آدمی تھا۔ اس لئے ہر ایک کو مجرا کرنے کی اجازت مل جاتی تھی۔ جس وقت میرا شیر ہنکارتا ہوا دربار میں پہنچا۔ وہاں قوالی ہی ہو رہی تھی۔ بادشاہ سلامت بحالت وجد نہ جانے کیا کر رہے تھے کہ میاں صاحب نے للکار کر کہا۔ ”میں شاہی فوج میں سپہ سالاری کے لائق ہوں۔“ بادشاہ سلامت سمجھے کہ شاید اسے بھی حال آ گیا ہے۔ لہٰذا انہوں نے بحالت وجد کہا ہم نے تمہیں سپہ سالار مقرر کیا۔ تمہارا نام کیا ہے۔ جواب میں میاں صاحب نے اکڑ کر فرمایا۔ ہم تیس مار خاں ہیں۔ یعنی ایک حملے میں تیس آدمیوں کا صفایا کر دینا ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ بادشاہ سلامت اتنے خوش ہوئے کہ انہوں نے قوالی رکوا دی اور وزیر سے فرمایا کہ اسے ہم نے سپہ سالار مقرر کیا۔ وزیر نے عرض کی حضور یہ یہاں ہماری محفل میں نہیں تھا۔ باہر سے آیا ہے۔ بولے کچھ پرواہ نہیں جو ہم نے کہہ دیا اٹل ہے۔

بس جناب وہ سپاہ سالار بنا دیئے گئے اور اس سے پہلے والا سپہ سالار جو خود بھی قوالی کا بے حد

ئی تھا سجدہ شکر بجا لایا یعنی اس کی گلو خلاصی ہو گئی۔ اور وہ اس کے بعد سے اپنے گلے میں ہار نیم لٹکائے نظر آنے لگا۔ وہ ملک ایسا ہی تھا کہ فوج پڑے پڑے کھایا کرتی تھی۔ قریب کی مملکتیں ملک پر قبضہ کرنے کے متعلق اس لئے نہیں سوچتی تھیں کہ کہیں خود ان کی فوجیں بھی نہ الی کا شکار ہو جائیں۔ اگر کبھی کسی ملک کو کچھ اینٹھنا ہوتا تو وہ پہلے تو الٹی میٹم دیتا اور جب قوالی پسند کی فوجیں سرحدوں پر خندق نشین ہو جاتیں تو وہ اپنے ہوائی جہاز سے پیراشوٹ کے ذریعہ الوں کی پارٹیاں اتار دیتا اور وہ پارٹیاں اوپر ہی سے الاپنا شروع کر دیتیں۔ پھر حالت یہ ہوتی کہ ہی خندقوں سے نکل کر ان کے گرد اکٹھا ہونے لگتے۔ محاذ جنگ پر چاروں طرف محفلیں جم تیں اور ”اہے وا“ پھر حملہ آور ملک کی فوج بے دریغ اندر گھستی چلی جاتی اور لوٹ مار کر کے ے سکون کیساتھ واپس بھی چلی جاتی۔ لیکن قوالی پسند فوجوں کو اتنا ہوش کہاں کہ معاملات ان سمجھ میں آ سکیں۔ پھر قوال بھی رخصت ہوتے وقت ان سے کافی لمبی لمبی رقمیں اینٹھ لے جاتے۔

مگر ایک بار ایسا ہوا کہ کسی دور دراز ملک کی فوج نے سرحد کے قریب ڈیرہ ڈال دیا۔ بادشاہ لامت بوکھلا گئے۔ انہوں نے وزیر سے کہا کہ اے باتدبیر یہ کیسا حملہ ہے نہ قوال اترے نہ قوالی دئی.... اور یہ لوگ چڑھ دوڑنے کی دھمکی دے رہے ہیں۔ یعنی اگر ہم نے ان کے مطالبات رے نہ کئے تو صبح وہ حملہ کر دیں گے اور تم جانتے ہو وزیر باتدبیر کہ ہم کسی سے دبنا تو جانتے ہی ہیں۔ ویسے یہ اور بات ہے کہ وہ قوالی کرائیں اور ہم بحالت وجد انہیں نہ ٹوکیں کہ وہ کیا کر رہے ں۔ شاہی خزانہ کیوں لوٹ رہے ہیں۔ مگر کچھ تو بتاؤ اب ہم کیا کریں۔ ہم نے سنا ہے کہ ان کی ج میں ایک بھی قوال نہیں ہے۔ وزیر نے مشورہ دیا کہ اس موقع پر تیس مار خاں کو نہ بھولنا ہئے جس نے ایک حملہ میں تیس آدمی مارنے کا دعویٰ کیا تھا۔ بادشاہ سلامت اچھل پڑے اور وہ س خبر سے قوالی ہی کا سا اثر لینے کی تیاری کر رہے تھے کہ وزیر باتدبیر نے انہیں ہوشیار رہنے کا شورہ دیا۔ پھر تیس مار خاں بلوائے گئے اور انہوں نے آتے ہی کہا۔ ”جہاں پناہ فوج نے اس بناء پر ڑنے سے انکار کر دیا ہے کہ حملہ آوروں کے ساتھ قوال نہیں آئے۔.. جہاں پناہ نے فرمایا فکر س بات کی ہے تم تنہا ہی حملہ آوروں سے نپٹ لو گے۔ ایک حملے میں تیس مارتے ہو۔ اچانک تیس مار خاں کو وہ مکھیاں یاد آ گئیں جو گھر پر تیس کیا تیس ہزار بھی بہ آسانی ماری جا سکتی تھیں۔ مگر ایک نہ چلی۔ وہ شاہی فیصلہ تھا۔ تیس مار خاں نے قوالی کرتے ہوئے کہا کہ میں آج رات کو ان کا

صفایا کردوں گا۔ مگر ٹھہریئے۔ میں ابھی حاضر ہو کر بتاتا ہوں۔ پوری اسکیم عرض کروں گا۔ انہیں گھر واپس جانے کی اجازت مل گئی۔ لیکن وزیر جو واقعی باتدبیر تھا اس نے چار اپنے آدمی تیس مار خاں کے ساتھ کر دیئے۔

وہ گھر آئے بیوی کو وہ دن یاد دلایا جب اس نے انہیں گرما کر دربار بھجوایا تھا۔ بیوی کو وہ دن اب بھی یاد تھا۔ کیونکہ وہ اسی دن کی بدولت آج عیش کر رہی تھی۔ جب اس نے اعتراف کیا کہ اسے وہ دن اچھی طرح یاد ہے تو دھڑ سے بولے خدا کے لئے وہی شربت پھر پلا دو جو اس دن پلا تھا اور پھر اسی قسم کی باتیں کرو۔ بیوی نے وجہ پوچھی اس پر وہ قوالی کئے بغیر بیان کر چلے۔ مگر بیوی ان سے چھٹکارا پانے پر کسی طرح بھی تیار نہیں تھی۔ اس نے مشورہ دیا کہ کہیں بھاگ چلو انہوں نے فرمایا باہر چار آدمی موجود ہیں۔ یوں کام نہیں چلے گا تم پلاؤ شربت۔ میں ایک بار پھر بادشاہ سلامت کے دربار میں حاضری دوں۔ اس کے بعد شائد پھر ان آدمیوں سے چھٹکارا مل جائے جو میرے ساتھ یہاں تک آئے ہیں۔ بس اب پلاؤ.... شربت.... واپس آ کر پوری اسکیم بتاؤں گا۔ چنانچہ اس نیک بخت نے انہیں پھر بھنگ پلا دی اور چنگیز و ہلاکو کے تذکرے چھیڑ کر ان کا خون گرمانے لگی۔ میاں صاحب جلد ہی موڈ میں آگئے اور ایسے موڈ میں آئے کہ چھپاک سے تلوار کھینچ لی.... بیوی سمجھی شائد فارغ البال ہو جانے کا ارادہ رکھتے ہیں اس لئے چیخ مار کر بھاگی اور ایک کوٹھری میں گھس گئی۔ آپ نے بھی ایک نعرہ جگر خراش مارا اور گھر سے نکل آئے۔ اب وہ چیختے چنگھاڑتے اور تلوار ہلاتے شاہی محل کی طرف جا رہے تھے۔ ہلڑ ہو گیا سارے شہر میں۔ لوگوں نے پہلے ہی ان کی تیس مار خانی کے وہ قصے سن رکھے تھے جو انہوں نے اکثر احباب کو سنائے تھے بہر حال یہ حضرت شاہی محل میں پہنچے۔ بادشاہ سلامت اور وزیر باتدبیر تخلیئے میں تھے۔ انہیں بھی وہیں بلوالیا گیا۔ انہوں نے وہاں پہنچتے ہی ہڑبونگ مچا دی۔ چیختے رہے.... اچھلتے رہے.... اور اس طرح پینترے بدل بدل کر تلوار ہلاتے رہے جیسے سچ مچ ایک ایک وار میں تیس تیس کا صفایا کر رہے ہوں۔ جہاں پناہ اور وزیر باتدبیر اس خیال سے کونے کھترے میں چھپنے لگے کہ ہاتھ ہی اگر خدانخواستہ بہک گیا تو کیا ہوگا۔ لیکن جب تیس مار خاں کے جوش و خروش میں کمی نہ ہوئی تو تنگ آ کر جہاں پناہ اور وزیر باتدبیر نے صرف تالیوں ہی پر قوالی شروع کر دی۔ تیر نشانے پر بیٹھا تدبیر کارگر ہوئی۔ شربت نے پھر دماغ الٹ دیا اور تیس مار خاں تلوار پھینک کر حال کے بھاؤ بتا-

لگے۔ "ارے ہاں.... جان دے دیں گے.... اجی ہاں جان دے دیں گے.... اہے وا جان دے دیں گے.... پیا جی جان دے دیں گے.... رجا جی جان دے دیں گے۔"

تیس مار خاں گاتے اور "ٹھک ٹھک" کرتے رہے۔ اسی دوران میں شربت کا اثر بھی آہستہ آہستہ زائل ہو تا رہا تھا۔ لہٰذا اچانک انہیں خیال آیا کہ انہوں نے یہ کیا شروع کر دیا۔ اُدھر جہاں پناہ اور وزیر باتدبیر بھی قوالی کرتے کرتے تھک گئے تھے۔ جیسے ہی وہ خاموش ہوئے آپ بھی اپنے حال میں بریک لگاتے ہوئے ہاتھ جوڑ کر بولے سرکار مجھے غصہ آ گیا تھا۔ اس پر جہاں پناہ نے خوش ہو کر پوچھا اب تو اتر گیا نا.... تیس مار خاں کا جواب اثبات میں سن کر جہاں پناہ اور زیادہ خوش ہوئے اور وزیر باتدبیر کی جان میں جان آئی۔ اتنے میں تیس مار خاں نے کہنا شروع کیا۔ غصہ اس لئے آیا تھا جہاں پناہ کہ وزیر صاحب نے مجھے منہ چور سمجھ کر اسی وقت میرے پیچھے چار آدمی لگا دیئے تھے۔ جب میں پردادا مرحوم کی بیاض خاص میں تنہا کسی لشکر پر بھاری رہنے کی تدبیر دیکھنے جا رہا تھا۔ کیا بتاؤں وہ چاروں جہاں پناہ کے اقبال سے بچ گئے ورنہ کھیرے ککڑی کی طرح کاٹ کر ڈال دیتا۔ جہاں پناہ نے یہ سن کر فرمایا چولہے میں جھونکو وزیر صاحب کو یہ بتاؤ تم نے تدبیر دیکھ لی یا نہیں۔ تیس مار خاں بولے دیکھ لی سرکار۔ کل صبح میں دشمن کی ساری فوج کا صفایا کر دوں گا اور اگر اپنی مدد کے لئے آدھا سپاہی بھی مانگوں تو میرے سر پر قلم رکھ دیجئے گا۔ وزیر نے فوراً تصحیح کی کہ سر قلم کر دینا محاورہ ہے۔ تیس مار خاں تڑ سے بولے وزیر صاحب آپ کو بھی یہ لیاقت ہوئی کہ جہاں پناہ کے سامنے زبان کھولیں ارے وہ مالک ہیں چاہیں تو محاورہ کا بھی سر قلم کر سکتے ہیں۔

اس پر جہاں پناہ کو جلال آ گیا اور گرج کر بولے۔ ہاں اے وزیر ابن خنزیر ہم چاہیں تو محاوروں پر پورا ایک ناول لکھ کر پبلک کو بور کر سکتے ہیں۔ کوئی ہمارا کیا کر لے گا۔ تیس مار خاں نے سوچا کہ اب بات نہ بڑھے تو بہتر ہے۔ کیونکہ ابھی تو بہت کچھ کرنا ہے غرضیکہ وہ وعدہ کر کے گھر پلٹ آئے کہ صبح دشمنوں کا قلع قمع ہو جائے گا اور وہ آج رات پھر جنگل میں پردادا مرحوم کی تدبیر کا جال پھیلائیں گے۔ ادھر بیوی منتظر تھی کہ دیکھو اب کون سی تدبیر فرما کر گھر واپس آتے ہیں۔ اس نے تدبیر سنی اور خوش ہوگئی۔ تدبیر یہ تھی کہ جتنا بھی نقدی ہے یا زیورات کی شکل میں ہے سمیٹ کر راتوں رات کسی طرف نکل جائیں۔ چنانچہ یہی ہوا۔ جب رات کچھ بھیگ گئی تو میاں صاحب نے نقدی اور زیورات کا صندوقچہ سر پر رکھا اور بیوی کا ہاتھ پکڑے ہوئے گھر سے باہر

ہو لئے۔ اندھیری رات تھی اور شہر میں سناٹا تھا۔ انہوں نے سرحد پار کر جانے کے لئے جو راہ اختیار کیا تھا اس سے بھٹک کر اُدھر جا نکلے جہاں دشمن کی فوجیں پڑی ہوئی تھیں۔ اچانک تیس مارخاں کو غلطی کا احساس ہوا اور وہ صندوقچے سمیت تیس مارخانم پر ڈھیر ہو گئے۔ نقدی اور زیورات کی اتنی زبردست کھنکھناہٹ سن کر پہرے دار بوکھلا گئے وہ سمجھے شائد حریف نے شب خون مارا ہے۔ اندھیرا تو تھا ہی ان کی ہوشیار خبردار.... جانے نہ پائے۔ سن کر سوتے ہوئے سپاہی بیدار ہوئے اور جو کچھ بھی ہاتھ لگا لے کر ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے۔ تلواریں چلنے لگیں۔ وہ چیخ دھاڑ مچی کہ خدا کی پناہ.... بیچارے تیس مارخاں اور تیس مارخانم ایک جھاڑی میں چھپے ہوئے بُری طرح کانپ رہے تھے۔ انہیں اس کا بھی ہوش نہیں تھا کہ جنگل ہی کی طرف بھاگ لیتے۔

صبح تک تلواریں چلتی رہیں اور وہ ایک دوسرے کو مارتے کاٹتے رہے۔ ادھر اس غل غپاڑے کی صدا شہر تک پہنچی اور چاروں طرف ہرکارے دوڑنے لگے۔ جہاں پناہ اور وزیر قوالی بھول گئے۔ ادھر صبح ہو رہی تھی اجالا پھیلتے ہی غنیم کی سپاہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ ان کی تعداد بہت تھوڑی رہ گئی تھی۔ انہوں نے شاید سوچا کہ اگر اب یہاں سے بھاگنے میں جلدی نہ کی تو ممکن ہے حریف ہی آپڑے اور پھر بھاگتے راستہ بھی ملے تو نہ بھاگا جائے۔ لہٰذا وہ سب کچھ وہیں چھوڑ کر بھاگ لئے۔ تیس مارخاں کی جان میں جان آئی اور ساتھ ہی عقل بھی آئی۔ انہوں نے چپکے سے بیوی کو مخاطب کیا۔ اب تم تو چپ چاپ جنگل کی طرف کھسک جاؤ اور وہیں سے گھر چلی جانا۔ کیوں کہ اب میں تیس مارخانی شروع کرنے جا رہا ہوں۔

بیوی حسب ہدایت کھسک گئی اور تیس مارخاں جھاڑیوں سے نکل کر مرنے والوں کے خون میں لوٹ لگانے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خود بھی سر سے پیر تک خون میں نہا گئے۔ اُدھر ہرکاروں نے جا کر جہاں پناہ کو خبر پہنچائی کہ غنیم کا لشکر ہزاروں کا کھیت چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ جہاں پناہ خوش ہو کر قوالی شروع کرنے ہی والے تھے کہ وزیر نے کہا چلئے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ جہاں پناہ کی سواری میدان کارزار کی طرف روانہ ہو گئی۔ یہاں تیس مارخاں تلوار سونتے ہوئے ہوا سے لڑ رہے تھے اور ان کے قدموں میں ہزاروں لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے لڑتے لڑتے انہیں حال آگیا ہو۔ جہاں پناہ بے حد خوش ہوئے اور تیس مارخاں کو ہوش میں لا کر آئندہ سال ایک خلعت فاخرہ عطا کرنے کا نہ صرف وعدہ کیا بلکہ اسی وقت قانون کی بے حد عزت افزائی کی۔

یہ کہانی ختم ہو گئی۔ اب آپ غالباً سمجھ گئے ہوں گے کہ تیس مارخاں کسے کہتے ہیں اور آپ جانتے ہی ہیں کہ میں بھی اکثر ایسے ہی اتفاقات کے تحت ماسٹر آف سچویشن بن کر تیس مارخانیاں انجام دے چکا ہوں۔ لیکن یہ میری بدقسمتی ہے کہ مجھے آج تک کوئی ایسی تیس مارخانم نہیں ملی جو مجھے بھنگ پلا کر کرنل سے بھڑا دیتی۔

ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ سوفیا چلی گئی تھی اور میں کرنل وغیرہ کے لئے فون پر نمبر ڈائیل کرتے کرتے تھک گیا تھا.... آہا ٹھہریئے ایک بات اور یاد آئی.... آپ تیس مارخاں کی کہانی پر بور تو نہیں ہوئے۔ بھئی میں نے یہ داستان تیس مارخاں کی کہانی تک لکھ کر اپنے تذکرہ نویس صاحب کو دکھائی تھی۔ وہ بولے حمید صاحب آپ نے فن کا خون کیا ہے جہاں سے آپ نے تیس مارخاں کی کہانی شروع کی ہے اس سے پہلے آپ سس پنس پیدا کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ لیکن تیس مارخاں کی کہانی اس کا اثر پڑھنے والوں کے ذہن سے یکسر غائب کر دے گی۔ میں نے کہا غائب کر دے.... میں تو پڑھنے والے کو اپنے ساتھ لے چلنا چاہتا ہوں۔ اس طرح کہ نہ وہ پیچھے مڑ کر دیکھے اور نہ اسے اس کی فکر ہو کہ آئندہ کیا پیش آنے والا ہے۔ بس ہم دونوں ہنستے کھیلتے ہوئے آگے بڑھتے رہیں کیونکہ بعض اوقات سس پنس ایسی الجھن میں مبتلا کرتا ہے کہ بقیہ کتاب پھاڑو.... چباؤ اور نگل جاؤ۔

ہاں تو میں نے اسی سس پنس کی دم پر ہاتھ رکھ کر عرض کیا تھا کہ میرے سر پر چھپکلی سوار تھی۔ وہ چھپکلی جس نے مجھے اکثر تیس مارخاں بنا دیا ہے.... اس چھپکلی کا تقاضہ ہے کہ جواری بنو۔ جو کچھ کرنا ہے سوچے سمجھے بغیر کر ڈالو.... یا اس پار یا اس پار.... لیکن اس بار سب کچھ سوچنے کے باوجود بھی چھپکلی بدستور سر پر سوار رہی۔ میں نے سوچا نہیں بیٹھے بیٹھے رات گذار دینا حماقت ہو گی۔ اب اٹھو بھی حمید صاحب آخر کرنل کیسے ان دیکھے حملوں سے بچ جاتے ہیں۔ تم بھی ذرا بجلی کی سی نظر رکھنا اور پھر چانگ جو اس طرح تمہارے ساتھ لگا رہتا ہے کیا اب غافل ہو گیا ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہیں کرنل بھی آس پاس موجود ہوں۔

میں اٹھا اور باہر آیا۔ اب میں کمپاؤنڈ کے اس ویران حصے کی طرف جا رہا تھا جہاں میں نے لنکن کھڑی کی تھی۔ یہاں نئی گاڑیاں اور بھی تھیں مگر ان پر کوئی موجود نہیں تھا۔ ادھر عموماً وہی لوگ اپنی گاڑیاں پارک کرتے تھے جو خود ہی انہیں ڈرائیو کر کے یہاں تک لاتے تھے۔

میں اپنی گاڑی کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ اس سے پشت لگائی اور متجسس نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اس وقت دراصل کرنل میرے ذہن میں تھے اور میں انہیں کی تلا کر رہا تھا۔

پھر میں گاڑی میں بیٹھنے ہی والا تھا کہ مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی پانی بھرا ربر کا غبارہ میر چہرے سے ٹکرا کر پھٹ گیا ہو۔ لیکن وہ تو آگ کی لپک تھی جو میرے چہرے پر پھیل گئی تھی ای پل کے لئے کوندا سا لپکا تھا۔ میرا چہرہ جھلس گیا۔ مگر کیا وہ آگ سے جھلس جانے کی سوز تھی.... ہرگز نہیں.... وہ.... وہ تو.... ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے میری کھوپڑی کسی نے بر کے برادے کے ڈھیر میں ٹھونس دی ہو.... کتنی ٹھنڈک تھی.... کتنی تکلیف دہ ٹھنڈک۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے میرے شانوں پر سر کی بجائے برف کی سل رکھی ہو۔ پھر یہ ٹھنڈک بڑ تیزی سے سارے جسم میں پھیل گئی۔

اس کے بعد مجھے ہوش نہیں کہ پھر کیا ہوا۔

پتہ نہیں کتنی دیر بعد ہوش آیا.... ہوش کیا آیا ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے روئیں روئیں میں سوئیاں سی چبھ رہی ہوں اور اس چبھن کے علاوہ مجھے اور کسی بات کا ہوش نہیں تھا۔

کچھ دیر بعد آنکھوں کے سامنے پھیلی ہوئی دھند ہٹی اور مجھے کرنل کا چہرہ نظر آیا۔ وہ مجھ جھکے ہوئے تھے اور میں پتہ نہیں زمین پر تھا یا آسمان پر۔ ہو سکتا ہے جسم زمین پر رہا ہو اور کھو فضا میں معلق۔

کچھ ایسی ہی کیفیت سے میں دوچار تھا۔

"کیا تمہیں ہوش آ گیا۔" کرنل نے آہستہ سے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔" میں نے جواب میں کہا۔ جسے سن کر ان کی بھنوئیں سکڑ گئی تھیں اور انہ نے غصیلے لہجے میں کہا تھا۔

"جب چانگ نے حالات سے آگاہ کر دیا تھا تو جلدی کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"بس غلطی ہو گئی۔"

پھر میں نے چانگ کی آواز سنی جو کرنل کے پیچھے کھڑا کہہ رہا تھا۔ "کیپٹن اگر آپ جلد کرتے تو ہم نے آج اس آدمی کو پکڑ ہی لیا تھا۔"

میں کچھ نہ بولا۔ بولتا بھی کیا۔ اگر اس سے یہ کہتا کہ تم نے پوری اسکیم نہیں بتائی تو وہ یہی سوچتا کہ کرنل فریدی کا اسسٹنٹ جس کی اتنی شہرت ہے اتنی معمولی سی بات بھی نہ سمجھ سکا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ غالباً چانگ کی یہی اسکیم رہی ہو گی کہ کسی طرح اس بوڑھے یورپین کو پکڑ لیا جائے.... پھر میں سوچتا ہی رہ گیا ویسے میں اس وقت اسی عمارت میں تھا جس میں چانگ نے ٹھہرایا تھا۔

چانگ کی کہانی

میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ حالانکہ ابھی یہی دل چاہ رہا تھا کہ پڑے رہو۔ کرنل نے بھی نہیں کہا کہ میں لیٹا ہی رہوں۔ وہ کسی گہری سوچ میں تھے اور چانگ مضطربانہ انداز میں کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے خود اسی سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہو۔

دفعتاً اس نے کہا۔ "کرنل غلطی میں نے ہی کی تھی۔ مگر میں کیا کرتا۔ میں نے سوچا کہ کہیں وہ کیپٹن کو ختم ہی نہ کر دیں۔"

"نہیں غلطی حمید کی ہے۔" کرنل بولے۔ "انہیں کلب سے اٹھنے میں اتنی جلدی کرنی ہی نہ چاہئے تھی۔"

"ارے تو کیا کیا میں نے۔" میں نے پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا۔ "مجھ سے اتنی غلطی ضرور ہوئی ہے کہ زندہ بیٹھا ہوں۔ مگر یہ ایک بنیادی غلطی ہے جس کی ذمہ داری مجھ پر عائد نہیں ہو سکتی۔"

"تم لیٹ جاؤ.... اور تھوڑی دیر خاموش رہو۔" کرنل نے میری طرف دیکھے بغیر کہا۔

میں لیٹ گیا.... اور کافی دیر تک خاموش رہنے کا ارادہ کر لیا کیونکہ بولا ہی نہیں جاتا تھا۔ زبان کی حرکت سر پر ہتھوڑے کی سی ضرب لگاتی تھی۔

"مگر اب کیا خیال ہے۔" چانگ نے کہا۔ "میرا دعویٰ ہے کہ بوڑھا یورپین وہی تھا جس کی مجھے تلاش ہے۔"

میرا دل چاہا کہ اس کے بیان کی تائید کروں لیکن پھر اس خیال سے خاموش رہا کہ ممکن ہے کرنل اسے پسند نہ کریں۔ میں اب کرنل کی طرف دیکھ رہا تھا کہ وہ چانگ کے جواب میں کیا کہتے ہیں۔

انہوں نے ایک طویل سانس لی اور پھر میرے چہرے پر نظر جمائے ہوئے بولے۔ "ہاں مسٹر چانگ.... یہ بھی ممکن ہے کیونکہ وہ گارساں[1] کے ساتھیوں میں سے تھا اور گارساں ہی کی طرح غالباً اس کا بھی کوئی ریکارڈ نہ مل سکے اور میرا خیال ہے کہ وہ بھی گارساں ہی کی طرح میک اپ کا ماہر تھا.... مگر....!"

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ کہنے والے ہوں۔ لیکن اب ارادہ ترک کر دیا ہو.... میں اور چانگ سوالیہ انداز میں ان کی طرف دیکھتے رہے۔

"اچھا مسٹر چانگ اب میں واپس جاؤں گا۔ کیپٹن کی خبر گیری کے لئے بے حد شکر گزار ہوں۔" انہوں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ارے جناب.... کرنل....!" چانگ نے جھینپتے ہوئے انداز میں کہا۔ "مجھے بے شرمندگی ہے کہ میری وجہ سے آپ لوگ تکلیف اٹھا رہے ہیں۔"

"نہیں مسٹر چانگ.... ایک ایسے بین الاقوامی مجرم نے ہماری سرزمین پر قدم رکھا ہے ہم اطمینان سے بیٹھ ہی نہیں سکتے۔"

کرنل چلے گئے اور میں ان کے اس رویئے کے متعلق سوچتا ہی رہا۔

آخر وہ مجھے ایسی حالت میں یہاں کیوں چھوڑ گئے۔ اس سے پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔

چانگ انہیں صدر دروازے تک چھوڑنے گیا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ واپس آ گیا لیکن مجھ سے بھی زیادہ پریشان نظر آ رہا تھا۔ وہ میری مسہری قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور پائپ میں کشیدنی افیون کی گولیاں خاموشی سے راکھ کرتا حالانکہ اس کا دھواں مجھے گراں گذر رہا تھا لیکن میں خاموش ہی رہا۔ میں جانتا تھا کہ افیون پی وہ خاموش ہی رہے گا اور اگر گفتگو کرنے پر مجبور بھی کیا گیا تو شاید اوٹ پٹانگ باتیں شروع کر دے ویسے بھی اس کی حالت سے یہی اندازہ ہوتا تھا کہ اس نے بہت دیر سے افیون نہیں پی۔

آخر اس نے پائپ ایک طرف رکھ دیا اور چہرے پر رومال سے ہوا دینے لگا۔ اب وہ ادھ آنکھوں سے میری طرف بھی دیکھ رہا تھا۔ جو افیون کے نشے کے دباؤ سے ایسی ہو گئی تھیں۔

میں پھر بیٹھ گیا۔

"آپ لیٹے ہی رہیئے تو بہتر ہے کیپٹن۔" چانگ نے کہا۔

---

[1] گارساں کی داستان کے لئے جاسوسی دنیا کے خاص نمبر "خوفناک ہنگامہ" جلد نمبر 8 ملاحظہ فرمائیے

"تھک گیا ہوں۔" میں نے لاپرواہی سے کہا۔

"اب آپ اپنی حالت میں کچھ بہتری محسوس کر رہے ہوں گے۔"

"بہت زیادہ خراب حالت پہلے بھی نہیں تھی۔ مگر مسٹر چانگ کیا آپ لوگ میرے قریب ہی رہے تھے۔"

"ہاں.... مگر مجھے کرنل کی موجودگی کا علم نہیں تھا۔ جیسے ہی آپ گرے میں دوڑ پڑا۔ قریب ہی دو آدمی موجود تھے جو مجھے دیکھتے ہی فرار ہو گئے۔ پھر بعد میں کرنل بھی آ گئے۔ اُن سے معلوم ہوا کہ وہ بھی آپ کی نگرانی کر رہے تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں نے جلد بازی سے کام لیا تھا ورنہ اس وقت کوئی کار آمد گواہ مل جاتا۔ شاید انہیں بھی بوڑھے کی سازش کا علم تھا اور وہ اسے اسی وقت گرفتار کرنا چاہتے تھے۔"

"لیکن آپ نے کہا تھا کہ وہ بوڑھا ان آدمیوں میں پہلی ہی بار نظر آیا ہے۔ تو کیا کئی آدمی پہلے ہی سے آپ کی نظروں میں رہے ہیں مسٹر چانگ۔"

"یقیناً.... لیکن وہ بوڑھا پہلی ہی بار نظر آیا تھا۔ ہاں کیپٹن اگر وہ ہال سے اٹھ کر ان لوگوں سے نہ ملتا جو پہلے ہی سے میری نظر میں رہے تھے تو شائد مجھے معلوم ہی نہ ہوتا کہ وہ بھی انہیں میں سے ایک ہے۔"

میں نے اب بھی اسے اپنی اور سوفیا کی باتوں سے آگاہ نہیں کیا.... کچھ دیر بعد میں نے کہا۔

"کیا آپ نے میرے چہرے کے قریب آگ دیکھی تھی؟"

"اوہ کیپٹن یہی دیکھ کر تو میں گھبرا گیا تھا۔ میں سمجھا شائد وہ کوئی بے آواز آتشی حربہ ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ میں آپ کے چہرے پر جلنے اور جھلسنے کے آثار نہیں دیکھ رہا۔"

"وہ آگ نہیں تھی مسٹر چانگ۔"

"ہائیں....!" چانگ حیرت سے منہ اور آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے میری ذہنی حالت کے درست ہونے میں شبہ ہے۔

"ہاں مسٹر چانگ وہ برفیلے بادلوں میں کڑکنے والی بجلی تھی۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"پہلے تو مجھے ایسا معلوم ہوا تھا کہ جیسے میرا چہرہ جھلس گیا ہو۔" میں نے کہا۔ "لیکن پھر میں

یہی محسوس کرنے لگا تھا جیسے میرا سر برف کے برادے میں دفن کر دیا گیا ہو اور پھر وہ ٹھنڈک سارے جسم میں پھیل گئی تھی۔"

چانگ کی آنکھیں اب بھی پھیلی ہوئی تھیں۔ پھر اس وقت اس کی حیرت رفع ہوئی جب م نے اس سے اصل معاملے کی بات شروع کی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ وہ کس آدمی کی تلاش میں ہے

"کیا کرنل نے ابھی تک آپ سے تذکرہ نہیں کیا۔"

"نہیں....!"

"تب تو کوئی خاص وجہ ہوگی تذکرہ نہ کرنے کی۔"

"نہیں... کوئی خاص وجہ نہیں ہے۔ محض عادتاً وہ اپنے ماتحتوں کو کسی کیس کے دوران پوری طرح باخبر نہیں رکھتے۔"

"پھر میں ان سے پوچھ کر ہی آپ کو کچھ بتا سکوں گا۔ اس سے پہلے مجھے معاف رکھئے۔ آج تک کرنل کو نہ سمجھ سکا کہ وہ کس قسم کے آدمی ہیں۔"

"آپ کب اور کتنے دن تک ان کے ساتھ رہے ہیں.... مسٹر چانگ۔"

"میں ان کے ساتھ کبھی نہیں رہا۔ ویسے اکثر وقتاً فوقتاً بعض بین الاقوامی نوعیت کے ک کے سلسلے میں ان سے ملاقاتیں ہوتی رہی ہیں۔"

"مائی ڈیئر مسٹر چانگ.... میں سالہا سال سے ساتھ رہنے کے باوجود بھی انہیں آ نہیں سمجھ سکا۔ لہٰذا اس چکر میں نہ پڑیئے ورنہ میں آپ کی کوئی مدد نہ کر سکوں گا۔ میں آ چھٹی پر ہوں۔ مطلب یہ کہ کرنل بھی مجھے اس پر مجبور نہ کر سکیں گے اور میں نے یہ بھی ہے کہ اس لڑکی کے پیٹ میں کتنی آنتیں ہیں۔"

"سچ....!" وہ والہانہ انداز میں اٹھتا ہوا بولا۔

"ہاں مسٹر چانگ اگر میں ایسا نہ ہوتا تو کرنل یہ کام میرے سپرد کیوں کرتے۔"

"ڈیئر کیپٹن....!" وہ اپنے ہاتھ پھیلاتا ہوا بولا۔ "آپ اس سے کچھ معلوم کر کامیاب ہوگئے ہیں۔"

"بہت کچھ... لیکن میں اسی شرط پر بتا سکوں گا جب تم مجھے سارے حالات سے آگاہ

وہ کسی سوچ میں پڑ گیا.... میں جانتا تھا کہ وہ آسانی سے نہیں بتائے گا کیونکہ اگر آ

بتانا ہی ہوتا تو پہلے ہی بتا چکا ہوتا۔ میں بہرحال اس کے لئے ایک کام انجام دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایسی صورت میں اسے خود ہی سارے حالات سے آگاہ کر دینا چاہئے تھا۔

"اس سے آپ نے کیا معلوم کیا ہے کیپٹن۔" چانگ نے کچھ بتانے کی بجائے خود ہی سوال کیا۔

"ناممکن مسٹر چانگ پہلے آپ۔" میں نے اٹھ کر اپنا سوٹ کیس کھولا اور تمباکو کا نیا ڈبہ نکال کر مسہری پر آبیٹھا۔ میرا پائپ تکئے کے نیچے موجود تھا۔ کرنل جو کام بھی کرتے ہیں سلیقے سے کرتے ہیں۔ یعنی انہیں اتنا خیال تھا کہ میرے کپڑے تبدیل کراتے وقت انہوں نے کوٹ کی جیب سے پائپ بھی نکال کر تکئے کے نیچے رکھ دیا تھا۔

"ہاں تو مسٹر چانگ۔" میں نے تمباکو کے ڈبے کا کور کاٹتے ہوئے کہا۔ "اب آپ براہ کرم اپنی کہانی شروع کر دیجئے اور اگر آپ اسے دہرانے میں تکلیف محسوس کر رہے ہوں تو میں یہی مشورہ دوں گا کہ دو چار گولیاں اور استعمال کر ڈالئے۔ پھر خدا نے چاہا تو کسی قسم کی بھی ہچکچاہٹ نہیں محسوس کریں گے۔"

چانگ نے ایک معمولی سی "ہوہو" کے بعد پائپ اٹھالیا اور اس میں ایک گولی ڈال کر دیا سلائی دکھاتے ہوئے ایک ایسا لمبا کش لگایا کہ دوسرے کش کی نوبت آنے سے پہلے ہی گولی راکھ ہوگئی۔ راکھ جھاڑ کر اس نے دوسری گولی سنبھال لی۔ اسی طرح پے در پے پانچ گولیاں راکھ کرنے کے بعد اس نے آگے پیچھے جھومتے ہوئے کہا۔

"کیپٹن میں وہ چانگ ہوں جس نے بہتیرے معرکے جھیلے ہیں۔ ہزاروں بار موت کے جبڑوں سے صحیح سلامت بچ نکلا ہوں۔ تم مجھے چین کا کرنل فریدی سمجھ سکتے ہو.... میں.... یعنی وہ چانگ مہینوں سے پریشان ہے۔ کیا تم نے کبھی گارساں کا نام سنا ہے۔"

"شاید ایک آدھ گولی زیادہ ہوگئی ہے مسٹر چانگ.... ارے گارساں تو میرے قدموں میں پڑا ایڑیاں رگڑ رہا تھا ایک دن۔"

"آہا....!" چانگ نے حیرت سے کہا۔ "تو اس مہم میں آپ بھی شریک تھے۔"

میں نے اس غیر متعلق اور غیر ضروری سوال کا جواب نہیں دیا۔ میں تو بس اب یہی چاہتا تھا کہ وہ بے چوں و چرا مجھے اس کیس کے متعلق بتا دے اور وہ شاید اب بتانے ہی لگا تھا۔ لیکن اس کی شرط یہ تھی کہ میں بھی اسے اس گفتگو سے آگاہ کر دوں جو میرے اور سوفیا کے درمیان ہوئی

تھی۔ چانگ فار موسا کی سیکریٹ سروس کا چیف آفیسر تھا۔ لہٰذا میں نے سوچا کہ اسے الو بنانا بھی اپنی جگہ ایک مکمل آرٹ ہوگا۔

اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”گارساں کی ٹولی اکثر چین کے خلاف بھی کام کیا کرتی تھی۔ مجھ سے کئی بار اس کی مڈ بھیڑ ہوئی لیکن نہ میں اس پر قابو پا سکا اور نہ وہ مجھ پر۔ وہ ایک پُر اسرار آدمی تھا اور اس نے اپنا ایک پُر اسرار ہمزاد بھی پیدا کیا تھا۔ وہ اسی کا ہم شکل تھا۔ مشہور ہے کہ عموماً اس کے ماتحت بھی دھوکہ کھا جایا کرتے تھے۔ وہ اس کے ہم شکل کو بھی گارساں ہی سمجھتے تھے اور یہ بھی یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ کبھی انہوں نے دونوں کو اکٹھے دیکھا ہو۔ وہ تو ایک بار ایسا ہوا کہ دو جگہوں سے بیک وقت وہاں گارساں کی موجودگی کی اطلاع آئی۔ بس اسی سے اس کے ہم شکل راز ظاہر ہو گیا۔ ورنہ اس سے پہلے تو ہم لوگ یہ سمجھتے تھے کہ گارساں کوئی بُری روح ہے جو پل بھر میں ہزاروں میل کا فاصلہ طے کر سکتی ہے۔ مثلاً ابھی شنگھائی سے یہ اطلاع آئی ہے کہ پولیس گارساں کا تعاقب کر رہی ہے۔ لیکن پیکنگ کے سراغ رساں پیکنگ میں اس کی موجودگی پر مصر ہیں۔“

”میں بالکل نہیں سمجھا مسٹر چانگ“ میں نے سر ہلا کر کہا۔ ”ایک بار آپ کہتے ہیں کہ بیک وقت دو جگہوں پر اس کی موجودگی کی اطلاع اس کے ہم شکل کا راز ظاہر کر دیتی ہے اور دوسری بار آپ یہ کہتے ہیں کہ بیک وقت دو جگہوں پر اس کی موجودگی اسے کوئی بُری روح ثابت کرتی تھی۔“

”اوہ آپ سمجھے نہیں.... میں فاصلے کی بات کر رہا تھا۔ دیکھئے بات دراصل یہ ہے کہ آ وقت گولیاں معمول سے زیادہ ہو گئی ہیں۔ آپ کا خیال درست تھا اسی لئے میں اپنا مطلب وا کرنے میں دشواری محسوس کر رہا ہوں۔ ہاں تو میں فاصلے کی بات کر رہا تھا۔ مطلب یہ تھا کہ ا آپ اسی وقت یہاں اور ہائی سرکل نائٹ کلب میں پائے جائیں تو میں یا تو اسے گپ سمجھوں آپ کو بھوت باور کر لوں گا۔ لیکن اگر آپ اسی عمارت کے دو مختلف کمروں میں بیک وقت پا جائیں تو میں اگر اسے گپ بھی سمجھوں گا تو کم از کم اس کی تصدیق کرنا میرے لئے ممکن ہی ہو آپ کو دونوں کمروں میں دیکھ لینے کے بعد ہی میں اس کا فیصلہ کر سکوں گا کہ آپ بھوت ہیں یا ہم شکل بھی رکھتے ہیں۔ وہ ایک ایسا ہی اتفاق تھا کہ دونوں ایک ہی عمارت میں اکٹھا ہو گئے تھے۔ پیکنگ کے ایک ہوٹل کا واقعہ ہے۔ شاید گارساں یا اس کے ہمشکل کو اس کا علم نہیں تھا کہ دو بھی وہاں موجود ہے۔ لہٰذا اس سے وہاں آنے کی غلطی سرزد ہو گئی.... بہر حال....!

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ پچھلی جنگ کے دوران میں گارساں کا وہ ہمشکل ایک ملک کی سیکرٹ وس والوں کے ہتھے چڑھ گیا تھا۔ اسے قیدی بنا لیا گیا۔ پھر گارساں کرنل ے ہاتھوں اپنے انجام پہنچا۔ لیکن اس کا ہم شکل شاید اس ملک کی قید سے بھی بھاگا تھا جس کی سیکرٹ سروس کے میوں نے اسے گرفتار کیا تھا۔“

”یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ نکل بھاگا۔“ میں نے پوچھا۔

”ہرگز نہیں....!“ چانگ یک بیک جوش سے بھر گیا۔ ”ہرگز نہیں.... یہ بکواس ہے۔ یہ ا پروپیگنڈا ہے کہ وہ نکل بھاگا۔ اگر وہ ایک دوسرے ملک میں نہ دیکھ لیا جاتا تو وہ ملک کبھی اس کا ن نہ کرتا کہ وہ نکل بھاگا ہے۔ آخر اس وقت کیوں اعلان کیا گیا جب وہ دوسری جگہ دیکھ لیا گیا ۔ اس سے صاف یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے اس ملک کے لئے کام کرنا منظور کر لیا ہے۔“

”مگر اس کا نام کیا ہے۔“ میں نے پوچھا۔

”گارساں....!“ چانگ نے جواب دیا۔ ”لیکن اصل نام تے ری فونگ ہے اور وہ حقیقتاً کوریا کا ندہ ہے۔ گارساں تو فرنچ انڈو چائنیز تھا۔“

”تے ری فونگ۔“ میں نے آہستہ سے دہرایا.... میں یہ نام کرنل کی زبانی بارہا سن چکا تھا ن اس کے متعلق کسی حکومت کا کوئی اعلان میری نظروں سے نہیں گذرا تھا۔

”اچھا تو کیا وہ بوڑھا.... فونگ ہی تھا۔“ میں نے پوچھا۔

”پتہ نہیں! وہ خود تھا یا اس کی پارٹی کا کوئی آدمی۔ میں وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔“

”مگر آپ کو یہ کیسے یقین ہو گیا کہ وہ فونگ ہی کی پارٹی ہو گی۔“

”دیکھئے کیپٹن دنیا میں معدودے چند آدمی ایسے نکلیں گے جنہوں نے گارساں یا فونگ کو ان صلی شکل میں دیکھا ہو اور میں بھی انہی معدودے چند لوگوں میں سے ہوں۔ مجھے دراصل شبہ کہ یہ فونگ ہی کی پارٹی ہے اور فار موسا کی حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش کر رہی ہے۔“

”اُف فوہ.... مسٹر چانگ.... میرا خیال ہے کہ اب آپ پھر دو چار مزید گولیوں کی رت محسوس کر رہے ہیں، ارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آخر آپ کو شبہ کس بناء پر ہوا ۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اناس بائی کی ڈانسنگ پارٹی ہو۔“

”شبہے کی وجہ وہ لڑکی ہے۔“

”کیا مطلب....!“ میں چونک پڑا۔

”کیا وہ ہر وقت کچھ خائف خائف سی نہیں رہتی ہے۔“

"میرا خیال ہے کہ رہتی ہے۔"

"بس اس پر فونگ ہی کی دہشت طاری رہتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ شریف اور بھولی بھالی لڑکی ہو اور وہ اسے کسی خاص مقصد کیلئے استعمال کر رہا ہو۔ فونگ کا طریق کار یہی ہے۔ وہ لڑکیوں کو ذہنی طور پر کچھ اس بُری طرح الجھا دیتا ہے کہ وہ اس کے چکر سے نکل ہی نہیں سکتیں۔"

"مائی ڈیئر.... مسٹر چانگ۔" میں نے جھلا کر کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ اختلاج قلب کی مریضہ ہو۔ اس لئے اس کا چہرہ ہر وقت انجانے خوف کا اظہار کرتا ہو۔ آخر وہ فونگ کے چکر میں پھنسی ہوئی کوئی لڑکی کیسے ہو سکتی ہے۔ یا ہو سکتا ہے کہ وہ کسی اور سے خائف ہو۔ آہا.... یہ تو کھلی ہوئی بات ہے کہ وہ کسی ایسے آدمی سے خائف ہے جس کے اچانک حملے سے بچنے کے لئے اس نے دو عدد باڈی گارڈز رکھ چھوڑے ہیں۔"

"اس نے رکھ چھوڑے ہیں۔" چانگ نے حیرت سے کہا اور پھر یک بیک اس کی "ہو ہو" چھوٹ نکلی۔ پھر بدقت تمام وہ اس میں بریک لگا سکا۔

"اگر وہ باڈی گارڈ اس نے رکھے ہیں" چانگ بولا۔ "تو یہ کہنا پڑے گا کہ وہ اس سے بے حد تکلف ہیں۔ ورنہ اس کے سامنے بیٹھ کر شراب کیسے پیتے۔ آپ اتنی عقل بھی نہیں رکھتے کیپٹن فرض کیجئے اس پر کسی آدمی کا خوف مسلط ہے تو وہ اپنے باڈی گارڈز کو ہر وقت باہوش رکھنے کی کوشش کرتی نہ کہ اس طرح شراب پینے کی اجازت دیتی۔ اس کا مطلب تو یہی ہو سکتا ہے کہ کسی اور کی طرف سے اس کے نگراں مقرر کیئے گئے ہیں اور ان کی نظروں میں لڑکی کا ذرہ برابر احترام نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ لڑکی دوسروں پر یہی ظاہر کرتی ہو کہ وہ ایک اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ کیپٹن کاش تم گارساں اور اس کے کارناموں سے پوری طرح واقف ہوتے۔ یوں تو ساری دنیا میں اس کی بعض حرکتیں مشہور ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی نجی زندگی سے متعلق بہت کم لوگوں کو کچھ معلوم ہو سکا ہے۔ گارساں جن ممالک کے لئے کام کرتا تھا ان میں اس کی حقیقت بڑی پروقار اور ذی عزت ہوتی تھی لیکن دوسرے ممالک میں وہ اکثر ڈاکوؤں اور چوروں کی سی زندگی بسر کرتا تھا۔ اس طرح وہ وہاں کے دوران قیام میں خاصی دولت اکٹھی کرتا تھا۔ خوبصورت لڑکیاں اس کے پاس ہوتیں اور وہ ان کے ذریعے دولت مند لوگوں کی جیبیں خالی کرتا تھا۔ ظاہر ہے کہ فونگ یعنی اس کے ہمزاد کو بھی اسی کے نقش قدم پر چلنا ہوا۔ میں یورپ کے کئی ملکوں میں اس لڑکی سوفیا کا تعاقب کرتا رہا ہوں۔ اس نے وہاں کافی دھوم مچائی ہے ہر ملک میں اس کا نام مختلف رہا ہے۔ لیکن وہ ہمیشہ ہر جگہ خوفزدہ نظر آتی رہی ہے۔ میں اسے بہت

دیکھتا رہا ہوں کیپٹن۔ اگر وہ کبھی خوش بھی ہوتی ہے تو پھر تھوڑی دیر بعد اس طرح چونک کر نظر آنے لگتی ہے جیسے اس سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ میں اسے فونگ کی پارٹی سمجھنے پر مصر ہوں اور چونکہ فونگ فارموسا کیلئے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے اس لئے اسے ٹھکانے لگا دینا میرا فرض ہے۔"

میں کچھ نہ بولا۔ چانگ کی کہانی اکتا دینے والی تھی اور چانگ مجھے خواہ مخواہ بور کر رہا تھا اس لئے بکواس کے باوجود بھی مجھے سچی بات نہیں بتائی تھی۔ اس کے دلائل کسی حد تک وزن ضرور رکھتے تھے۔ لیکن یہ بات میرے حلق سے نہیں اتر سکی کہ وہ اپنے بیان کردہ وجوہ کی بناء پر اسے فونگ کی پارٹی سمجھنے پر مجبور تھا۔ ان سب دلائل کی روشنی میں بھی میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ فونگ ہی کیوں؟ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی اور ہی کی پارٹی رہی ہو۔ مجھے یقین تھا کہ اسے فونگ کی پارٹی تسلیم کر لینے کی اصل وجہ چانگ چھپانا چاہتا ہے۔ ہو سکتا ہے اس میں بھی کوئی مصلحت رہی ہو۔ یوں کہ وہ ایک غیر ملک کا سراغ رساں تھا اور ہمارے ملک کے محکمہ اُمور خارجہ کی اجازت سے ملک میں داخل ہوا تھا۔

میں یہی سب کچھ سوچتا رہا۔ چانگ نہ صرف خاموش ہو گیا تھا بلکہ شاید اب ضرورت سے زیادہ گولیاں اپنا اثر بھی دکھا رہی تھیں۔

چانگ اونگھ رہا تھا۔ میں نے سوچا چلو جان بچی۔ میں خواہ مخواہ جھوٹ بولنے سے بچ گیا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ میں اسے لڑکی کی وہ داستان تو ہرگز نہ سناتا جو اس سے سنی تھی۔

میں تو اب اس ٹھنڈی آگ کے متعلق سوچ رہا تھا جس کی رگوں کو شل کر دینے والی کیفیت اب بھی کسی حد تک میرے اعصاب میں موجود تھی۔ وہ فونگ رہا ہو یا اور کوئی اب کرنل کے ہاتھوں سے اس کا بچنا محال ہی نظر آتا تھا۔

اچانک چانگ کو کھانسی آئی اور وہ چونک کر اس طرح چاروں طرف دیکھنے لگا جیسے یہاں اپنی موجودگی پر متحیر ہو۔

اغواء

رات کس طرح گزری میں نہیں بیان کر سکوں گا۔ کیونکہ چانگ کے جاتے ہی چند
گدھے خرید کر سویا تھا جنہیں رینکنا بھی نہیں آتا تھا۔ اس لئے اطمینان سے سوتا رہا۔ چانگ
پچ افیون چڑھ گئی تھی اور وہ اس لڑکی کی کہانی سنے بغیر اٹھ کر چلا گیا تھا۔

صبح میں نے کسی قسم کی بھی کمزوری محسوس نہ کی۔ ذہن تروتازہ تھا، اور جسم میں اتنی
تھی کہ میں کسی گدھے کو بھی لات مار کر مغموم نہیں ہو سکتا تھا۔

"ہے.... ہا....!" دل چاہا کہ بچوں کی طرح چیختا ہوا کسی پر ٹوٹ پڑوں۔ مگر اب وہاں
کا وہ افیونی ملازم کہاں تھا جو ہر دو گھنٹے بعد یہ بھول جاتا تھا کہ کیپٹن حمید افیونی نہیں ہے۔

مجھے اس وقت وہ لڑکی یاد آ رہی تھی۔ فونگ بھی اُلو کا پٹھا معلوم ہو رہا تھا اور چانگ بھی
کتنی حسین تھی کتنی بھولی تھی۔ اس کی آواز میں کتنی کشش تھی اور جب وہ یک بیک اپنی گھن
پلکیں اوپر اٹھاتی تھی تو کیا معلوم ہوتا تھا۔ ہائے کاش میں نے شاعری کی مشق جاری ر
ہوتی.... کاش میں نے.... میرے خدا.... یہ زندگی کتنی عجیب ہے۔ اس میں کتنے موڑ ہیں
ہر موڑ پر کیا کچھ نظر نہیں آتا۔ حیران ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں۔ مگر کانوں سے
بھی سننا نہیں چاہتا۔ میں سوچتا ہوں کاش یہ خوبصورت لڑکیاں گونگی ہوتیں۔ میں انہیں
ہوں ان کے حسن سے مرعوب ہوتا ہوں کوئی یونان کی سائیکی معلوم ہوتی ہے اور کوئی مص
قلوپطرہ.... لیکن جب یہ بولنا شروع کرتی ہیں تو خدا کی قسم ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ان میں
بھرا ہوا ہو۔ کاش ان کی روحوں میں بھی ویسے ہی خطوط اور زاویئے ہوتے جیسے ان کے خدو
میں پائے جاتے ہیں۔ کاش ان کے خیالات میں بھی وہی بانکپن اور انیلا پن ہوتا جو ان کی
خرامی میں ملتا ہے۔ آنکھوں میں کتنا رس ہوتا ہے۔ کتنا نشیلا پن ہوتا ہے مگر زبانیں گھاس کاٹ
رکھ دیتی ہیں۔ ان کے ساتھ کھانے کو بیٹھ جاؤ تو متواتر چپ چپ سنائی دے گی جیسے کسی کتے کو
پر بٹھالیا ہو۔ پانی پئیں گی تو "غٹ.... غٹ.... غٹ" جیسے شیر کسی بھینس کی گردن دبو
اس کا خون پی رہا ہو۔ سمجھ میں نہیں آتا کہاں سر پٹخ دوں۔ کون سا زہر کھا کر سو جاؤں کہ آئند
سب کچھ دیکھنے اور سننے میں نہ آئے۔ ایک بار کرنل سے اس ٹریجڈی کا تذکرہ آیا تھا۔ مسکر
بولے تھے "تمہیں کسی ایسی لڑکی کی تلاش ہے جسے فریم کرا کے ڈرائنگ روم کی کسی دیوار

بنا سکو۔"

میں نے عرض کیا تھا "ملے بھی تو کوئی ایسی.... سونے کے مندر میں بٹھا کر دن رات پوجا
گا۔"

مجھے یاد نہیں کہ انہوں نے اس کا کیا جواب دیا تھا کیونکہ جیسا بھی جواب انہوں نے دیا ہوگا وہ
حافظے کے قابل ہی نہ رہا ہوگا۔

ہاں تو میں اس وقت یہ سوچ رہا تھا کہ چانگ سے ملاقات ہونے سے پہلے ہی نکل چلو تو بہتر
ورنہ وہ پھر اس لڑکی کے معاملے میں بور کرنا شروع کر دے گا اور سچی بات تو اس کے فرشتے
بھی نہیں معلوم کر سکتے کیونکہ وہ بھی چینی ہی ہوں گے۔

میں نے بڑی تیزی سے لباس تبدیل کیا اور پھر کمرے سے نکل ہی رہا تھا کہ چانگ سے
بڑ ہو گئی۔

"خوب اُلو بنایا تم نے پچھلی رات۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"آج کل الو بنانے کا میٹریل اتنا گراں آ رہا ہے کہ بنانے کو دل ہی نہیں چاہتا مسٹر چانگ۔"
نے بے پر کی اڑائی ہوگی۔

"ہرگز نہیں.... تم مجھے بیوقوف نہیں بنا سکتے۔" چانگ نے کہا اور مجھے اس کا لہجہ بے حد
گذرا۔

"یہ بھی میری ہی مرضی پر منحصر ہے۔ بتاؤں یا نہ بتاؤں۔" میں نے لاپرواہی سے کہا۔

چانگ کچھ دیر تک مجھے غصیلی نظروں سے دیکھتا رہا پھر یک بیک مسکرا کر بولا۔ "تم میرے
ٹے بھائی ہو۔"

"ہو.... ہو.... ہو۔" میں نے اسی کے سے انداز میں ہنسنے کی کوشش کی اور پھر
یدہ ہو کر بولا۔ "خدا میرے گناہوں کو معاف کرے۔"

"باتوں میں نہ اڑاؤ" چانگ نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "تم اس کی اہمیت سے
اقف ہو۔ تم نہیں جانتے کہ میں کتنا پریشان ہوں۔ آخر اس لڑکی نے تمہیں کیا بتایا تھا۔"

"مائی ڈیئر مسٹر چانگ....!" میں نے اس کا ہاتھ بہ آہستگی اپنے شانے سے ہٹاتے ہوئے
ا۔ "میں صرف کرنل کو جوابدہ ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ اس کیس سے آپ کا کیا تعلق ہے۔
ل نے مجھے آپ کے ساتھ بھیجا ضرور تھا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں اپنی رپورٹ آپ
دوں۔ آپ کو جو کچھ بھی معلوم کرنا ہے کرنل سے معلوم کر لیجئے گا۔"

میں آگے بڑھ گیا اور چانگ حیرت سے منہ کھولے کھڑا رہا۔

"سنئے کیپٹن.... پلیز.... صرف ایک بات۔" میں نے اس کی غمگین آواز سنی اور آ کچھ ایسا ہی درد تھا جیسے کسی کنوارے نے ایک محبت کرنے والی بیوہ کو ٹھکرا دیا ہو اور وہ عالم یا اسے روکنے کی کوشش کر رہی ہو۔ یہ چینی بھی عجیب ہوتے ہیں آپ نہیں کہہ سکتے وہ ک کس بات پر غمگین ہو جائیں گے۔ لہٰذا کسی چینی کو اپنے بکرے کے جوان ہو جانے کی خبر بھ محتاط ہو کر سنایئے انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو۔

بہر حال میں نے بھی بسور کر پوچھا۔ "کیا بات ہے۔"

"کیا آپ خفا ہو کر جا رہے ہیں۔"

"نہیں.... میں پھر واپس آؤں گا۔" میں نے کسی پردیس جانے والے شوہر کی طر دیتے ہوئے کہا۔ مگر شائد چین کے شوہروں کا انداز الگ ہوتا ہو۔ ورنہ چانگ کی ہچکیاں جاتیں۔

وہ قریب آ گیا اور پھر آہستہ سے بولا۔ "کیپٹن مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو ایک ن پر مجبور کر رہا تھا۔ بلاشبہ آپ کرنل ہی کو جواب دہ ہو سکتے ہیں۔"

"شکریہ....!" میں نے کہا اور اتنی تیزی سے چل پڑا جیسے ملک الموت تعاقب میں ہ اب بھی میک اپ ہی میں تھا۔ یہ پلاسٹک میک اپ تھا۔ بڑا تکلیف دہ ہوتا ہے اگر پورے ہو تو.... آدمی دو گھنٹے سے زیادہ اسے برداشت نہیں کر سکتا۔ یہاں تو خیر خدا کا شکر ہے ک ناک اور گالوں کی ہڈیوں کے ابھار پر ہی کرنل نے پلاسٹک کی تہہ جمائی تھی جس سے میر میں اچھی خاصی تبدیلی ہو گئی تھی۔

میں نے باہر نکل کر سوچا اب کدھر جاؤں۔ سامنے والے مکان کی دیوار پر "چل چ نوجوان" نامی فلم کا پوسٹر چپکا ہوا نظر آیا اور میں بڑی سعادت مندی سے چلنے لگا۔ مگر سوا کہ یہ چال کہیں تو ختم ہو گی ہی۔ پھر کیا وہیں دفن ہو جانا پڑے گا۔ یہ اسلئے سوچ رہا تھا کہ پاس کام کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ کرنل نے پچھلی رات یہ نہیں بتایا تھا کہ اب کیا کرنا ہو گا لنکن میرے پاس ہی تھی۔ لیکن میں نے پیدل ہی اسٹارٹ لے لیا۔ قصداً نہیں بلکہ ب خیالی میں کچھ دور چلنے کے بعد غلطی کا احساس ہوا۔ مگر پھر میں واپس نہیں لوٹا۔ میں نے پیدل ہی سہی۔ ایسے حالات میں یہی مناسب ہوتا ہے کہ پیدل ہی چلے ورنہ پیٹرول اتنی سے پھکتا ہے کہ بعد میں خود بھی افسوس کرنے کو دل چاہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی منزل

ہو گا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ اب کیا کرنا ہے۔ مگر مجھے پہلے ہی کیا کرنا تھا۔

اس بار پھر کرنل نے مجھے چارے کے طور پر استعمال کیا تھا۔ پچھلی رات مچھلی پھنستے پھنستے رہ تھی۔ چارے پر اس نے منہ مارا ہی تھا مگر چانگ جلدی کر گیا اور اب تو مچھلی بھڑک ہی گئی لہٰذا اب پھنسے یا نہ پھنسے.... مگر وہ مچھلی کب تھی.... وہ تو مچھلا تھا۔ جس کی فکر چانگ کو ممکن ہے کرنل بھی مچھلا ہی کے چکر میں رہے ہوں۔ مگر وہ مچھلی.... بام کی طرح ....اور جھینگے کی طرح شوخ اور غمزے والی.... اور کیکڑے کی طرح کجروی کی عادی.... رو ہو کی طرح.... لاحول ولا قوۃ کہیں آپ یہ نہ سمجھ لیں کہ میں نے اس وقت مچھلی بازار نے کا تہیہ کر لیا ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ سوفیا کی خوبیوں کے لئے تشبیہات کا رہ کہاں سے لاؤں۔

یعنی مجھے اس کی پرواہ نہیں تھی کہ وہ کن حالات کی شکار ہے۔ میں تو اس کے لئے تشبیہات ش کر رہا تھا۔ مجھے اس سے کیا غرض کہ وہ مر رہی تھی میں تو یہ دیکھ رہا تھا کہ وہ جان کنی کے عالم کتنی حسین معلوم ہوتی ہے۔ چلئے وہ مر بھی جاتی تو میں اس قسم کا کوئی شعر کہے بغیر نہ رہتا۔

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی جو پنہاں ہو گئیں

کچھ بھی ہو سوفیا ایسی ہی لڑکی تھی جس کے بارے میں بہت کچھ سوچا جا سکتا تھا۔ اس لئے اگر ا نے جان ہی دینے کی ٹھان لی تھی تو کیا بُرا کیا تھا۔ مگر ٹھہریئے میں اتنا چغد بھی نہیں ہوں کہ ا لڑکی کے لئے جان دے دوں۔ پھر ایسی صورت میں جب کہ پچھلی رات مجھ پر حملہ ہو چکا تھا۔ رے قدم آرلکچنو کی طرف کیوں اٹھ رہے تھے۔ اوہو کیا آپ بھول گئے کہ میں اس کیس میں رے کے طور پر استعمال کیا جا رہا تھا۔ کیا کرنل جو مجھے پچھلی رات اتنی لاپروائی سے چانگ کے گھر ں چھوڑ کر چلے گئے تھے اس وقت قیلولہ کر رہے ہوں گے۔ نوپ! اگر وہ حقیقتاً خود سو بھی رہے وں گے تو انہوں نے میرے گرد کم از کم اپنی بلیک فورس کا جال ضرور پھیلا دیا ہو گا۔ یہ بلیک رس بھی آج تک میری سمجھ میں نہ آ سکی اگر اس کا تعلق محکمے سے ہوتا تو یہ بلیک فورس کیوں ہلاتی۔ میرا خیال ہے کہ میرے علاوہ اور کسی کو اس کا علم نہیں تھا۔ ایک یہی نہیں کرنل کے زاروں راز مجھ سے پوشیدہ ہیں۔ بعض اوقات تو میں سنجیدگی سے سوچنے لگتا ہوں کہ یہ حضرت موماً جس شکل میں نظر آتے ہیں یہ ان کی اصل شکل ہے بھی یا نہیں۔

آر لکچو پہنچ کر میں سیدھا روم نمبر تھرٹین کی طرف چلا گیا۔ دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔ کسی کے چلنے کی آواز آئی اور دروازہ کھلا۔

سوفیا شب خوابی کے لباس میں سامنے کھڑی تھی۔ لیکن پھر وہ بوکھلا کر بستر کی طرف اور جلدی سے اپنے اوپر سلیپنگ گاؤن ڈال لیا۔ وہ بے حد خوفزدہ نظر آنے لگی تھی۔

"جاؤ پرنس خدا کے لئے جاؤ.... پتہ نہیں وہ کیا کر بیٹھے۔" اس نے کانپتی ہوئی آواز میں

"میرے معاملے میں وہ خودکشی کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتا۔"

"میں کہتی ہوں جاؤ.... خدا کے لئے۔" وہ مجھے دھکیلتی ہوئی بولی۔

"نہیں میں تمہیں اپنے ساتھ لے چلوں گا۔"

"میں مرنا نہیں چاہتی.... جاؤ چلے جاؤ۔"

میں اسے ایک طرف ہٹا کر کمرے میں داخل ہو گیا۔ لیکن ٹھیک اسی وقت دونوں انڈوہ باڈی گارڈز بھی اندر گھس آئے۔ دروازہ بند کر دیا گیا۔ ان کے ارادے نیک نہیں معلوم تھے۔ شائد انہوں نے ارادہ کیا تھا کہ میرا گلا گھونٹ کر مار ڈالیں کیونکہ وہ خالی ہاتھ اس طرح طرف بڑھ رہے تھے جیسے میں ان کی نظروں میں ایک حقیر ترین کیڑا رہا ہوں۔ مجھے ان کے اس پر بڑا غصہ آیا۔ میں نے غلط اندازہ نہیں لگایا تھا۔ وہ مجھ پر ایک ساتھ حملہ کرنے والے تھے میں نے انہیں اس کا موقع نہیں دیا۔ دوسرے ہی لمحے میں میں نے ریوالور نکال لیا۔ "پیچھے ہٹو

وہ جہاں تھے وہیں رک گئے۔ میں نے کہا۔ "تم لوگ تین گھنٹے کے اندر شہر خالی کر دو ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑا جائے گا۔ یہاں پرنس داراب کے علاوہ کسی اور کی گنجائش نہیں ا لڑکی مجھے اتنی پسند آئی ہے کہ یہ زندگی بھر میرے ساتھ رہ سکتی ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہو

وہ دونوں خاموش کھڑے رہے پھر میں نے ایک کو مخاطب کر کے دوسرے کے لئے

"اس کے ہاتھ اور پیر باندھ دو۔" وہ اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں میں نے پھر کہا۔ میں اس ریو استعمال بھی کر سکتا ہوں کیونکہ یہ قطعی بے آواز ہے۔ تم دونوں نہایت اطمینان سے سو جاؤ لڑکی تم یہاں سے چلنے کی تیاری کرو۔ اگر تم نے بھی میرا حکم نہ مانا تو میں تمہاری لاش بھی چھوڑ جاؤں گا۔"

وہ کچھ نہ بولی۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ اپنی سلیپنگ گاؤن کی ڈوری اس آدمی کے ح کر دے جسے میں دوسرے کو باندھنے کا حکم دے چکا تھا۔ سوفیا نے ڈوری اس کی طرف اچھا اور وہ اپنے دوسرے ساتھی کے ہاتھ پشت پر باندھنے لگا۔ دوسرا آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہا تھا

نہ سمجھ سکا۔ لیکن میں نے سوفیا کے چہرے پر تشویش کے آثار دیکھے۔ اب میں بھی اتنا احمق تھا کہ اس گفتگو کا مقصد نہ سمجھتا۔

"اگر تم نے اس کے ہاتھ ڈھیلے باندھے تو وہی پھندا تمہارے لئے پھانسی کا پھندا بن جائے" میں نے آہستہ سے کہا۔

یک بیک سوفیا بہت مستعد نظر آنے لگی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ابھی تک سوتی رہی ہو۔ نے جلدی جلدی اپنا سوٹ کیس کھول کر اس میں سے ریشم کی ڈور نکالی اور اسے میری طرف ھادیا۔ لیکن کچھ بولی نہیں۔ جب ایک باڈی گارڈ دوسرے کو باندھ چکا تو میں نے اُس سے کہا کہ بھی خاموشی سے اپنے ہاتھ پیر بندھوا لے مگر وہ کینچوا تو تھا نہیں۔ اس نے برجستہ کہا کہ اگر تم رے ہاتھ پیر باندھ سکے تو بلاشبہ بندھوا لوں گا۔ اس پر میں نے سوفیا سے کہا کہ وہ اس کی جامہ اشی لے۔ سوفیا کے ہاتھ پیر کانپ رہے تھے لیکن اس نے دیر نہیں لگائی۔ باڈی گارڈ کی جیب ے ایک بڑا سا چاقو برآمد ہوا۔ چاقو اپنے قبضے میں کر لینے کے بعد میں سوچنے لگا کہ اسے کس رح باندھا جائے۔

سوفیا اس کام کے لئے بھی ناموزوں ہوتی کہ ریوالور ہی لئے کھڑی رہے۔ اتنے میں فون کی نٹی بجی اور میں نے ریسیور اٹھا لیا۔ ریوالور کا رخ باڈی گارڈ ہی کی طرف تھا۔ میں نے ریسیور اٹھایا ز مگر سوفیا کی طرف بڑھادیا۔

سوفیا نے کال ریسیو کی۔

"آپ کے لئے ہے۔" اس نے کہا اور ریسیور مجھے دے دیا۔

دوسری طرف سے کرنل کی آواز آئی اور میں بوکھلا گیا۔ انہوں نے کہا۔ "تم وہاں کیا کر رہے ہو۔"

"ایک کو باندھ چکا ہوں اب دوسرے کی فکر ہے۔"

"باڈی گارڈز۔"

"جی ہاں۔"

"پھر....!"

"لڑکی میرے ساتھ جائے گی۔"

"کہاں جائے گی۔"

"جہاں آپ کہئے۔"

"میرا خیال ہے کہ تم وقت برباد کر رہے ہو۔"

"نہیں وقت اچھا کٹے گا۔ میرا خیال ہے کہ وہ شاعرانہ ذوق رکھتی ہے۔"

"خیر.... فی الحال تم اسے جھریالی کا علاقہ دکھلاؤ.... اس کے بعد اسی عمارت میں ا
جانا جہاں چانگ رہتا ہے.... بس۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ لیکن میری حیرت کا کیا ٹھکانہ۔ آخر جھریالی کی طرف کیوں لے جاتا۔ وہ سنسان میدانوں اور جنگلوں کا علاقہ تھا۔ ریسیور ر مجھ سے ایک غلطی ہوئی جس کے لئے مجھے بھگتنا پڑا۔ بس اتنی غلطی ہوئی تھی کہ میری ا گارڈ سے ہٹ کر فون کی طرف مبذول ہو گئی تھی۔ اس نے مجھ پر چھلانگ لگائی اور ریوالو ہاتھ سے نکل گیا۔

لیکن میں فوراً ہی سنبھل گیا ورنہ شاید میں نیچے ہوتا۔

انڈو چائینیز لپٹ پڑا تھا۔ لیکن شائد شریفوں سے لڑنے کا سلیقہ اسے نہیں تھا۔ ا ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی بندر مجھ سے لپٹ پڑا ہو۔ سب سے پہلے اس نے میر بازو پر منہ مارا اور میں بلبلا اٹھا۔ پھر میرے چہرے پر ناخنوں سے نقش و نگار بنانے کی جس پر بُرا مان کر میں نے بھی ایک گھونسہ عرض کر دیا جسے اس نے اپنی ناک پر ریسیو کہا اور دوسری طرف الٹ گیا۔ جو کچھ بھی کہا تھا اپنی مادری زبان میں کہا تھا۔ لیکن میں پا کے علاوہ ایسے مواقع پر دنیا کی ساری زبانیں بھول جاتا ہوں۔ ورنہ خدشہ رہتا ہے کہ کہ دودھ یاد نہ آ جائے۔ جیسے ہی وہ فرش پر گرا میں نے یہی مناسب سمجھا کہ اس پر کم از مرتبہ قدم رنجہ ہی فرماؤں۔ چنانچہ میں دو تین بار اس کے سینے پر اچھلا اور نیچے اتر آیا۔ مادری زبان میں اس قدم رنجہ فرمائی کہ شکریہ ادا کرتا رہا اور اس کا دوسرا ساتھی انگریزی کہہ رہا تھا اگر اردو میں کہتا تو میں اس کا سر قلم کر دیتا۔

بہر حال قدم رنجہ فرمانے سے بھی کچھ نہ ہوا.... شکریہ ادا کر کے وہ اٹھ ہی رہا نے اس کی کھوپڑی کو قدوم میمنت لزوم سے شرفیاب کرنا شروع کر دیا۔ اب اس میں کرنے کی بھی سکت نہیں رہ گئی تھی۔ اس نے عالم سرور میں اپنی آنکھیں بند کر لیں مطمئن ہونے کے بعد میں اس کے ساتھی کی طرف متوجہ ہوا۔ جس کے ہاتھ پیر بند تھے لیکن زبان قینچی کی طرح چل رہی تھی۔ لیکن میرے پاس قینچی نہیں تھی ورنہ.. اب وہ میری شان میں قصیدہ خوانی کے سلسلے میں مبالغے کی سرحدیں چھونے لگا تھا۔ ا

نے یہی مناسب سمجھا کہ اب اس کی زبان کو آرام کرنا چاہئے۔

میرا رومال ناکافی ہوا تو مجھے سوفیا سے ایک رومال اُدھار لینا پڑا۔ کیا اب یہ بھی بتاؤں کہ اس نے اس وقت میری سات پشتوں تک کا شکریہ ادا کر کے رکھ دیا تھا۔ جب میں اس کے منہ میں رومال ٹھونس رہا تھا۔

لڑکی اس دوران میں ایک چھوٹا سا سوٹ کیس سنبھالتی رہی تھی۔ کبھی کبھی اس کے حلق سے ڈری ڈری سی آوازیں بھی نکل جاتی تھیں۔

وہ میرے ساتھ جانے پر تیار ہو گئی تھی لیکن اس طرح خائف نظر آ رہی تھی جیسے باہر نکلتے ہی اُسے کوئی گولی مار دے گا۔ میں نہایت اطمینان سے نکلا چلا آیا۔ دونوں باڈی گارڈز کو اسی کمرے میں بند کر دیا گیا تھا۔ باہر آ کر میں نے ٹیکسی کی اور ہم جھریالی کی طرف روانہ ہو گئے۔ لڑکی پیچھے مڑ مڑ کر دیکھے جا رہی تھی شاید اسے تعاقب کا خدشہ تھا۔ خدشہ تو مجھے بھی تھا لیکن میں مطمئن بھی تھا کہ بقیہ معاملات کرنل خود ہی سمجھ بوجھ لیں گے۔ ظاہر ہے کہ انہیں اس کا بھی علم تھا کہ میں سوفیا کے کمرے میں داخل ہوا ہوں۔ نہ صرف علم تھا بلکہ یقین بھی رکھتے تھے کہ میں وہاں ہر قسم کے حالات پر قابو پالوں گا۔ مجھے حیرت بھی تھی کہ آخر وہ مجھ پر اتنا اعتماد کیوں کرنے لگے ہیں۔

"اب ہم کہاں جائیں گے۔" سوفیا نے خوفزدہ آواز میں کہا۔

"اب ہم تھوڑی سی تفریح کریں گے۔ کیونکہ ابھی تک ہم کوفت کا سامنا کرتے رہے ہیں۔"

"کیا میں یقین کر لوں کہ اب میرا مستقبل محفوظ رہے گا۔"

"مستقبل کبھی محفوظ نہیں رہتا ہے۔ پہلے وہ حال بنتا ہے اور پھر ماضی میں تبدیل ہو جاتا ہے اور ہم بوڑھے ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا مستقبل کی فکر فضول ہے۔"

"میں نے تم پر اعتماد کر لیا ہے۔"

"بُرا نہیں کیا۔" میرا مختصر سا جواب تھا۔

میں دراصل الجھن میں پڑ گیا تھا۔ آخر جھریالی کا ویران علاقہ کیوں اور پھر اس کے بعد چانگ کے مکان میں واپسی۔ وہ مکان تو بقول چانگ پہلے ہی سے ان لوگوں کی نظروں میں تھا۔

بہر حال جو کچھ بھی مجھ سے کہا گیا تھا بے چوں و چرا کرنا تھا۔

"تم خاموش کیوں ہو۔" سوفیا نے کہا۔ وہ بہت زیادہ مضطرب معلوم ہو رہی تھی۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ تمہارے چچا کا کیا حال ہو گا۔ کیا اس نے اپنی زندگی کا بیمہ کرا لیا تھا۔"

"وہ جہنم میں جائے۔" سوفیا بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "اس کے تصور سے بھی نفرت معلوم ہوتی ہے۔"

"کیا اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی ہیں۔"

"میں ان دونوں محافظوں کے علاوہ اور کسی سے واقف نہیں۔"

"اسے ہمیشہ ہی تنہا دیکھا ہے....؟"

"ہاں.... ہمیشہ.... حد یہ ہے کہ کبھی کسی سے گفتگو کرتے بھی نہیں دیکھا۔ اگر کبھی کوئی اجنبی اسے مخاطب بھی کرتا ہے تو وہ اتنی سرد مہری سے پیش آتا ہے کہ دوسری بار اس کی ہمت نہیں پڑتی۔"

"وہ خود کہاں مقیم ہے۔"

"مجھے اس کا بھی علم نہیں۔"

"پھر کیسے کام چلے گا۔" میں نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"اوہ.... تو تم اس کے خلاف کیا کرنا چاہتے ہو۔"

"ہو سکا تو قتل کروں گا۔" میں نے لاپروائی سے کہا اور اسے لرزتے دیکھا۔

"نہیں....!" اس نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔ "اس کی کیا ضرورت ہے۔"

"پھر تم اس کے سلسلے میں کیا چاہتی ہو۔"

"بس اتنا ہی کہ آئندہ اس کا سامنا نہ ہو۔"

میں اس طرح خاموش ہو گیا جیسے سچ مچ سوچ رہا ہوں کہ اُسے مار ڈالا جائے یا زندہ رکھا جائے۔

ٹیکسی ڈرائیور سمجھا تھا شائد ہم لوگ سیاح ہیں اس لئے اکثر وہ مجھ سے مخاطب ہو کر جھریالی کے علاقے کے متعلق کچھ کہنے لگتا تھا۔ ٹیکسی شہر سے نکل کر ایک ویران راستے پر لگ گئی تھی۔

"یہ تم کہاں لے جا رہے ہو۔" سوفیا نے کہا۔ اب پھر اس کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔

"اُدھر ایک بڑی خوبصورت جھیل ہے۔ میں آج پھر دیکھوں گا کہ وہ تمہاری آنکھوں سے زیادہ گہری تو نہیں ہے۔"

"میرے خدا۔" وہ ٹھنڈی سانس لے کر بڑبڑائی۔ "کیا اب میں ریگستان سے نکل کر کسی دلدل میں پھنسوں گی۔"

میں کچھ نہ بولا۔ میرا خیال تھا کہ ایسے کسی موقع پر زبان کو تھکانا بیسود ہوتا ہے۔ میری دانست میں چونکہ وہ خود ہی غیر یقینی حالات کی شکار تھی اس لئے محض الفاظ سے اس کی تسکین ناممکن تھی۔

دفعتاً میں نے پیچھے کسی وزنی گاڑی کی آواز سنی۔ مڑ کر دیکھا۔ وہ ایک ٹرک تھا جس پر بانس

لدے ہوئے تھے۔ میں پھر مطمئن ہو گیا۔

ابھی تک تو مجھے تعاقب کے آثار نہیں نظر آئے تھے۔

ٹرک کی رفتار تیز تھی وہ ٹیکسی کے برابر سے آگے نکل گیا۔ لیکن اس کی رفتار اتنی تیز بھی نہیں تھی کہ ٹیکسی سے اس کا فاصلہ بہت زیادہ ہو جاتا۔ ٹیکسی ڈرائیور نے ٹیکسی آگے نکالنی چاہی لیکن میں نے اُسے روک دیا۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ٹرک ہماری راہ میں حائل ہی رہنا چاہتا ہو۔ میں الجھن میں پڑ گیا۔ پیچھے سڑک اب سنسان پڑی تھی۔ مگر ٹرک کی رفتار میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ ہماری ٹیکسی بھی پہلے ہی کی سی رفتار سے جا رہی تھی۔

جھیل تک یہی کیفیت رہی۔ پھر جیسے ہی ہم جھیل کے قریب پہنچے ٹرک نے ایک لمبا چکر لیا اور پھر شہر ہی کی جانب مڑ گیا۔ کیا یہ کم حیرت انگیز تھا کہ وہ قریب کی فیکٹری میں بانس اتارے بغیر واپس ہو گیا تھا۔ خیموں کے لئے بانس بنانے کی ایک فیکٹری اسی علاقے میں تھی۔

واپسی

کرنل نے اتنا ہی کہا تھا کہ میں سوفیا کو جھریالی کے علاقے کی طرف لے جاؤں اور پھر وہاں سے ہماری واپسی چانگ کے مکان پر ہو۔ لیکن یہ نہیں بتایا تھا کہ جھریالی کے علاقے میں ہماری رات قیام کیا ہو گی۔

ڈرائیور نے میرے اشارے پر ٹیکسی جھیل کے کنارے پر روک دی۔

سوفیا نے چاروں طرف دیکھ کر ایک طویل سانس لی اور اس وقت نہ جانے کیوں مجھے رائیڈر ہیگرڈ کا ناول "شی" یاد آ رہا تھا۔ جس میں ایک ایسی حسینہ کا تذکرہ ہے جو ہزاروں سال سے زندہ تھی اور جوالا مکھی کی آگ میں نہا کر جوان ہو جایا کرتی تھی اور ہمیشہ جوان ہی رہتی تھی۔

"یہ جادو کی جھیل ہے۔" میں نے سوفیا سے کہا۔ "تم نے پُر اسرار مشرق کے متعلق اپنے ہاں لاتعداد داستانیں سنی ہوں گی۔ میں دراصل اسی جھیل میں رہتا ہوں۔"

"نہیں....!" سوفیا یک بیک مجھے گھورنے لگی۔

"ہاں.... میں ہزار سال سے زندہ ہوں.... میری رعایا مجھے "ہی" کہتی ہے اور "ہوا" کہہ کر مخاطب کرتی ہے۔ میں ہزار سال سے اپنی رعایا پر حکمران ہوں۔ جب بوڑھا ہونے لگتا ہوں تو

اسی جھیل کا پانی اپنی دم پر لگا کر دوبارہ جوان ہو جاتا ہوں۔"

سوفیا کھلکھلا کر ہنس پڑی اور بولی۔ "میں نے رائیڈر ہیگرڈ کا ناول شی پڑھا ہے۔ وہ ہیا.... کہلاتی تھی.... اور تم "ہی" ہو.... مگر "ہوا" کسے کہتے ہیں۔"

میں نے اسے "ہوا" کا مطلب سمجھانے کی کوشش کی اور وہ اور زیادہ ہنسنے لگی۔

"نوزائیدہ ہیگرڈ نے "ہوا" سے "ہیا" بنائی ہے۔ لوگ اس سے اسی طرح خائف رہتے تھے جیسے تمہارے بتائے ہوئے "ہوا" سے ہو سکتے ہیں۔ تم بہت دلچسپ اور ذہین آدمی معلوم ہوتے ہو پرنس.... میرے خدا میں آج کتنے دنوں بعد دل کھول کر ہنسی ہوں۔"

پھر وہ کار کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گئی۔ میں نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ وہ کسی ننھی سی بچی کی طرح خوش نظر آنے لگی تھی۔

"میں پیرس سے کبھی باہر نہیں نکلی۔ اس کے بعد نکلی بھی تو ایسے حالات کا شکار رہی۔ یورپ کے مختلف شہروں ہی میں ماری ماری پھری ہوں، ایسے مناظر میری نظروں سے کم گزرے ہیں۔ اوہ پرنس اوہ پرنس.... میں کتنی خوش نصیب ہوں کاش ساری زندگی مطمئن رہوں۔ کاش موجودہ حالات کی بھی اصلیت ظاہر ہو جائے۔"

"سب کچھ ہو جائے گا۔" میں نے کہا۔ "مگر تمہیں اپنی زبان کھولنی پڑے گی۔ اس کے بغیر کچھ بھی نہ ہو سکے گا۔ تم مجھے بتاؤ کہ اپنے اس چچا کے متعلق اور کیا جانتی ہو۔"

"میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتی جتنا بتا چکی ہوں اور دونوں باڈی گارڈز کے علاوہ کسی ایسے تیسرے آدمی کے وجود سے بھی ناواقف ہوں جو میرے چچا سے تعلق رکھتا ہو۔ لیکن ٹھہرو.... میں تمہیں ایک اہم واقعہ بتاؤں گی۔ جو ایمسٹرڈم میں پیش آیا تھا۔ میں اپنی اس قید و بند کی زندگی سے اکتا گئی تھی۔ ایک شام میں اپنے باڈی گارڈز کے ساتھ ایمسٹرڈم کی ایک تفریح گاہ میں بیٹھی ہوئی تھی۔ مجھے اپنی بے بسی پر بڑا رونا آیا۔ لیکن میں نے تہیہ کر لیا کہ اب ان لوگوں کی ایک نہ سنوں گی۔ میرا چچا بھی اسی تفریح گاہ میں موجود تھا حسب معمول مقررہ وقت پر وہ جانے کے لئے اٹھ گیا اور مجھے بھی اٹھنے کا اشارہ کیا۔ باڈی گارڈز بھی اٹھے۔ لیکن میں نے اٹھنے سے انکار کر دیا۔ میں نے کہا کہ میں اب ان پابندیوں کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ اگر زبردستی کی گئی تو میں شور مچانا شروع کر دوں گی اور تم سب مصیبت میں پڑ جاؤ گے۔ وہ دونوں گھبرا گئے اور ان میں ایک نے کہا اچھا ٹھہرو میں تمہارے چچا سے اجازت لے آؤں پھر تم بیٹھ سکو گی۔ ہمیں اعتراض نہ ہوگا۔ ایک وہیں موجود رہا اور دوسرا چلا گیا۔ مجھے سچ مچ بڑا شدید غصہ آ گیا تھا اور آ

لمحات کے بہتر یا بدتر ہونے کا دارومدار صرف میرے چچا کے جواب پر تھا۔ میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ حالات کا مقابلہ سختی سے کروں گی۔ تھوڑی دیر بعد باڈی گارڈ نے آکر اطلاع دی کہ میرا چچا بھی مجھے باہر باغ میں بلا رہا ہے۔ میں اٹھ گئی۔ میں اب براہِ راست اسی سے گفتگو کرنا چاہتی تھی۔ باڈی گارڈز میرے ساتھ چلتے رہے اور میں باغ کے اس گوشے میں پہنچ گئی جہاں میرا چچا پہلے سے موجود تھا۔

اس نے مجھ سے پوچھا کہ میں کیا چاہتی ہوں اور میں کسی جوالا مکھی کی طرح پھٹ پڑی۔ اس گوشے میں ہم چاروں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا اور میں فرانسیسی میں گفتگو کر رہی تھی۔ یہاں روشنی بھی نہیں تھی۔ بس تاروں کی چھاؤں میں ان تینوں کی دھندلی سی پرچھائیاں دیکھ سکتی تھی۔ وہ تین کیا اگر تین ہزار ہوتے تب بھی میری زبان نہیں رک سکتی تھی۔ جو کچھ میرا جی چاہتا کہتی رہی۔ اچانک کوئی لجلجی سی چیز میرے چہرے سے ٹکرائی پھر آنکھوں کے سامنے بجلی سی چمکی اور مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرا چہرہ جھلس گیا ہو۔ لیکن کیا وہ آگ تھی۔"

وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی۔ اس کی پیشانی پر شکنیں تھیں اور آنکھوں سے کسی تکلیف کا اظہار ہو رہا تھا۔ میں کچھ نہ بولا۔ اس نے پھر کہا۔ "کاش تمہیں اس پر یقین آ جائے۔ کاش! اسے تم گپ نہ سمجھو کیونکہ تم ابھی ابھی رائیڈر ہیگرڈ کے ایک ناول کا حوالہ دے چکے ہو۔ میں نہیں کہہ سکتی کہ تم نے اس کا تذکرہ کیوں چھیڑا تھا۔ ہو سکتا ہے تم سرے ہی سے میری اس داستان کو گپ سمجھتے ہو اور تمہارا خیال ہو کہ میں کوئی آوارہ لڑکی ہوں اور اسی طرح مالدار آدمیوں کو پھانسنا میرا پیشہ ہو۔ تم کچھ بھی سمجھو میرا کچھ بھی حشر ہو مگر اب میں ان حالات کے جال سے نکلنا چاہتی ہوں، خواہ مجھے اس جھیل کی تہہ میں کیوں نہ پناہ لینی پڑے۔"

"تم بیان جاری رکھو میں تمہاری کہانی کو غلط نہیں سمجھا کیونکہ میں اکثر خود بھی اس سے کہیں زیادہ پُراسرار حالات سے دوچار ہو چکا ہوں اور انہیں حالات کے پیش نظر میں تم میں اتنی دلچسپی بھی لے رہا ہوں ورنہ پرنس داراب ولد مہاراجہ سرخاب بہت مشغول آدمی ہے۔"

"پہلے مجھے ایسا محسوس ہوا تھا" اس نے کہانی دوبارہ شروع کی اور پھر خاموش ہو کر اپنی پیشانی رگڑنے لگی۔ میں بھی خاموش ہی رہا۔ اسے ٹوکنا نہیں چاہتا تھا۔

"مجھے ایسا محسوس ہوا تھا.... اوہ مجھے وہ تکلیف اس وقت یاد آ گئی ہے پرنس مجھے پہلے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے میرا چہرہ جھلس گیا ہو۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ یہ محسوس کرنے لگی جیسے میرے شانوں پر سر کی بجائے برف کی چٹان رکھ دی گئی ہو۔ پھر میرا سارا جسم برف کے ڈھیر میں دب کر

رہ گیا ہو۔ میں بیہوش ہو گئی۔ پھر میں نہیں جانتی کہ کتنی دیر بعد مجھے ہوش آیا تھا۔ میں ایک تنگ و تاریک کوٹھری میں بند تھی اور میرے سر پر وہی دونوں باڈی گارڈز مسلط تھے۔ ان کا خیال تھا کہ بوڑھا مجھے مار ڈالے گا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ وہ بھی اس سے خائف رہتے ہیں۔ کیونکہ اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ وہ بے حد چالاک اور طاقتور ہے۔ پھر انہوں نے مجھے سمجھانا شروع کیا کہ میں مفت میں عیش کر رہی ہوں۔ مجھے ابھی تک کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ مجھے کسی ناجائز اور غیر قانونی کام پر مجبور نہیں کیا گیا۔ پھر آخر بدحواسی کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے بھی سوچا کہ اب بے چوں و چرا وہی کرنا چاہئے جو یہ لوگ کہیں۔ پھر جب کبھی گلو خلاصی کی صورت نظر آئے تو پھر ہاتھ پیر مارے جائیں گے۔ میں تنہا ان لوگوں سے نپٹنے کی قوت نہیں رکھتی تھی۔ ان دونوں نے مجھے دھمکی بھی دی تھی کہ اگر میں آسانی سے راہ پر نہ آئی تو وہ مجھے شریف اور نیک نہ رہنے دیں گے۔ پھر میں راہ پر آ گئی۔ پھر اس خبیث اور پُراسرار آدمی کے اشاروں پر ناچنے لگی۔ مگر میں آج تک نہ سمجھ سکی کہ میرا مصرف کیا ہے۔ نہ مجھے آج تک کسی سے ملنے پر مجبور کیا گیا نہ کسی سے گفتگو کرنے کو کہا گیا۔ یہاں آنے کے لئے بھی وہ ایک بہانہ تھا ورنہ میں آپ کو پچھلی رات ہی بتا چکی ہوں ہوں کہ مرنے والا ایک قلاش آدمی تھا۔"

"تو اب تم اُن لوگوں میں واپس نہیں جانا چاہتیں۔"

"اس پر میں موت کو ترجیح دوں گی۔ اس کے علاوہ اور سب کچھ کر سکتی ہوں۔ میں اب عیش پر تھوکنا بھی پسند نہیں کرتی۔"

"اچھا تو آؤ واپس چلیں.... اب تم ان لوگوں میں واپس نہیں جاؤ گی۔"

"میں زندگی بھر احسان مند رہوں گی اگر ان سے چھٹکارا نصیب ہو جائے۔"

"چلو....!" میں ٹیکسی کی طرف مڑ گیا۔ خواہ وہ ایک شاندار فریب ہی کیوں نہ رہا ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں اس لڑکی کی بیچارگی سے بے حد متاثر ہوا تھا۔ مجھے وہ لڑکی یاد آئی جو حقیقتاً ایک ملک کی شہزادی تھی مگر چند اجنبیوں کے ہاتھوں ایسے پُراسرار حالات کا شکار ہوئی تھی کہ اس کے پاگل ہونے میں کوئی کسر نہیں رہ گئی تھی۔[1] پہلے میں اسے بھی فراڈ ہی سمجھا تھا لیکن پھر مجھے اپنی بدگمانی پر بے حد افسوس ہوا تھا۔

ہم دونوں ٹیکسی میں بیٹھ گئے اور وہ پھر شہر کی طرف چل پڑی۔ میں راستے بھر ہوشیار رہا لیکن چانگ کے مکان تک پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

---

[1] اس داستان کے لئے جاسوسی دنیا کے ناول "خون کا دریا" جلد نمبر 7 ملاحظہ فرمائیے۔

وہاں پہنچ کر مجھے پھر متحیر ہونا پڑا۔ میرے ایک ماتحت نے بتایا کہ کرنل نے فون پر ہدایت دی ہے جیسے ہی وہاں پہنچوں ساتھی سمیت مجھے گھر چلے آنے کو کہا جائے۔

ٹیکسی میں نے چھوڑ دی تھی۔ اب لنکن نکالنی پڑی لیکن روانگی سے پہلے میں نے کرنل کو فون کر کے اپنے ماتحت کے بیان کی تصدیق کر لی تھی۔ وہ گھر ہی پر موجود تھے اور اُن کی خواہش تھی کہ میں سوفیا سمیت وہیں پہنچاؤں۔

سوفیا خاموش ہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے خود کو میرے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہو۔ ہم کوٹھی کی طرف روانہ ہو گئے۔

"تمہاری یہ گاڑی بڑی شاندار ہے۔" سوفیا نے کہا۔

"تم یہ کیوں بھول جاتی ہو کہ میں شہزادہ ہوں۔ یہ گاڑی ایئر کنڈیشنڈ ہے۔"

میں اب بھی میک اپ ہی میں تھا اگر اپنی گاڑی میں نہ آیا ہوتا تو ملازم مجھ پر خونخوار قسم کے کتے چھوڑ دیتے۔ کیونکہ میں درانہ اندر گھستا چلا گیا تھا۔ نصیرا نے ٹوکا تھا۔ مگر میں نے آواز بدلے نیرا سے ڈانٹ دیا تھا۔ ورنہ بات ضرور بڑھ جاتی۔

کرنل لائبریری میں تنہا نہیں تھے ان کے ساتھ چانگ بھی تھا، اور میز پر بہت سے کاغذات لھرے ہوئے تھے۔ ان کاغذات کے ساتھ چمڑے کا مخصوص طرز کا تھیلا دیکھ کر میں نے اندازہ ڈالیا کہ دفتر کے ریکارڈ روم سے کسی پرانے کیس کے کاغذات نکالے گئے ہیں۔ سوفیا کو میرے ساتھ دیکھ کر چانگ کا منہ حیرت سے کھل گیا اور کرنل نے مجھے بتایا کہ چانگ کو میرے اس ارنامے کا علم نہیں تھا۔

اس نے دبی زبان سے اتنا ضرور کہا کہ میں نے شائد اچھا نہیں کیا۔ یہ لڑکی بھی فراڈ ہو سکتی ہے۔ اس پر سوفیا نے بہت بُرا سا منہ بنایا اور اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔ چانگ چونکہ ہم سے انگریزی میں گفتگو کرتا تھا اس لئے سوفیا کو اس کے خیالات کا علم ہو گیا۔ ورنہ شاید میں یہی وشش کرتا کہ اس کی دل شکنی نہ ہونے پائے۔

"اسے نیلم کے سپرد کر کے یہاں واپس آ جاؤ۔" کرنل نے مجھ سے کہا۔

نیلم اس وقت کوٹھی ہی میں موجود تھی۔ اس نے کافی دیر تک میرا مضحکہ اڑایا۔ مجھے بابا کہتی ہی اور سوفیا کو "بابی" کہہ کر مخاطب کرتی رہی۔ پھر وہ اسے اپنے ساتھ اپنے رہائشی کمروں کی رف لیتی چلی گئی۔

میں پھر لائبریری کی طرف واپس آیا۔ کرنل نے شائد کاغذات سمیٹ کر تھیلے میں بھر دیئے

تھے۔ تھیلا اب بھی میز ہی پر موجود تھا۔

میں نے کرنل کو لڑکی کی داستان سنائی اور چانگ کی "ہوہو" اسٹارٹ ہوگئی۔ میرا دل چاہا کہ الٹا ہاتھ اس کے منہ پر رسید کردوں مگر پھر تاؤ کھا کر رہ گیا۔ اگر مجھے اس کا خیال نہ ہوتا کہ وہ کرنل کا دوست ہے تو میں بلا تکلف ایک آدھ ہاتھ جھاڑ دیتا۔ اس کے ہنسنے کا انداز ایسا تھا جیسے میں الّو بن گیا ہوں یا میں نے جو کچھ بھی کہا ہے جھوٹ کہا ہے۔

کرنل نے میرے بیان پر تبصرہ نہیں کیا۔ البتہ چانگ سے بولے "فی الحال تو یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ لڑکی سچی ہے یا جھوٹی۔ اس کی تصدیق ہم اسی وقت کر سکیں گے جب فونگ ہاتھ آجائے۔

"مگر وہ سور کا بچہ ہاتھ ہی کیوں آنے لگا۔" چانگ نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "ویسے میرا دعویٰ ہے کہ فونگ بھی یہی چاہتا ہے کہ یہ لڑکی آپ کے مکان میں پہنچ جائے۔ ورنہ اسے دہاڑے کون نکال لا سکتا تھا۔"

"تو پھر اس کا یہ مطلب ہے کہ میں میک اپ میں بھی پہچان لیا گیا ہوں گا۔" میں نے کہا۔

"اس کے بارے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن اسے لکھ لیجئے کہ فونگ ہی کے ایماء پر لڑکی آپ کے ساتھ آئی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ لڑکی حقائق سے لاعلم ہو۔"

میں خاموش ہوگیا۔ اب چانگ کے اس خیال میں کسی حد تک وزن نظر آنے لگا تھا۔ رات مجھے بیہوش کیا گیا تھا۔ ہوسکتا ہے میں پہچان لیا گیا ہوں۔ پھر سب سے بڑی بات یہ تھی مجھے وہ ٹرک یاد آیا جس میں بانس بھرے ہوئے تھے۔ لیکن وہ خیمہ ساز فیکٹری میں خالی کئے بغیر شہر کی طرف موڑ دیا گیا تھا۔ ہوسکتا ہے اس میں فونگ ہی کے آدمی رہے ہوں اور یہ بھی ہے کہ چانگ کے گھر سے کوٹھی تک بھی میرا تعاقب کیا گیا ہو۔ شہر میں جہاں ٹریفک کی ریل رہتی ہے تعاقب کا اندازہ کرنا دشوار ہوجاتا ہے اور پھر میں نے تو خاص طور پر اس پر دھیان نہیں دیا تھا۔ چانگ کے گھر سے یہاں آتے وقت میں صرف سوفیا کے متعلق سوچتا رہا تھا۔ ذہن میں رکھے بغیر کہ وہ کس طرح مجھ تک پہنچی تھی کیوں پہنچی تھی۔ چانگ بڑبڑاتا رہا۔ کرنل سوچتے رہے اور میں بور ہوتا رہا۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ بہت زیادہ بور نہیں ہوا کیونکہ چانگ کی "ہوہو" اس وقت نہیں چل رہی تھی۔

دفعتاً کرنل بولے۔ "اچھا چانگ اگر وہ بوڑھا یوروپین ہی فونگ ہے تو اسے میری ح میں تصور کرو۔"

"نہیں....!" چانگ پر مسرت انداز میں چونک پڑا۔

"میں جانتا ہوں کہ اس کا قیام کہاں ہے۔ میں نے پچھلی رات ہی معلوم کر لیا تھا۔"

"ضروری نہیں ہے کہ وہ اب بھی وہیں ہو۔" چانگ نے مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے چند ساتھیوں سمیت اب بھی اسی مکان میں موجود ہے۔ میں ایسے واقع پر غافل رہنے کا عادی نہیں ہوں۔"

"تب پھر آپ دیر کیوں کر رہے ہیں۔" چانگ بولا۔

"بس اب دیر نہیں کروں گا۔" کرنل مسکرائے۔ "مجھے کیپٹن حمید کے اسی کارنامے کا انتظار ا۔"

ایک سرد سی لہر میرے جسم میں دوڑ گئی۔ کرنل کی مسکراہٹ ایسی ہی تھی میں نہیں سمجھ سکا ان کے لہجے میں کیا تھا۔ میں نہیں سمجھ سکا کہ میرے لئے جو کچھ انہوں نے کہا تھا وہ طنز تھا یا یقیناً میں ان کی نظروں میں کوئی کارنامہ انجام دیا تھا۔

چانگ جواب طلب نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کرنل نے میری طرف دیکھ کر ا۔ اب اس میک اپ کی ضرورت نہیں رہی اسے ختم کردو۔ مسٹر چانگ بھی خواہ میک اپ میں رے ساتھ چلیں خواہ اپنی شکل میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کیونکہ میں آج گارساں ے ساتھی تے ری فونگ کو پکڑ ہی لوں گا۔

"نہیں میں میک اپ ہی میں رہنا مناسب سمجھوں گا۔" چانگ نے کہا۔

"تمہاری مرضی۔" کرنل بولے اور کاغذات کا تھیلا میز کی دراز میں رکھتے ہوئے مجھ سے ا۔ "جاؤ جلدی کرو۔ اب اس میک اپ کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم اسی وقت وہاں جائیں گے ہاں فونگ مقیم ہے۔"

میں لائبریری سے لیبارٹری کی طرف روانہ ہوگیا۔

کیچڑ کا رومان

چانگ نے اس پر بڑی حیرت ظاہر کی کہ ہمارے ساتھ پولیس کی جمعیت نہیں تھی۔ صرف ں اور کرنل اس مہم کو سر کرنے کے لئے چل پڑے تھے۔ ہمارا تو یہی حال تھا لیکن دوسرے اس

پر یقین کرنے کو تیار نہیں ہوتے تھے۔ ویسے اس سلسلے میں کرنل کا کوئی اصول نہیں تھا۔ اکثر وہ تنہا ہی ایسی مہموں پر روانہ ہو جاتے تھے اور اکثر ایسا ہوتا کہ یا تو ان کی بلیک فورس کے آدمی ان کے آس پاس موجود ہوتے تھے یا ان کے بعض ماتحت۔

بہر حال اس وقت کی روانگی عجیب لگ رہی تھی۔ بس ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے چند خوشباش قسم کے آدمی کہیں خالی ہاتھ بیٹھے گفتگو کر رہے ہوں اور گفتگو کے دوران ہرن کے شکار کا تذکرہ چھڑ گیا ہو اور انہیں میں سے ایک صاحب نے اٹھ کر کہا ہو۔ چلو ہرن مار لائیں۔ اس وقت دل چاہ رہا ہے کہ آپ کو ہرن کے شکار کا ایک لطیفہ سنا ڈالوں۔ مگر ٹالئے ورنہ آپ اور میرے تذکرہ نویس صاحب دونوں ہی کہیں گے کہ سسپنس کا خون کر دیا۔ ویسے ہم کسی نہ کسی کا خون کرنے تو جا ہی رہے تھے۔ ظاہر ہے مجرموں کی گرفتاری کے سلسلے میں اکثر گولیاں بھی چلتی رہیں اور وہ گولیاں لگنے ہی کے لئے چلتی ہیں ان کا مقصد سلام و دعا یا مزاج پرسی نہیں ہوتا۔

"کرنل کہیں آپ غلطی تو نہیں کر رہے۔" چانگ نے کہا۔ "اسے اچھی طرح سوچ لیجئے کہ گارساں اور فونگ کے درمیان اس کا فیصلہ نہیں ہو سکا تھا کہ کون کس سے زیادہ خطرناک ہے۔"

"پھر تم کیا چاہتے ہو۔"

"اس طرح تنہا جانا ٹھیک نہیں ہے۔"

"تنہا.... ارے ہم تین ہیں چانگ۔"

"وہ تو ٹھیک ہے.... مگر....!"

"ہاں.... آں.... میں سمجھتا ہوں۔" کرنل کچھ سوچتے ہوئے بولے۔ "لیکن میں اس پر ابھی تک یقین نہیں کر سکا کہ وہ فونگ ہی ہو گا۔ کیوں چانگ کیا تمہارے پاس اسکی کوئی پہچان ہے۔"

"سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہ میں اسے اس کی اصلی شکل میں دیکھ سکوں۔"

"میک اپ میں بھی اسے نہیں پہچان سکتے۔" کرنل نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں.... میں ایک انہونی بات کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔"

"اسی لئے میں نے ضروری نہیں سمجھا کہ اس سلسلے میں قبل از وقت شور مچایا جائے اور میں عموماً ضابطے کے اندر ہی رہ کر کسی قسم کی کاروائی کرتا ہوں۔ اگر وہ لڑکی میرے ہاتھ نہ آگئی ہو تو میں اتنی جلدی نہ کرتا۔ فی الحال میں اس لڑکی کی شکایت پر بوڑھے سے پوچھ گچھ کیلئے جا رہا ہوں۔"

"صرف پوچھ گچھ....!" چانگ نے مایوسانہ انداز میں پوچھا۔

"پھر اور کیا.... ابھی اس سے زیادہ تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔"

"مگر آپ نے تو کہا تھا کہ میں یہ قصہ اسی وقت ختم کر دوں گا۔"

"ہو سکتا ہے ختم ہی ہو جائے۔"

اس پر میں خود بھی جھنجھلا گیا۔ پتہ نہیں چانگ کا کیا حال ہوا تھا۔ بس کرنل ایسے ہی مواقع پر لگتے ہیں جب ان کی طرف سے کسی بات کا کوئی صاف جواب نہیں ملتا۔

"اس سے پوچھ گچھ کرنے کے لئے میں ہی کافی تھا۔ آپ کیوں تکلیف کر رہے ہیں۔" میں ا۔

لیکن کرنل نے جواب نہیں دیا۔ کار شہر سے نکل آئی تھی۔

"کیا وہ شہر میں نہیں رہتا۔" میں نے پوچھا۔

جواب نفی میں ملا۔ لیکن یہ نہیں بتایا کہ جانا کہاں ہے۔ ویسے سڑک تو وہی تھی جو جھریالی کی جاتی ہے۔ چانگ کبھی کبھی استفہامیہ نظروں سے میری طرف دیکھنے لگتا تھا۔ ہم دونوں نشست پر تھے اور کرنل ڈرائیو کر رہے تھے۔

میرا دل چاہا کہ قوالی شروع کر دوں مگر چونکہ کرنل کے ساتھ تھا اس لئے تیس مار خانی کے نہیں نصیب ہو سکتے تھے۔ تیس مار خانی مجھ سے عموماً اس وقت سرزد ہوتی ہے جب میں تنہا وں۔ اگر کوئی ٹوکنے والا سر پر موجود ہو تو عقل اپنی حدود سے باہر نہیں ہونے پاتی۔

کار ایک کچے راستے پر موڑ دی گئی۔ پتہ نہیں منزل کہاں تھی۔ میری دانست میں تو ادھر ی عمارت ہو ہی نہیں سکتی تھی جہاں کوئی غیر ملکی شبہات سے بالاتر ہو کر قیام کر سکتا مگر پھر د آیا کہ جھریالی کے قرب و جوار میں چینی کے برتن بنانے کا بھی ایک کارخانہ ہے اور اس کے اس تھوڑی سی آبادی بھی پائی جاتی ہے۔ وہ کارخانہ ایک غیر ملکی فرم کے تحت چل رہا تھا اس ل کی نواحی بستی میں غیر ملکیوں کا قیام شبہے کی نظر سے نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔

میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ کار اسی بستی کی ایک چھوٹی سی عمارت کے سامنے روکی گئی۔ عمارت ارت تھی اور پائیں باغ مختصر سا مگر سلیقے کا تھا۔ کرنل کار سے اتر کر سیدھے عمارت کی بڑھتے چلے گئے۔ میں اور چانگ بھی بڑھے۔ ویسے آپ یقین کیجئے کہ میں بڑی بے دلی سے ہا تھا۔ میں چونکہ اپنے کیس کے ڈرامائی اختتام کا عادی تھا اس لئے مجھے کوفت سی ہو رہی تھی ل سوچ رہا تھا کہ اگر وہی بوڑھا فونگ ثابت ہوا تو بات کیا بنے گی کرنل اسے اسی طرح گرفتار ا گے جیسے مجرم عام طور پر گرفتار کر لئے جاتے ہیں۔ کرنل کے ساتھ کام کرنے کا لطف ل اسی میں تھا کہ کیس کے اختتام پر کسی چٹپٹے سے ناول کا مزہ آ جائے۔ وہ بڑے داؤ پیچ کے

ساتھ مجرموں پر ہاتھ ڈالتے تھے۔ اس انداز میں کہ مجرم بھی ہکا بکا رہ جاتے تھے۔

میرا دعویٰ ہے کہ ایسے مواقع پر اگر مجرموں کی ذہنی رو بہک جائے تو وہ خود بھی اسی ا میں تالیاں بجانے لگیں جیسے کسی فلم میں چوٹی والے ہیرو کی اس وقت کی اچانک آمد پر تالیا بجانے لگتے ہیں جب ویلین ہیروئن پر دست درازیاں کر رہا ہو۔ مگر میں سوچ رہا تھا کہ مجھے ش تالیاں بجانے کا موقع نہ مل سکے کیونکہ میں چانگ سے متفق تھا۔ میرا بھی خیال تھا کہ وہ بوڑ بوڑھا فونگ ہی ہوگا۔

کرنل برآمدے میں پہنچ کر کال بل کا بٹن دبا رہے تھے ہم بھی پہنچ گئے۔ لیکن دو منٹ جانے کے باوجود بھی دروازہ نہ کھلا۔

کرنل ہماری طرف مڑے۔ ان کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔

چانگ نے آہستہ سے کہا۔ "کرنل.... فونگ سے مقابلہ ہے۔ اگر وہ فونگ کا کوئی سا ہوگا تب بھی آسانی سے آپ اس پر ہاتھ نہ ڈال سکیں گے۔"

کرنل نے اس کے اس خیال پر اپنی رائے نہیں ظاہر کی۔ وہ چند لمحے کچھ سوچتے ر بولے اندر کوئی نہ کوئی موجود ضرور ہے لیکن وہ یا تو بہرہ ہے یا سو رہا ہے یا مر گیا ہے کیونکہ د اندر ہی سے بند ہے۔

"ہو سکتا ہے عقبی دروازے میں قفل پڑا ہو۔" میں نے خیال ظاہر کیا۔

"چلو اسے بھی دیکھے لیتے ہیں۔ مگر نہیں.... ہم یہیں تمہارا انتظار کریں گے۔"

میں برآمدے سے نیچے اتر آیا اور عمارت کی پشت کی طرف چل پڑا۔ عمارت گو چھو لیکن چہار دیواری کا پھیلاؤ پشت پر بہت زیادہ تھا اور یہاں مختلف قسم کی ترکاریوں کے چھوٹے کھیت تھے۔ انہیں کھیتوں کے درمیان مجھے ایک آدمی نظر آیا لیکن وہ آدمی ایسا ن جیب میں پڑے ہوئے ریوالور پر میری گرفت مضبوط ہوگئی۔

غالباً آپ سمجھ گئے ہوں گے۔ سوفیا کے چچا کو پہلی ہی نظر میں پہچان لینا میرے لئے کام نہیں تھا۔ میں نے عمارت کی طرف دیکھا جس کا عقبی دروازہ کھلا ہوا تھا۔ یہ بوڑھا غالباً سے کھیتوں کی طرف آیا تھا۔ میں اس کی جانب بڑھتا چلا گیا۔

"کیا بات ہے۔" اس نے چڑچڑے پن کا مظاہرہ کیا۔

"اوہ میں گوبھی اور شلجم کے بیج فروخت کرتا ہوں مطلب یہ کہ ایک ایسی فرم ک ہوں جو گوبھی اور شلجم اور چقندر وغیرہ کے بیج فروخت کرتی ہے۔"

"کرتی ہوگی۔" اس نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

"میرا شوکیس برآمدے میں رکھا ہوا ہے ذرا اُدھر چلنے کی تکلیف گوارا فرمائیے۔"

"او تم دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" اس نے بندروں کی طرح دانت نکالے۔ "ورنہ میں ابھی اپنا نخوار بلڈ ہاؤنڈ تم پر چھوڑ دوں گا۔"

پھر وہ بیٹھ گیا اور ایک کیاری کی مینڈ کاٹ کر اس کا زائد پانی دوسری کیاری میں منتقل کرنے گا۔

میں نے کہا۔ "اگر تم سیدھی طرح نہیں چلو گے تو میں تمہیں زبردستی لے چلوں گا۔"

"اچھا....!" وہ سر اٹھا کر مجھے تیکھی نظروں سے دیکھنے لگا اس کے دونوں ہاتھ بدستور پانی یں تھے۔ دفعتاً میں بوکھلا کر پیچھے ہٹ گیا۔ کیونکہ غیر متوقع طور پر بہت سا کیچڑ میرے چہرے کی رف اچھال دیا گیا تھا۔ مگر اب پیچھے ہٹنے سے کیا ہوتا تھا۔ کیچڑ تو پڑ ہی چکا تھا چہرے پر اور میری نکھیں بند ہوگئی تھیں۔ میں نے بیساختہ اس کے والدین کا شکریہ ادا کرنا شروع کر دیا اور پھر مجھے س زور کا غصہ آیا کہ آنکھیں کھولے بغیر ہی اس پر چھلانگ لگا دی اور "چھپاک" کی آواز کے ساتھ ہی میرا غصہ حیرت انگیز طور پر خوش مزاجی میں تبدیل ہوگیا کیونکہ میں پانی سے بھری ہوئی سی کیاری میں گرا تھا۔ پھر آپ جانتے ہی ہیں کہ کسی دلدل میں گر کر جلدی سے اٹھ بیٹھنا کتنا مشکل کام ہے۔ دانتوں پر بھی دلدل کا کچھ نہ کچھ اثر ہوتا ہی ہے۔ ورنہ میں کہتا کہ دانتوں پسینہ آجاتا ہے.... خیر ہاں.... آپ ہنس رہے ہوں گے۔ خدا کرے ہمیشہ اسی طرح ہنستے رہیں کیونکہ میرا غصہ بھی بالکل ہی کافور ہوگیا تھا۔

میں نے بدقت تمام آنکھیں کھولیں ان میں مرچیں سی بھر گئی تھیں۔ عمارت کا عقبی دروازہ بند نظر آیا۔ دروازہ بند ہونے کی آواز تو میں نے کیاری میں گرنے کے بعد ہی سنی تھی۔

تو گویا وہ بوڑھا اس وقت کسی پاگل اور جھکی آدمی کا رول ادا کر رہا تھا ورنہ اس طرح بھاگ کر دروازہ کیوں بند کر لیتا۔

میں وہیں کھڑا اپنے چہرے اور بالوں سے کیچڑ جھٹکتا رہا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کرنل اور چانگ کے سامنے کیسے جاؤں۔ یقین مانئے اس خیال پر سچ مچ مجھ پر بوکھلاہٹ طاری ہوگئی اور میں نے دوڑ کر دروازہ پیٹنا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی اندر سے بوڑھے کے قہقہے کی آوازیں آنے لگیں۔ ہ بچوں کی طرح ہنس رہا تھا۔

"بھاگ جاؤ.... بھاگ جاؤ۔" اس نے کہا۔ "اب کبھی اپنی شکل نہ دکھانا۔ میں انشورنش

ایجنٹوں سے اسی طرح پیش آتا ہوں۔"

پھر وہ خاموش ہو کر بڑبڑایا۔ "اب اُدھر کون سور کا بچہ ہے۔"

میں نے گھنٹی بجنے کی بھی آواز سنی تھی۔ ممکن ہے کرنل نے اندر سے قہقہے کی آواز پھر گھنٹی کا بٹن دبا دیا ہو۔ پھر میں نے قدموں کی آواز سنی۔ شائد وہ صدر دروازے کی طرف تھا۔ میں نے دروازے کی جھری سے جھانکا۔ میرا خیال غلط نہیں تھا وہ اسی جانب جا رہا تھا۔ اسے ایک دروازہ میں داخل ہوتے دیکھا پھر وہ نظر نہیں آیا۔

میں سوچنے لگا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ چانگ مجھے اس حال میں دیکھ کر اپنی "ہو ہو" اسٹارٹ کر دیتا اور میرا یہی دل چاہتا کہ یا تو اُسے "ہو ہو" کے قابل ہی نہ رہنے دوں یا اپنا گلا گھونٹ لوں۔ ویسے یہ دونوں ہی صورتیں ناممکن تھیں۔

اگر بوڑھے نے حقیقتاً مجھے کوئی انشورنش ایجنٹ ہی سمجھا تھا تو یقیناً وہ میری اصلیت سے ناواقف تھا۔ جب وہ میری اصلیت سے ہی ناواقف تھا تو اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ رات میک اپ میں ہونے کے باوجود بھی میں کیپٹن حمید ہی کی حیثیت سے نشانہ بنایا گیا تھا۔

مگر اس وقت یہ سب کچھ سوچنے کا موقع نہیں تھا۔ اندر سے پھر کسی قسم کی آواز نہیں آئی لیکن آنکھ میری بدستور جھری سے لگی رہی۔ شاید اسی حالت میں پانچ منٹ گذر گئے۔

اچانک میں نے کرنل کو دیکھا جو اندرونی برآمدے میں کھڑے چاروں طرف دیکھ تھے۔

لیکن میں انہیں آواز دینے سے پہلے ہی اچھل پڑا۔ کسی نے میری پشت پر ہاتھ مارا تھا۔ دوسرے ہی لمحے میں چانگ پر نظر پڑی جو حیرت سے آنکھیں پھاڑے مجھے گھور رہا تھا۔

"اوہ کیپٹن...." یک بیک اس کی "ہو ہو" چل پڑی۔

"یہی حشر تمہارا بھی ہو سکتا ہے مسٹر چانگ۔" میں دانت پیس کر بولا۔

"کیا ہوا کیا.... اسی سے جھگڑا ہوا تھا۔ اسے تو کرنل نے اس طرح پکڑ لیا جیسے کسی چ پکڑتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ مکان کی تلاشی لے رہے ہیں۔"

اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر دوسری طرف چلتے ہوئے کہا۔ "میں نے اس سے بھی بُر دیکھے ہیں کیپٹن۔ اس طرح میری شکل بگڑی ہے کہ میں آئینہ دیکھنا پسند نہیں کرتا تھا۔"

ہم صدر دروازے سے عمارت میں داخل ہوئے۔ بوڑھا اندرونی برآمدے کی ایک کرسی پر پڑا تھا اور اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیوں کا جوڑا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں تشو

آثار نہیں تھے۔ اس کی بجائے ان سے تمسخر جھانک رہا تھا۔

کرنل سامنے ہی والے کمرے میں کاغذات کا ایک ڈھیر الٹ پلٹ رہے تھے۔

دفعتاً کرنل ہنسنے لگا۔ ہنسی بالکل مجنونوں کی سی تھی۔ پھر یک بیک اسے غصہ بھی آ گیا اور وہ دونوں ہاتھوں سے مکا دکھاتا ہوا بولا۔ "تم لوگ ڈاکو ہو۔ اس طرح مجھے بے بس کر کے لوٹنا چاہتے ہو۔ لیکن یہاں تمہیں کچھ بھی نہیں ملے گا۔ میں کبھی کیش نہیں رکھتا۔ ایک پائی بھی نہیں۔"

"میں تمہیں تمہاری گرفتاری اور مکان کی تلاشی کا وارنٹ دکھا چکا ہوں۔" کرنل نے سر اٹھائے بغیر کہا اور بدستور کاغذات کو الٹتے پلٹتے رہے۔

"یہ میک اپ میں ہے کیپٹن" چانگ آہستہ سے بولا۔ "اور خود کو پاگل ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس کے چہرے سے میک اپ کی نقاب ہٹ جائے تو صاف گارساں کی شکل نکل آئے گی۔"

"گارساں کی۔"

"ہاں فونگ اور گارساں ہمشکل تھے۔"

"مگر اتنے خطرناک آدمی نے اتنی آسانی سے کیسے ہتھکڑیاں پہن لیں۔"

"مجھے خود بھی حیرت ہے کیپٹن۔" چانگ بولا۔ "ورنہ فونگ تو اپنے سائے سے بھی بھڑکنے والا آدمی ہے۔"

ہم دونوں آہستہ آہستہ گفتگو کر رہے تھے۔ بوڑھے نے صرف ایک ہی بار اچٹتی سی نظر ہم پر ڈالی تھی اور پھر اپنا سر سینے پر جھکا لیا تھا۔ میں سوچنے لگا کہ کہیں وہ سچ مچ کوئی مخبوط الحواس ہی نہ ہو۔ لیکن میں نے چانگ پر اپنا خیال ظاہر نہیں کیا۔

کرنل ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں جاتے رہے۔ انہوں نے میرا حلیہ دیکھا تھا۔ لیکن نہ انہوں نے مجھے ٹوکا تھا اور نہ اس پر حیرت ہی ظاہر کی تھی۔

چانگ نے کچھ دیر بعد کہا۔ "میرا خیال ہے کہ مجھے کرنل کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے گا۔"

"اوہ یہ فونگ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اگر فونگ ہوتا تو مر جاتا مگر اپنے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں نہ پڑنے دیتا۔ لیکن یہ اس کے گروہ کا کوئی اہم آدمی ضرور ہے ویسے میرا دعویٰ ہے کہ یہ میک اپ میں ہے.... اس کے بال.... اس کی ڈاڑھی سب نقلی ہیں۔ میں تو کہوں گا کہ کوئی اقدام کرنے سے پہلے اسے بھی کیوں نہ آزما لیا جائے۔ کہیں.... ایسا نہ ہو کہ....!"

"ٹھہرو....!" میں نے کہا اور آگے بڑھ گیا.... دوسرے ہی لمحے میں میرا ہاتھ بوڑھے کے سر پر پڑا۔ الجھے ہوئے بے ترتیب بال نقلی ہی ثابت ہوئے۔ اس کا سر انڈے کے چھلکے کی

طرح صاف تھا۔ پھر ڈاڑھی کی باری آئی اور وہ بھی نقلی ہی نکلی۔ بھلا میں مونچھیں اکھاڑنے میں کیوں دیر لگاتا۔ بوڑھا خاموشی سے بیٹھا رہا۔ جب میں اپنے کام سے فراغت حاصل کر چکا تو بوڑھا مسکرا کر بولا۔ "اب تم پوچھو گے کہ میں میک اپ میں کیوں رہتا تھا.... اس کا جواب یہ ہے کہ مجھے اپنا گنجا سر اچھا نہیں لگتا اور میں چاہتا ہوں کہ میرے چہرے پر خوبصورت قسم کی ڈاڑھی بھی ہو لیکن میری اصلی ڈاڑھی کسی کام کی نہیں تھی۔ دو چار بال یہاں اور دو چار بال وہاں۔"

مزا آگیا

ہماری کار شہر کی طرف واپس جا رہی تھی۔ بوڑھا میرے اور چانگ کے درمیان پھنسا ہوا تھا اور کرنل ڈرائیو کر رہے تھے۔

مجھے بوڑھے پر حیرت تھی اس نے ہمارے ساتھ آنے میں ذرہ برابر بھی ہچکچاہٹ ظاہر نہیں کی تھی۔ لیکن اس کی بڑبڑاہٹ برابر جاری ہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ ہم لوگ ضرور کوئی ٹھگ ہیں اور اس فکر میں ہیں کہ اس سے کوئی بڑی رقم اینٹھی جائے۔

"بس اب خاموش رہو۔" میں نے اس کی بڑبڑاہٹ سے اکتا کر کہا۔ "سوفیا تمہیں عدالت میں شناخت کرے گی۔"

"کون سوفیا۔"

"تمہاری بھتیجی جسے تم یورپ کی سیر کرا رہے تھے۔" میں نے کہا اور بوڑھا ہذیانی شکل میں ہنسنے لگا۔

"اگر میری کوئی بھتیجی مجھے شناخت کر لے تو مجھے پھانسی پر لٹکا دینا۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔" بوڑھے نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"تم سے زبردست غلطی ہوئی ہے حمید۔" کرنل نے کہا۔ "اسے میک اپ ہی میں رہنا ہوتا۔ میرا دعویٰ ہے کہ اب لڑکی کے فرشتے بھی اسے شناخت نہ کر سکیں گے۔"

چانگ کے منہ سے ایک تحیر زدہ سی آواز نکلی اور بوڑھا ہنسنے لگا۔

"اوہو.... میک اپ تو دوبارہ بھی کیا جا سکتا ہے۔" میں نے کہا۔

"ہرگز نہیں.... تم میں سے کوئی بھی اس کی ہمت نہیں کر سکتا۔" بوڑھا غرایا۔ "اگر ایسا

ی تو میرے کارخانے کے لوگ مجھے اس صورت میں شناخت نہ کر سکیں گے اور یہ ہو نہیں سکتا میرے کارخانے والوں سے شہادت نہ طلب کی جائے۔"

"چانگ تم نے بھی حمید کو نہ روکا۔" کرنل کے لہجے میں مایوسی تھی۔

"میں کیا کرتا کرنل۔ یہ بہت جلد باز آدمی ہیں۔" چانگ نے جواب دیا۔

مجھے چانگ کے ریمارک پر اتنا غصہ آیا کہ میں نے اسی کے سے انداز میں "ہو ہو" شروع کر دی۔

ہم گھر واپس آئے۔ نیلم نے اطلاع دی کہ لڑکی اس وقت اس طرح بے خبر سو رہی ہے جیسے س نے ہزاروں راتیں جاگ کر گذاری ہوں۔

ہم پھر لائبریری میں آ بیٹھے۔ بوڑھا ہمارے ساتھ تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں اب بھی ہتھکڑیاں لگی ہوئی تھیں۔ لائبریری میں آنے سے پہلے کرنل نے اپنی خواب گاہ میں جا کر کسی کو فون کیا تھا۔

"اب بولو۔" کرنل نے بوڑھے کو گھورتے ہوئے کہا۔ "فونگ کہاں ہے۔"

"فونگ.... بوڑھے نے اتنی حیرت ظاہر کی جیسے کرنل نے اس سے اظہار عشق کر دیا ہو۔"

"تم اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ تم تے ری فونگ کے ساتھیوں میں سے نہیں ہو۔"

"میں کسی تے ری فونگ کو نہیں جانتا۔" بوڑھے نے اس انداز میں کہا جیسے اپنے نجیب الطرفین ہونے کا یقین دلا رہا ہو۔

"تم ابھی اعتراف کر لو گے۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔ میں ایسی اذیتیں بھی دینا جانتا ہوں جو آدمی کو سب کچھ اگل دینے پر مجبور کر دیتی ہیں۔"

"تم غیر قانونی طور پر مجھے محبوس نہیں رکھ سکتے۔" بوڑھا غرایا۔

اتنے میں لائبریری والے فون کی گھنٹی بجی۔ کرنل نے اٹھ کر کال ریسیو کی۔ لیکن میں نے ان کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار دیکھے۔ چانگ بھی بہت غور سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ انہوں نے ایک جھٹکے کے ساتھ ریسیور رکھ کر دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "حمید میرے ساتھ آؤ۔"

میں بوکھلا گیا۔ میں نے کرنل کے چہرے پر اتنی سراسیمگی کے آثار کبھی نہیں دیکھے تھے۔ وہ دروازے میں رک کر مڑے اور چانگ سے بولے۔ "میری واپسی میں بیس منٹ سے زیادہ نہیں صرف ہوں گے۔ اس کا خیال رکھنا کہ یہ نکل کر جانے نہ پائے۔ ورنہ میں پھر تمہارے لئے کچھ نہ

کر سکوں گا۔"

"اس کے فرشتے بھی یہاں سے نہ جا سکیں گے۔" چانگ نے کہا۔ "مگر بات کیا ہے۔"

"اوہ ایک نہایت اہم معاملہ۔ لیکن یہ نجی ہے۔" کرنل نے کہا اور آگے بڑھ گئے۔

میرے پیر من من بھر کے ہو رہے تھے۔ کیونکہ میں ابھی تک کیچڑ ہی میں لپٹا ہوا تھا۔ نوکر دیکھ کر ہنستے تھے۔ نیلم نے مضحکہ اڑایا تھا۔ لیکن مجھے غسل خانے کی بجائے لائبریری ہی کی طرف جانا پڑا تھا۔ کرنل کا حکم.... اور نہ جانے اب کرنل ہی کا حکم مجھے کس پر رونق بازار میں تماشا بنا جا رہا تھا۔

"او سرکار۔" میں نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "یوں نہیں.... میرے گلے میں رسی ڈالئے اپنے ہاتھ میں ڈگڈگی لیجئے تب مزا آئے گا۔"

انہوں نے پلٹ کر میرا ہاتھ پکڑا اور کھینچنے لگے۔

"چل تو رہا ہوں۔" میں نے بے بسی سے کہا۔

وہ مجھے اسی طرح گھسیٹتے ہوئے عمارت کے ایک دور افتادہ کمرے میں لائے۔ یہاں کرنل زمانے میں مختلف قسم کے ساز بجانے کی مشق کیا کرتے تھے۔

"بیٹھ جاؤ۔" انہوں نے مجھے ایک کرسی پر دھکیلتے ہوئے کہا۔ "اب بتاؤ کہ تم بھوت کیسے گئے تھے۔"

"پہلے آپ بتایئے کہ جانا کہاں تھا۔"

"کہیں نہیں.... میں تو تمہیں یہاں اس لئے لایا ہوں کہ میں ستار بجاؤں گا اور تم کلیان الاپو گے۔"

"الاپنے کو تو میں شیام دلاری اور رام پیاری بھی الاپ سکتا ہوں مگر اب اُلو بننے کی سکت میں نہیں رہ گئی۔ آخر آپ نے فون پر کس سے گفتگو کی تھی۔"

"ارے وہ.... وہ تو ایک جنرل مرچنٹ کی کال تھی جس نے مجھے بتایا تھا کہ سیون او کلا کے بلیڈ بھی بازار سے غائب ہو گئے اب میں سوچ رہا ہوں کہ کون سے بلیڈ استعمال کروں۔"

"بہتر ہے" میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "اٹھایئے ستار! میں اسٹارٹ لیتا ہوں۔"

کرنل نے سچ مچ ستار اٹھا لیا اور میں عظیم پریم راگی کی سی دردناک آواز میں الاپنے لگا۔

"کیسے نہ آئی بے جیا لگن ہوبے کریئے"

قوالوں میں عظیم پریم راگی کے علاوہ مجھے آج تک کوئی پسند نہیں آیا۔ یہ میں نہایت سنجی

سے کہہ رہا ہوں۔ وہ ایک سچا آرٹسٹ ہے۔ اور مستقبل میں صرف "عظیم آرٹ" ہی زندہ رہے گا۔ مگر معاف کیجئے گا میں اب قوالوں اور قوالیوں کا تذکرہ نہیں چھیڑوں گا۔ ورنہ پھر سسپنس کا خون ہو جائے گا۔ آپ خود ہی سوچئے اس سے بڑا سسپنس اور کیا ہو گا کہ کرنل ایک مجرم کو لائبریری میں چھوڑ کر اتنی بدحواسی سے بھاگے تھے جیسے فون پر کسی عزیز کی موت کی اطلاع ملی ہو.... لیکن.... اب وہ یہاں بیٹھے ستار بجا رہے تھے اور میں قوالی الاپ رہا تھا۔

آخر پھر مجھ پر جھلاہٹ کا دورہ پڑا اور میں خاموش ہو گیا۔ ستار کے تاروں پر کرنل کی انگلیاں دوڑتی رہیں۔ اب انہوں نے ایک گت شروع کر دی تھی۔ میرے خدا یہ کرنل آخر کس قسم کا آدمی تھا.... کتنا شاندار.... کتنا عجیب.... کتنا لاپرواہ.... اور کتنا پراسرار....

میرا غصہ ذرا ہی سی دیر میں غائب ہو گیا اور میں ستار کی لے پر اس طرح ڈوبتا چلا گیا کہ سارا سسپنس ذہن کے کسی تاریک گوشے میں جا سویا۔

پھر اچانک گھنٹی کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ ادھر کرنل نے بھی ستار رکھ کر ایک طویل انگڑائی لی۔ سامنے والی دیوار پر لگی ہوئی گھنٹی پھر گنگنائی۔

"چوہا پھنس گیا حمید صاحب۔" کرنل اٹھ گئے۔ "آؤ.... اب چوہا ہمیں بھرویں سنائے گا۔"

"اور میں کتے کے پلے کی طرح ٹیاؤں ٹیاؤں کر دوں گا۔" مجھے پھر غصہ آ گیا۔

ہم دونوں تیزی سے لائبریری کی طرف جا رہے تھے۔ چانگ ہمیں دیکھ کر عجیب انداز میں ہنسا جو "ہو ہو" سے بہت مختلف تھا۔ وہ میز کے قریب کھڑا نظر آ رہا تھا۔

"او بھائی کرنل۔" اس نے کہا۔ "یہ تمہارا گھر ہے یا عجائب خانہ.... میں یہاں میز پر ہاتھ رکھ کر اٹھا تھا کہ میرا ہاتھ ہی پھنس گیا۔"

اب میں نے غور سے دیکھا تو چانگ کے داہنے ہاتھ میں ہتھکڑی نظر آئی۔

"اوہ.... اچھا....!" کرنل مسکرائے۔ "بھئی چانگ اس میز کی دراز میں گارساں کے کاغذات تھے۔ لہٰذا اس میں سے ہتھکڑیاں بھی نکل سکتی ہیں۔ خود ہی دیکھو تم نے تار کے ٹکڑے کی مدد سے اس کا قفل کھولنے کی کوشش کی تھی حالانکہ یہ قفل اس کا عادی نہیں ہے۔ اگر اس کے ساتھ ذرا بھی بدتمیزی ہو تو یہ اسی طرح یا تو ہتھکڑی اگل دیتا ہے یا خنجر۔ شکر ہے کہ تم خنجر سے محفوظ رہے ورنہ وہ تمہارے سینے میں پیوست ہو جاتا اور میں تم سے یہ نہ پوچھ سکتا کہ پیارے مسٹر تے ری فونگ تمہارے لئے کافی منگواؤں یا چائے۔"

"تے ری فونگ....!" میں بیساختہ اچھل پڑا۔

بوڑھا بھی چانگ کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔

"کھٹاک۔"

میں چیخ پڑا۔ کرنل زمین پر بیٹھ گئے اور چاقو سامنے والے بند دروازے میں پیوست ہو گیا۔ چانگ کا بایاں ہاتھ آزاد تھا۔ اس نے جیب سے چاقو نکال کر بڑی پھرتی سے کرنل کا نشانہ بنالیا تھا۔

کرنل نے قہقہہ لگایا۔ اور بڑے اچھے موڈ میں بولے۔ "اسی جیب میں ریوالور بھی موجود ہے چانگ اب اسے آزماؤ۔"

چانگ نے ذرہ برابر بھی سستی نہیں دکھلائی۔ ریوالور بھی نکل آیا۔ مگر چٹ چٹ کر کے رہ گیا اور پھر چانگ نے جھلاہٹ میں وہ بھی کرنل پر کھینچ مارا۔ ظاہر ہے کہ اس کا بھی وہی انجام ہوا تھا جو چاقو کا ہوا تھا۔

"اب دیکھو نا مسٹر تے ری فونگ" کرنل چینیوں ہی کے سے انداز میں بولے۔ "تم بھی گارساں ہی کی طرح مشہور تھے۔ مگر تمہیں اس کا ہوش نہیں کہ میں نے کب تمہاری جیب سے ریوالور نکالا اور اسے خالی کر کے دوبارہ رکھ بھی دیا۔ مجھ تک آنے سے پہلے تمہیں گارساں کے انجام پر بھی نظر ڈالنی چاہئے تھی۔ کیا وہ تمہارا استاد نہیں تھا۔ لیکن جب اس کے پر نکلے تھے تو اس نے میرے ہی ملک کا رخ کیا تھا۔ خیر گارساں تو یقیناً بہت چالاک تھا مگر تم.... تم سے بڑا ڈفر آج تک میری نظروں سے نہیں گذرا۔ اس پر تم نے کیسے یقین کر لیا تھا کہ میں نے تمہیں کاؤپی چانگ ہی سمجھ لیا ہے۔ کاؤپی چانگ جو میری تحقیقات کے مطابق اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ تم سے کہیں زیادہ چالاک تھا۔ وہ میک اپ میں کبھی اس طرح نہ ہنستا جس طرح تم ہنستے ہو۔ تم نے چانگ کی ہنسی کی نقل اتارنے کی کوشش ضرور کی ہے مگر اس نکتے کو ہمیشہ بھول جاتے ہو کہ میک اپ میں ہنسی کے اس مخصوص انداز سے اجتناب کرنا چاہئے۔ پھر دوسری بات تم نے یہ کیسے یقین کر لیا کہ چانگ کے بارے میں میرا بھی وہی نظریہ ہے جس کا عام طور پر فارموسا کی حکومت پروپیگنڈا کرتی ہے۔ کیا تم اتنی عقل نہیں رکھتے کہ اس پروپیگنڈے کا مقصد سمجھ سکو۔ کاؤپی چانگ چین کا بہترین دماغ تھا۔ اس سے سرخ چین کی حکومت کو خدشہ ہو سکتا ہے لہٰذا فارموسا کی حکومت سرخ چین کو اس خلش میں مبتلا رکھنا چاہتی ہے کہ چانگ زندہ ہے اور وہ ایک نہ ایک دن اس کا تختہ ضرور الٹ دے گا۔ بس اتنی سی کہانی ہے اس پروپیگنڈے کی جو فارموسا سے سرکاری طور پر کیا جارہا ہے۔ آئے دن وہاں کا ریڈیو اسٹیشن چیختا رہتا ہے کہ چانگ زندہ ہے اور عنقریب وہ قوم پرستوں کا

بن جائے گا۔ بس اسی لئے تم اپنی نقلی پیٹ کی کہانی لے کر میرے پاس دوڑے آئے۔ آنتیں نکال کر دکھائیں تاکہ میں یقین کر لوں کہ تم کس طرح اپنے دشمنوں کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو گئے تھے اور حقیقتاً زندہ ہو.... اور تمہاری اس اچھل کود کا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح گارساں کے کاغذات تمہارے ہاتھ لگ جائیں۔ ریکارڈ روم میں گھسنے کی ہمت تم میں نہیں تھی لہٰذا تم نے اپنی ذہانت پر اعتماد کر کے مجھے اُلو بنانے کی اسکیم بناڈالی۔ اپنے ماتحتوں کے ذریعے ایک ڈراما اسٹیج کرایا اور مجھے یقین دلاتے رہے کہ وہ تے ری فونگ کے آدمی ہیں۔ تے ری فونگ کو بے حد پراسرار آدمی بنا کر پیش کیا اور پھر یہ تجویز میرے سامنے رکھی کہ وہ کاغذات نکالے جائیں جو گارساں کی گرفتاری کے بعد اس کے پاس سے برآمد ہوئے تھے۔ تم نے خیال ظاہر کیا تھا ممکن ہے انہیں کاغذات سے کوئی ایسی بات معلوم ہو سکے جس سے تے ری فونگ کے متعلق کچھ معلوم ہو جائے۔ میں جو تمہیں ایک چوہے کی طرح پکڑنے کا تہیہ کر چکا تھا اس پر آمادہ ہو گیا اور پھر مجھے یہاں لائبریری میں یہ میز رکھوانی پڑی۔ ورنہ تمہارے ہی قول کے مطابق یہ میرے عجائب خانے ہی میں پڑی رہتی ہے۔"

"بس ختم کرو یہ مذاق" چانگ نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر مسکرانے کی کوشش کی۔

"مگر تمہارے مذاق نے تو مجھے ہی ختم کر دیا ہوتا۔ یہ چاقو.... وہ ریوالور.... یہ ریوالور تو دراصل اس بوڑھے کے لئے تھا اگر تمہیں موقع مل جاتا تو میرا اعتماد حاصل کرنے کے لئے تم اسے ختم ہی کر دیتے۔ مجھے یقین ہے کہ اس بوڑھے یا تمہارے دوسرے ساتھیوں نے آج تک تمہاری شکل نہ دیکھی ہوگی۔ تم نے سوچا تھا کہ اگر یہ سب گرفتار ہو گئے تب بھی تمہارا کچھ نہ بگڑے گا۔ یہ تمہاری نشاندہی نہیں کر سکیں گے۔ مگر اس لڑکی کی کہانی مجھے ضرور سناؤ۔ تم نے حقیقتاً ان کاغذات کے لئے بہت بکھیڑا کیا تھا۔ ایک ایسی لڑکی کی کہانی یقیناً میرا ذہن الجھا سکتی تھی اور میں تمہارے شبہے کی بناء پر گارساں کے کاغذات ریکارڈ روم سے نکال سکتا تھا۔ مگر تمہاری ہنسی.... سچ پوچھو تو.... تم ہنسی کی وجہ سے مارے گئے۔ ورنہ ہو سکتا تھا کہ تم مجھے فریب دینے میں کامیاب ہی ہو جاتے۔ کیونکہ تمہارا میک اپ بڑا شاندار تھا اور اس معاملے میں تم یقیناً گارساں سے ٹکر لیتے ہو.... آہاں ان کاغذات کو تو میں بھول ہی گیا۔ حمید! ذرا ان کی پشت کھولو۔ بس کوٹ اور قمیض اوپر اٹھادو۔"

"خبردار.... اگر کوئی میرے قریب آیا۔" فونگ دھاڑا اس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔

اس نے پھر گرج کر کہا۔ "ابھی میرا ایک ہاتھ اور دونوں پیر آزاد ہیں اور میں تے ری فونگ ہوں.... فونگ دی گریٹ۔" پھر اس نے اپنی زبان میں کچھ کہا۔ یقیناً یہ "منم" قسم کا کوئی نعرہ ہی تھا۔

"میں تمہارے قریب آؤں گا۔" کرنل مسکرائے۔ "اور اسی بات پر تمہیں آزاد بھی کردوں گا تاکہ تمہیں اپنے کمالات دکھانے کا موقع مل سکے۔"

کرنل آگے بڑھے اور فونگ نے میز پر بایاں ہاتھ ٹیک دولتی چلائی۔ لیکن میں نہیں دیکھ سکا کہ کرنل نے کیا کیا۔ ویسے یہ تو دیکھ ہی رہا تھا کہ دوسرے ہی لمحے میں میز دوسری طرف گر گئی اور خود فونگ اسی پر ڈھیر ہو گیا۔ کرنل نے اسے دبوچ کر میز کی دراز کا ہینڈل گھمایا اور اس کا داہنا ہاتھ ہتھکڑی کی گرفت سے آزاد ہو گیا۔

"اب آؤ" کرنل اسے چھوڑ کر ہٹتے ہوئے بولے۔ مگر فونگ اٹھ نہ سکا۔ گرتے وقت پتہ نہیں کہاں چوٹ آئی تھی جس نے اسے نڈھال کر دیا تھا اور وہ شائد اسی کی بناء پر آنکھیں کھولنے میں بھی دشواری محسوس کر رہا تھا اور اس کا سارا جسم کسی چوٹ کھائے ہوئے مینڈک کی طرح کانپنے لگا تھا۔

کرنل نے اس کی پشت سے لباس ہٹایا اور آہستہ سے بولے۔ "یہ بلاشبہ فونگ ہے۔ یہ نشان دیکھو۔"

فونگ بیہوش ہو چکا تھا۔ میں نے اس کی پشت پر سرخ رنگ کا ایک نشان دیکھا جو چھپکلی سے مشابہ تھا اور یہ نشان پیدائشی معلوم ہوتا تھا۔

"ان کاغذات کو یہ اسی لئے حاصل کرنا چاہتا تھا کہ ان میں اس چھپکلی کے نشان کا تذکرہ ملتا ہے۔ گارساں کے ساتھیوں میں اس کے کچھ ایسے معتمد بھی تھے جنہوں نے گارساں اور فونگ دونوں ہی کو دیکھا تھا۔ لیکن دونوں کی شکلیں یکساں ہونے کی بناء پر انہیں بھی دھوکہ ہو جاتا تھا۔ اس لئے یہ چھپکلی ان دونوں کے درمیان امتیازی نشان قرار پائی تھی۔ مگر یہ کاغذات اس بات کی وضاحت نہیں کرتے کہ چھپکلی کا نشان رکھنے والا فونگ کہلاتا ہے۔ بس اس کا تذکرہ چھپکلی والا لکھ کر کیا گیا ہے۔ یا پھر بعض جگہ یہ لکھا گیا ہے کہ وہ جس کی پشت پر چھپکلی کا نشان ہے۔ تمہیں یہ بھی یاد ہوگا کہ گارساں کا کیس ختم ہونے کے بعد اخبارات میں ان کاغذات کے خوب خوب تذکرے

ئے تھے اور لکھا گیا تھا کہ گارساں کے جتنے بھی ساتھی گرفتار ہوئے ہیں ان میں کوئی ایسا آدمی ں مل سکا جس کی پشت پر چھپکلی کا نشان ہوتا۔ بہرحال اس کے سر پر چھپکلی ہی سوار تھی کہ یہ اس ے لئے یہاں دوڑا آیا۔"

"تو یہ دوہرا میک اپ کرتا تھا۔" میں نے پوچھا۔

ہاں قطعی دوہرا.... اصلی چہرے پر چانگ کا پلاسٹک میک اپ ہے اور اس میک اپ پر یہ ہرے معمولی قسم کے میک اپ کرتا رہتا تھا۔

چلئے کہانی بھی ختم ہو گئی۔ جناب اب بقیہ نتائج آپ خود اخذ کر لیجئے۔ ذرا سوچئے تو کہ فونگ ے کس طرح گھستا رہا تھا اور خود کس طرح گھسا گیا تھا۔ گویا کرنل نے اس دن تہیہ کر لیا تھا کہ نگ کو پکڑ ہی لیں گے ورنہ اس مہم پر روانگی سے پہلے اسی کے سامنے وہ کاغذات اس میز کی دراز ں کیوں رکھتے جس میں آٹومیٹک ہتھکڑی موجود تھی۔ گویا انہیں پہلے ہی سے علم تھا کہ اس دوجہد کا نقشہ کیا ہوگا۔ یعنی انہیں معلوم تھا کہ وہ بوڑھے کو پکڑ کر لے ہی آئیں گے اور پھر نگ کو موقع دیں گے کہ وہ کاغذات چرانے کی کوشش کرے۔

آٹومیٹک ہتھکڑی کا سلسلہ اس گھنٹی سے ملایا گیا تھا جو اس کمرے میں لگی ہوئی تھی جہاں ہم دنوں نے گایا بجایا تھا۔

کیا اب یہ بھی بتانے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے کہ بانسوں کے لدے ہوئے اس ٹرک پر کرنل ہی کے آدمی تھے۔ جس نے جھریالی تک میرا اور سوفیا کا تعاقب کیا تھا۔ وہ لوگ یہ دیکھنے کے لئے پیچھے گئے تھے کہ ہمارا تعاقب کیا جاتا ہے یا نہیں۔ یہاں بھی فونگ سے غلطی ہوئی تھی۔ فونگ کو ہمارا تعاقب ضرور کرانا چاہئے تھا.... کرنل اسی سے اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ سوفیا کا اغواء مین فونگ کی مرضی کے مطابق ہوا تھا.... اور وہ خاص طور سے ہمارے سر منڈھی گئی تھی۔

اب میں آپ کو ہرگز نہیں بتاؤں گا کہ فونگ کا کیا حشر ہوا.... اور وہ کس ملک کے لئے کام کر رہا تھا۔ کیوں کہ یہ ملک کے راز ہیں۔

رہا سوفیا کا معاملہ تو اسے اس کے وطن بھجوا دیا گیا اور اسے اصل معاملے کا علم ہی نہ ہو سکا۔

بوڑھے نے اقبال جرم کر لیا تھا۔ سوفیا کو اسی نے ورغلایا تھا ورنہ وہ حقیقتاً معصوم تھی۔

فونگ کے ساتھی تعداد میں دس گیارہ تھے۔ لیکن انہیں فونگ کی شخصیت کا علم نہیں تھا۔

ان لوگوں کو ان کے ملک کی حکومت کی طرف سے ہدایت ملی تھی کہ وہ فونگ نامی ایک شخص کے احکامات کی تعمیل کریں جو ان کے سامنے نہیں آئے گا۔ بلکہ پس پردہ ان پر کنٹرول کرے گا۔

”اچھا جناب اب اجازت دیجئے۔ لیکن خدارا میری یہ کہانی زیادہ پسند نہ کیجئے گا ورنہ مجھے بھی شاعروں ہی کی طرح ”واہ واہ“ کی چاٹ پڑ جائے گی اور میں اپنے دھندے سے بھی جاؤں گا۔“

”اس کہانی سے دو نصیحتیں حاصل ہوتی ہیں اول تو یہ کہ آنکھیں بند کر کے کسی کے پیچھے مت چلو۔ ورنہ کوئی فونگ تمہیں اُلو بنا کر رکھ دے گا.... دوسری نصیحت یہ کہ خوبصورت لڑکیوں کے چکر میں ضرور پڑو کیونکہ دھکے کھائے بغیر آدمی دنیا کے سرد و گرم سے آشنا نہیں ہو سکتا۔“

تمام شد